إِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

تقدیر کیا ھے؟

تالیف
علامہ ابن عطاء اسکندری

ترجمہ
مولانا اشرف علی تھانوی

بحکم
حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یو، پی)

قیمت مجلد تین روپے پچاس پیسے

فہرست مضامین الاکسیر فی اثبات التقدیر (تقدیر کیا ہے؟)

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عرضِ مترجم	۷	ترکِ تدبیر پر پہلی حجت	۳۴
کتاب کی ابتدا اور حمد	۱۱	ترکِ تدبیر پر دوسری حجت	۳۷
نعت و تمہیدِ مقصود	۱۲	تیسری و چوتھی حجت	۳۸
بیان آیۂ فلا وربک لا یؤمنون	۱۴	پانچویں حجت	۴۰
اسبابِ رضا بالقضا	۱۷	ابراہیم بن ادہم کا واقعہ	۴۱
سببِ اول تا دہم	۱۸ تا ۲۴	و چھٹی حجت	
فوائد آیۂ وربک یخلق ما یشاء	۲۵	شیخ ابو مدینؒ کا فرمان	۴۲
نو مقاماتِ یقین	۳۰	و ساتویں حجت	
تدبیر سے توبہ	۳۱	آٹھویں حجت و ایک شیخ کا فرمان	۴۳
زہد کا صحیح طریقہ	؍؍	نویں و دسویں حجت	۴۴
تدبیر اور صبر و شکر	؍؍	شیخ ابوالحسن کی دعا و ایک حکایت	۴۵
تدبیر اور امید و بیم	۳۲	حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ	۴۸
تدبیر اور توکل	؍؍	اور اس کی حکمتیں	
تدبیر اور مقام محبت	؍؍	شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد	۵۰
تدبیر اور مقام رضا	؍؍	فائدہ جلیلہ	۵۳
اللہ کی تدبیریں بندوں کے لئے		تنبیہ و اعتبار	۵۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ترتیب وبیان	۵۵	نتیجہ واقعہ خلیل علیہ السلام سے	۹۲
رجوع بمطلب	۵۶	تدبیر کی قسمیں	۹۵
حضرت بایزیدؒ کی تمنا	۶۰	زہد کی علامتیں	۹۸
شیخ کا ارشاد	۶۱	شیخ کا خواب	۹۹
حضرت نوحؑ کے واقعہ میں درس بصیرت	۶۵	صحابہؓ کی زندگی اور طلب دنیا	۱۰۰
مقام عبرت	۶۶	بعض مالدار صحابہ رضؓ کا حال	۱۰۴
فوائد آیۂ ان الذین اتقوا	۶۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۰۷
فائدہ اوّل تا دہم	۷۰تا۷۶	تدبیر دنیا کی واضح علامات اور دلائل	۱۰۹
حکمت تخلیق شیطان	۸۰		
قصۂ حضرت خضر علیہ السلام	۸۳	حضرت عیسیٰ کا فرمان	۱۱۱
تقریر وبیان جس میں قواعد تدبیر ومنازعت تقدیر کا ذکر ہے	۸۵	وسائل واسباب کا مرتبہ	؍؍
حقیقی اسلام اور مسلم	؍؍	دنیادار نیک اور دیندار بد کی تفصیل	۱۱۲
قصہ ابراہیم علیہ السلام	۸۶	نفس کی خصلت	۱۱۴
فائدہ جلیلہ	۸۷	دنیاداروں کے لئے دو ضروری چیزیں	۱۱۵
ایک شبہ کا جواب	۸۸	اہل دنیا کے لئے ضروری ہدایات جن پر عمل کرکے وہ دینداری کے ساتھ دنیادار رہ سکتے ہیں	؍؍
دوسرا فائدہ جلیلہ	؍؍		
انسان کی خلافت الٰہی	۸۹		

مضمون	صفحہ
پہلی تا پانچویں ہدایت	۱۱۶ تا ۱۱۷
تبلیغ کس پر فرض ہے	۱۱۸
چھٹی تا دسویں ہدایت صفحہ 119 تا	۱۲۱
غیبت کا گناہ اور اس سے بچنے کا طریقہ	״
شیخ کے بیان کردہ چار آداب اور ان کی تشریح	۱۲۲
مضمون اصلی کا بیان شروع	۱۲۷
دل کی سیاہی و دنیوی تدابیر کا نقصان	۱۲۸
دنیاوی تدابیر اور ان کا علاج	۱۲۹
پیرزادہ کا قصہ	۱۳۳
تدبیر کی اصل و بنیاد	۱۳۴
آیت کے ذیل میں نفس کی تشریح	۱۳۶
رزق کی فکر اور دنیا طلبی کے شیطانی دھوکوں کی تفصیل اور ان کا علاج	۱۴۱
حیوانات کو ضروریات اور حاجت کا محتاج بنانے کا فائدہ	۱۴۳

مضمون	صفحہ
دعاء کی حقیقت و تشریح ہدایت	۱۴۷
ایک شبہ کا جواب	۱۴۹
ایک شبہ کا جواب	۱۵۳
نفس کی لذتیں حاصل کرنے کا ایک واقعہ	۱۵۴
حق تعالیٰ ہی رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہے	۱۵۷
معتزلہ کا مذہب اور اسکی تردید	۱۵۸
ابراہیمؒ بن ادہم کی توبہ	۱۵۹
امام مالکؒ کا فرمان اور فقہ کی تعریف	۱۶۰
یادِ الٰہی میں غرق انسانوں کے قصے	״
فوائد آیت اور مقصود کا بیان	۱۶۲
علمِ نجوم کا اثر ایمان پر	۱۶۳
دوسری آیتِ رزق اور اس کے فائدے	۱۶۵
تیسری آیتِ رزق اور اس کے فوائد	۱۶۷

مضمون	صفحہ
فضائلِ نماز وفائدہ سوم	۱۷۰
نماز مجموعۂ عبادات	۱۷۴
بندے اور خدا میں تقسیم کار	۱۷۵
تنگیٔ معاش کا علاج	۱۷۹
چوتھی آیت رزق	۱۸۱
شیخ کا ارشاد	۱۸۳
پانچویں آیت رزق اور اس کے فائدے	۱۸۵
ایک دیہاتی کا یقین	۱۸۸
مکار دین داروں کا حال	۱۹۱
ہمارے آج کے یقین پر دردناک قصۂ عبرت	۲۰۰
احادیثِ رزق	۲۰۱
دنیاوی ذریعہ معاش کرنا اور اس کے فائدے	۲۰۳
کسبِ معاش اور رضائے حق میں قول فیصل	۲۰۵
روزی کمانے والوں کی قسمیں اور طلبِ رزق میں اجمال کے معنی	۲۰۶
ایک حکایت	۲۰۸
شیطان کی ایک بڑی مکاری کا انکشاف	۲۰۹
شیخ کا واقعہ	۲۱۲
ثعلبہ کا قصہ	۲۱۴
دعاء قبول ہونیکی مدت	۲۱۶
دعا کا مقبول طریقہ	۲۱۷
مضمون اصلی شروع	۲۱۹
مال جمع کرنے والوں کی قسمیں	۲۲۰
حضرت معروف کرخی کی دعاء	۲۲۲
مومن کا مرتبہ	۲۲۳
ایک عارف کا قصۂ معرفت	۲۳۰
حکایتِ ائمہؒ	۲۳۲
حضورؐ کے مال جمع کرنے کی وجہ	۲۳۳
طالب علم کا رزاق اور علم کی تعریف	۲۳۴
شیخ کی دعاء اور طلب رزق	۲۳۵
نعمتوں کا حساب وسوال	۲۳۶

مضمون	صفحہ
رزق کیساتھ مقامِ توحید یعنی دنیا کو ساتھ دین	۲۳۷
شیخ کا ارشاد	۲۳۸
مکار صوفی کا حال	۲۳۹
رزق اور اس کے اثرات و کیفیات	۲۴۰
صوفی کے لئے ہدایت	۲۴۴
ایک عارف کا قول معرفت	۲۴۵
حیات ابراہیمؑ کا سبق	۲۴۶
مالدار ہونے کا مجرب نسخہ کیمیا	۲۴۷
عمل خیر کی کسوٹی اور اثر	۲۴۸
حضرت علی رضؓ کا وعظ	۲۴۹
اللہ والوں کے قصے رزق کے متعلق	۲۵۰
حضرت علی رضؓ کا ارشاد	۲۵۱
بخل کی قسمیں اور تعریفات	۲۵۳
نوافل کی حکمت	۲۵۶
فرائض کے لئے وقت کی قید کیوں ہے	۲۵۷
شیخ کا بتایا ہوا وظیفہ	۲۵۸
مضمون اصلی شروع	۲۵۹
نکاح کا ایک قصہ	۲۶۰
معرفت الٰہیہ	۲۶۱
انسانوں کی دو قسمیں	۲۶۳
اللہ کے مقابلہ میں تدبیر کرنے والوں کی مثالیں اور خدا کی بندگی کرنے کی عقلی دلیلیں	۲۶۴
مثال ۱ تا ۲۵ صفحہ ۲۶۵	تا ۲۷۹
خدا تعالیٰ کا بندوں سے خطاب اولیاء اللہ کی زبانی	۲۸۰
خطاب ۱ تا ۲۹ صفحہ	۲۸۰ تا ۲۸۹
دعا و خاتمہ کتاب	۲۹۱
خاتمہ ترجمہ مع قطعتین تاریخ از مترجم	۲۹۴
مناجات از مولانا سید حمزہؒ	۲۹۵
قطعہ تاریخ از مولاناؒ	۲۹۹
تقریظ از مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ	۳۰۱

M. Shafi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست — محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس — محمد حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر خواہے بیان کرد — بہ بیتے ہم قناعت میتوان کرد
محمد از تو میخواہم خدا را — الٰہی از تو حبِ مصطفیٰ را

امابعد، عرض کرتا ہے یہ احقر خدام آستانۂ فیض کاشانہ امام العارفین مقدام الراسخین سراج الاولیا تاج الکبراء زبدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ سید السادات جنید الزمان بایزید الدوران سیدی وسندی ومعتمدی ومستندی ذخرۃ یومی وغدی مکان الروح من جسدی حضرت مرشدنا ومولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ المہاجر التھانوی مولداً والمکی مورداً الفاروقی نسباً ومحتداً الحنفی مذہباً الصوفی مشرباً ادامہ اللہ تعالیٰ کاسمہ الشریف امداداً من اللہ علی العباد۔ وافاضۃ علی طالبی الرشاد کہ ہمارے ملک میں اکثر لوگ تحصیل دنیا پر اس قدر گرے ہیں کہ حلال وحرام میں بھی تمیز نہیں کرتے اور اوامر ونواہی کی خبر نہیں رکھتے کاروائی پر نظر ہے نہ حساب کی خبر نہ عقاب کا خطرہ ہے منشا اس انہماک واستغراق کا یہی ہے کہ تقدیر پر اعتقاد نہیں پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کو عقیدہ حق جانتے ہیں، مگر پست ہمتی سے ظاہر کو باطن کے موافق نہیں کر سکتے، اور بعض ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی کو فسانہ بیمعنی سمجھتے ہیں اور ایسے

اعتقاد والوں پر ہنستے ہیں یہ خیال باطل مدعیان تہذیب و روشنی جدید کا جمایا ہوا ہے جنھوں نے اس کے علاوہ دین میں اور بھی بہت سا فتور مچایا ہے ایک روز حضرت والا ممدوح الذکر دام ظلہم کی محفل قدس و مجلس انس میں کہ منبع فیوض و انوار و معدن برکات و اسرار ہے منجملہ افادات اس مضمون کا بھی تذکرہ ہوا از انجا کہ مقبولان الٰہی مظہر اتم صفت رحمت کے ہوتے ہیں حضور ممدوح دام ظلہم کو براہ شفقت و دلسوزی خیال ہوا کہ ان غریقان بحر غفلات کو ساحل ہدایت پر لانے کی کوئی صورت نکالی جاوے ارشاد فرمایا کہ کتاب تنویر فی اسقاط التدبیر تصنیف حجت الاولیاء ابن عطار صاحب حکم قدس سرہٗ اس مبحث میں خوب ہے جس کا ہر مضمون مدلل بدلائل عقلیہ و نقلیہ و کشفیہ ہونے کے سبب سے مقبول و مرغوب ہے، اگر اردو زبان میں اس کا ترجمہ ہو جاوے تو نفع اس کا عام اور فیض اس کا تام ہو اور عجب نہیں کہ مدعیان مذکور بھی بشرط فہم و انصاف و ترک تعصب و اعتساف راہ راست پر آ دیں، ورنہ اور سارے مسلمان تو اس اعتقاد فاسد اور خیال کاسد سے محفوظ رہیں گے اور کسی کے دام میں نہ پھنسیں گے اور نیز اس سے طلباء کو علم اور علماء کو عمل اور عابدوں کو معرفت اور عارفوں کو حال اور اہل حال کو مقام اور اہل مقام کو کمال اور اہل کمال کو دولت بے زوال نصیب ہو گی اور اس نادان ناکارہ کو جو خاص واسطے استفادہ معانی و برکات کے حضور میں ہند سے چند ماہ کا آیا ہوا تھا اور اس وقت حاضر محفل فیض منزل تھا ترجمہ کے لئے فرمان ہوا جس پر میں باوجود اپنی نااہلیت کے امتثالاً للامر مستعد بدل و جان ہوا روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتا اور حضور میں سنا دیتا تھا یہاں تک بہت تھوڑی مدت میں بحمد اللہ اتمام کو پہنچا اور اکسیر فی اثبات التقدیر نام رکھا گیا، میری بد استعدادی و کاہلی پر اس

امر کا سر انجام ہونا محض حضور دام ظلہم کا فیضان ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان

مصلحت را تہمتے بر آہو چین بستہ اند!

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

بعض مواقع پر تفصیل اجمال یا توضیح اغلاق کے لئے ترجمہ سے زائد متن میں کچھ بڑھایا گیا اس کے شروع پر حروف ف اور اس کے ختم پر حرف ت لکھدیا گیا اور کہیں کہیں حاشیہ پر حضور دام ظلہم کے بعض ارشادات جو وقتِ استماع ترجمہ فرماتے جاتے تھے لکھ کر ختم پر لفظ ملفوظ لکھدیا اور بعض جگہ جو از خود کچھ لکھا اس کے بعد مترجم لکھ دیا اور اس ترجمے میں حضرات اخوان الطریقت وخلان الحقیقت جناب مولوی محب الدین صاحب پشاوری وجناب مولوی سید حمزہ صاحب دہلوی وجناب مولوی ابو احمد صاحب بھوپالی وجناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلی سلمہم اللہ تعالیٰ وکرمہم ونعمہم سے بہت مدد لی خصوص جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد[1] فرمائی جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء پھر یہ ترجمہ حضرت تاج الاماجد سراج الفضلاء مولانا ذوالفقار علی صاحب رئیس دیوبند ضلع سہارنپور مدظلہ العالی کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیجدیا گیا مولانا ممدوح[2] کے نظر فرمانے کے بعد اب یہ ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ قابل اطمینان ہے، پھر بھی اگر کہیں کوئی لغزش پائی جاوے وہ اس نادان کی طرف منسوب سمجھنا چاہیئے اور ناظرین سے امید ہے، کہ جب اس کو مطالعہ فرماویں تو بزرگان مسبوق الذکر کو اور اس احقر کو دعائے خیر سے

---

[1] بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بنیاد و ترجمے کی مولوی صاحب ہی نے ڈالی اور احقر نے فقر دیوار یں اٹھادیں والفضل للمتقدم ۱۲ مترجم [2] یعنی حضور پیر و مرشد مدظلہ و مصنف تنویر

یاد فرمادیں یا الٰہی اس ترجمے کو مقبول فرماکر ذریعۂ ہدایت بنا اور ہم کو بھی توفیق عطا فرما آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعترتہ واولیاء امتہ اجمعین الی الابدین وبرحمتک یا ارحم الراحمین ؁

عرض ضروری

چونکہ تفصیل بعد الاجمال خوب دلنشین اور ذہن میں جاگزیں ہوتی ہے، اس لئے کتاب ہذا کا خلاصہ مضمون اجمالاً اول لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل فہم تکرار سے محظوظ ہوں گے اور کم فہم غلط فہمی سے محفوظ رہیں گے وھو ھذا جاننا چاہیئے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی مگر پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ بعض اُن میں متعلق با اسرار و حقائق ہیں تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی کہ اصول ان کے سات امر ہیں ۱ اول وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہو۔ ۲ دوم تدبیر پر بھروسہ نہو بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رہے سوم ۳ اگر دنیا کی تدبیر کرے اس میں آخرت مقصود ہو چہارم ۴ تدبیر دنیا میں اس قدر غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غفلت ہو جاوے۔ پنجم ۵ صلحاء و علماء کی صحبت ترک نہ کرے تاکدورت اسباب اثر نکرے۔ ششم ۶ حقوق شرعی ادا کرتا رہے۔ ہفتم ۷ ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زائد جمع نکرے یہ تو ہم نے درخت شمار کرادیئے اب بسم اللہ کر کے باغ میں چلو اور علوم و حکم کے پھل نوش جان کرو آگے ترجمہ شروع ہوتا ہے

واللہ الموفق وھو الھادی الی صراط مستقیم

(حضرت مولانا) اشرف علی (تھانوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوں فرماتے ہیں حضرت امام عارف پیشوا محقق تاج العارفین لسان المتکلمین امام زماں یکتائے دوران حجۃ السلف امام الخلف قدوۃ السالکین حجۃ المتقین تاج الدین ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ سکندری اللہ جل شانہٗ ان سے خوش ہووے اور ان کو خوش کرے اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان کی ذاتِ مقدسہ سے نفع بخشے۔ بیشک وہ سب کی سنتا ہے اور سب سے قریب ہے۔ اور سب کی دعا قبول کرتا ہے۔

حمد حمد کے قابل اللہ جل شانہٗ ہے جو کہ خلق اور تدبیر میں یکتا ہے حکم اور تقدیر میں یگانہ ہے ایسا بادشاہ جس سے کسی کو مماثلت نہیں کسی کو اس کی سی سماعت و بصارت نہیں اس کی سلطنت کو حاجتِ وزیر نہیں، ایسا مالک ہے جس کی ملک سے باہر کوئی صغیر و کبیر نہیں، کمالِ وصف میں کوئی اس کا شبیہ و نظیر نہیں، کمال ذات میں امکان تمثیل و تصویر نہیں، ایسا علیم کہ اس سے مخفی کسی کا مافی الضمیر نہیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ۝ یعنی بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا حالانکہ وہ بڑا رازداں اور نہایت خبردار ہے وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتدا اور انتہا سے باخبر ہے وہ ایسا سننے والا ہے جس کے آگے چیخنا اور چپکے سے بولنا برابر ہے، وہ رزاق ہے تمامی مخلوقات کا رزق رساں ہے وہ قیوم ہے اور سب کا ہر حالت میں ذمہ دار ہے وہ

بخشش کرنے والا ہے اور اس نے اپنے کمالِ احسان سے روحوں کو وجودِ حیات بخشا ہے وہ قدرت والا ہے اور وہ اپنی کمال قدرت سے مخلوقات کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا وہ بڑا حساب کرنے والا ہے اور ان کو بدلہ دے گا جس روز وہ اچھے اور برے عمل ان کے اس کے روبرو آدیں گے، پس ہر عیب سے پاک وہی ذاتِ مقدس ہے جس نے بندوں پر ان کے وجود سے پہلے انعام فرمایا اور ان کو ہر حال میں رزق پہنچاتا ہے خواہ اس کا حکم مانیں یا نا مانیں اور اپنی کرم سے ہر موجود کی مدد کی اور اس کے وجود با جود کی مدد سے تمام عالم کے وجود کی بقا ہے اور زمین پر اس کی حکمت کا ظہور ہے اور آسمان پر اس کی قدرت کا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اس یکتا کے کوئی قابلِ عبادت نہیں اور کوئی اس کی شرکت کا مستحق نہیں اور ایسی گواہی دیتا ہوں جیسے تابعدار اور حکم کا ماننے والا بندہ دیا کرتا ہے۔

نعت اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ہیں اور رسول اور سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہٗ نے ان کو اپنی کمال فضل وعطا سے مخصوص فرمایا ہے ابتدا بھی انھیں سے ہے اور انتہا بھی انھیں پر ہوئی اور یہ فضیلت اور کسی میں نہیں، اور جس روز اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو فیصلہ کرنے کے واسطے جمع کریگا اس روز آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے، اللہ پاک کی رحمت ان کی ذاتِ مقدس اور جمیع انبیا اور ان کے آل واصحاب پر نازل ہو جو کہ آپکی صحبت کو مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اللہ جل شانہٗ ان پر بہت سا سلام بھیجے۔

تمہیدِ مقصود بعد حمد وصلوٰۃ کے اے بھائی اس بات کو جان لے اللہ جل شانہٗ تجھے اپنے عاشقوں میں کردے اور تجھے اپنا قرب نصیب

کرے اور اپنے مستوں کی محبت کی چاشنی تجھے چکھائے اور ہمیشہ تجھ کو اپنے وصل میں رکھ کر اعراض اور روک ٹوک سے مطمئن کر دے اور اپنے ان بندوں سے تجھے کر دے جن کو اس نے پیام و سلام کے ساتھ مخصوص فرمایا اور ان کو اپنے انوار و تجلیات سے مشرف فرما کر دلجوئی کی جبکہ یہ سمجھ کر شکستہ دل ہو گئے تھے کہ ان آنکھوں سے دیدار نہیں ہو سکتا اور ان کے لئے دروازے باغ قرب کے کشادہ فرما کر ان کے قلوب پر اپنے قرب کی خوشبودار ہوائیں چلائیں اور ان کو تقدیر ازلی کا مشاہدہ کرا دیا، ان لوگوں نے اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کر دیا اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارے کام میں ہماری مہربانی پوشیدہ ہوا کرتی ہے اس کے معلوم ہونے سے انہوں نے جھگڑا اور عناد چھوڑ دیا اور اس کے حکم کے مطیع ہو گئے، اور ہر کام میں اس پر بھروسہ کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ مقام رضا جب نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہے اور جان گئے کہ کھلم کھلا بندہ ہونا جب میسر آتا ہے کہ اس کی تقدیر کو مان لیا جائے، پس ایسے بندے اغیار اور کدورات سے محفوظ رہتے ہیں، جیسے کسی نے کہا ہے ؎

حوادث کو پہنچ ان تک کہاں ہے
کہ اس کے ہاتھ میں اس کی عناں ہے

ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم جاری رہتے ہیں اور وہ لوگ اس کی عظمت کے آگے دبے رہتے ہیں اور اس کے حکم کے ساتھ گردن جھکائے رہتے ہیں جیسے کسی کا قول ہے ؎

تصرف اس کے گو جاری ہیں تجھ پر!
مگر دل نے جھکایا ہے ترا سر!

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کی جناب میں رسائی چاہے تو اس کو لازم ہے کہ دروازے سے آوے ف دروازہ تن بہ تقدیر ہوتا ہے ت اور رسائی کے سامان پیدا کرے اور سب سے زیادہ ترچھوڑنے اور منہ موڑنے کے قابل تدبیر ہے جو اصل میں مقابلہ تقدیر ہے پس میں نے یہ کتاب اسی امر کے بیان میں اور اس میں جو کچھ ہے اسکو ظاہر کرنے کیلئے تصنیف کی اور **تنویر فی اسقاط التدبیر** اس کا نام رکھا تا کہ اس کا اسم اس کے مسمّٰی کے موافق ہو جائے اور اس کی عبارت اس کے مطلب کے مطابق ف یعنی تدبیر کے چھوڑنے کی خوبی کا روشن کر دینا ت اور اللہ سے درخواست ہے کہ اس تصنیف میں اخلاص تام نصیب کرے۔ اور اپنے فضلِ عام سے قبول فرماوے اور خاص و عام کو اس سے نفع دے بوسیلہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے اور قبول فرمانے کی قابلیت رکھتا ہے

بیان آیۂ فلا و ربک لا یؤمنون الآیۃ

اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے[1] قسم ہے تیرے رب کی وہ لوگ ایمان دار نہیں ہوں گے جب تک اختلافات میں تجھ کو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم، حکم نہ بنا دیں، اور پھر تیرے حکم سے دل تنگ نہ ہوں اور اس حکم کو تسلیم کریں اور فرمایا[2] اللہ تعالیٰ نے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ مختار ہے مخلوق کو کچھ اختیار

---

[1] آیت یہ ہے فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۱۲ مترجم

[2] آیت یہ ہے وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون ۱۲ مترجم

نہیں اللہ جل شانہٗ مشرکون کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور فرمایا[1] اللہ تعالیٰ نے کیا انسان
کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس خدا ہی کی ہے دنیا اور آخرت اور نبی[2] صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے جو خدا کو رب بنا کر اور اسلام کو دین ٹھیرا کر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی
سمجھ کر راضی ہوا اس نے ذائقہ ایمان چکھ لیا اور نبی[3] صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ
سے راضی رہ کر اس کی عبادت کر اور اگر راضی رہنے کی تجھے قدرت نہ ہو تو نامرغوب
طبع پر صبر کرنے میں بھی بڑی خیر ہے اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں تدبیر کے
ترک کرنے اور تقدیر سے نہ جھگڑنے پر دلالت کرتی ہیں خواہ صراحۃً یا اشارۃً اور اہل
معرفت نے فرمایا ہے جو شخص تدبیر نہیں کرتا اس کے لئے تدبیر ادھر سے ہوتی[4] ہے اور شیخ
ابو الحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تدبیر ضروریات سے ہے تو یہی تدبیر
کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو اور انھوں نے فرمایا ہے کسی کام میں اپنی پسند کو دخل نہ دے اور
اپنی پسند کو چھوڑ دینا پسند کرے اور اپنی پسند سے بھاگ اور اپنے اس بھاگنے بلکہ ہر
شئے سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف بھاگے اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور
جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے پس پہلی آیت جو ہے یعنی فلا وربک لا یؤمنون حتی
یحکموک فیما شجر بینھم وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان حقیقی اس شخص
کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر حاکم

[1] آیت یہ ہے ام للانسان ما تمنی فللہ الآخرۃ والاولیٰ ۱۲ مترجم
[2] حدیث یہ ہے ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ۱۲ تنویر [3] حدیث یہ ہے اعبد اللہ بالرضیٰ فان لم تستطیع ففی الصبر علیٰ ما تکرہ خیر کثیر ۱۲ تنویر [4] کارساز ما بساز کار ما فکر ما در کار ما آزار ما ۱۲ مترجم

بتادے قول میں اور فعل میں اور کسی شے کے اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اور محبت میں اور بغض میں اور یہ ارشاد احکام تکلیفی اور احکام تصریفی دونوں کو شامل ہے دونوں میں اتباع و تسلیم واجب ہے اور احکام تکلیفی سے مراد شریعت کے اوامر و نواہی ہیں جو کہ افعال عباد سے متعلق ہیں اور احکام تصریفی سے مراد وہ امور ہیں جو اپنے مقصود کے خلاف وارد ہوتے رہتے ہیں پس اس سے ظاہر ہوا کہ حقیقت ایمان دو امروں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حکم ماننا دوسرے اس کے قہر کے آگے گردن جھکا دینا، پھر حق سبحانہ و تعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ اس شخص کے ایمان کی نفی کر دی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانے یا مانے مگر آپ کے حکم سے دل میں تنگی پائے بلکہ اس نفی پر اپنی اس ربوبیت کی قسم بھی کھائی جو جناب ختمی مآب کے ساتھ از راہِ رعایت و عنایت کے خصوصیت رکھتی ہے کیونکہ فَلَا وَالرَّبِّ نہیں فرمایا بلکہ فَلَا وَرَبِّكَ فرمایا پس اس میں قسم بھی اور جس بات پر قسم کھائی ہے وہ بھی موکد ہو گئی کیونکہ اللہ سبحانہ جانتا ہے کہ دلوں میں کیا چیز بسی ہوئی ہے، یعنی غلبہ اور نصرت کی محبت ہر حال میں خواہ اپنا حق اور پر ہو یا اوروں کا اپنے اوپر اور اس کلام میں اظہار اس امر کا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ جل شانہٗ کی کیسی کچھ عنایت ہے کیونکہ آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ قرار دیا، پس بندوں پر آپ کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا واجب کر دیا اور خدائی پر ایمان لانا معقول نہیں فرمایا تا وقتیکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ مانے کیونکہ جب آپ کی صفت میں یہ فرمایا کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہے، پس آپ کا حکم حکم الٰہی اور آپ کا فیصلہ فیصلۂ خداوندی ہے جیسا کہ فرمایا ہے جو لوگ[1]

[1] آیت یہ ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم مترجم

تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اس قول کو مؤکد فرمانے کے لئے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور اس آیت میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعت قدر و عظمت امر کی طرف ایک دوسرا اشارہ ہے اور وہ قول یہ ہے فَلَا وَرَبِّكَ اس میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی ذات کو رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جیسے کہ دوسری آیتا میں کٓھٰیٰعٓصٓ ۞ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۞ پس حق تعالیٰ نے اپنے نامِ پاک کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کیا اور زکریا علیہ السلام کے نام مبارک کو اپنے نام مبارک کی طرف مضاف کیا تاکہ بندے دونوں مرتبوں کا فرق سمجھ لیں، پھر اللہ جل جلالہٗ نے تحکیم ظاہری پر اکتفا نہیں کیا کہ اس سے مسلمان بن جائیں بلکہ یہ شرط لگائی کہ تنگ دلی بھی نہ ہونے پائے، خواہ حکم ان کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف اور دلوں کے تنگ ہونے کا سبب یہی ہے کہ انوار سے خالی اور اغیار سے پُر ہوتے ہیں اور مومن ایسے نہیں ہیں کیونکہ نورِ ایمان سے ان کے دل لبریز ہیں پس ان میں وسعت ہے اور انشراح اور خدائے واسع علیم کے نور نے ان کو وسعت والا بنایا ہے اور اللہ کے فضل عظیم نے ان کی مدد فرمائی اُس کے احکام کے تسلیم کو تیار ہیں، اور ہر حال میں اس کی رضا پر راضی فائدہ جاننا چاہیے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی بندے سے اپنے حکم کی سہار کرائے تو اس کو اپنے انوارِ وصف سے خلعت عطا فرماتا ہے، پس حکم الٰہی پیچھے نازل ہوتا ہے اور اس سے پہلے انوار نازل ہو لیتے ہیں، جن سے وہ شخص اپنے رب کا بن چکا ہے اپنا نہیں رہا پس وہ اس حکم کی گرانی و شدت پر قوی و صابر ہو جاتا ہے۔

اسبابِ رضا بقضا بات یہی ہے کہ انوار وارد ہوتے ہیں اور تقدیر کی

برداشت کرا دیتے ہیں خواہ[2] یوں کہو کہ فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے فہم اگر ان سے احکام قبول کرا دیتی ہے خواہ[3] یوں کہو کہ عطائیں آتی ہیں اور بلاؤں کا بوجھ اٹھوا دیتی ہیں خواہ[4] یوں کہو کہ اس کی خوبی اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تقدیر کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، خواہ[5] یوں کہو کہ اس کے علم کا یقین اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے اور خواہ[6] یوں کہو کہ جب وہ جان گئے کہ وہ دیکھتا ہے ان کو واقعات پر صبر آگیا خواہ[7] یوں کہو کہ اس کے ظہورِ جمال نے اس کے افعال پر صابر کر دیا، خواہ[8] یوں کہو کہ جب ان کو یقین ہوا کہ صبر سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے ان کو صبر آگیا، خواہ[9] یوں کہو کہ حجاب اور پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو صابر بنا دیا خواہ[10] یوں کہو کہ ورودِ اسرار لطیف نے بارِ تکلیف کے برداشت کرنے پر قوت دے دی خواہ[11] یوں کہو کہ جب ان کو علم ہوا کہ اس کے احکام میں کیا کچھ لطف و احسان ہیں وہ صابر ہو گئے پس یہ دس اسباب ہیں کہ بندے کے صابر ہونے اور ثابت رہنے کے باعث ہوتے ہیں اپنے آقا کے احکام پر اور قوی رہنے کے موجب ہیں ان کے وارد ہونے کے وقت اور ان اسباب کا اپنے فضل سے عطا فرمانے والا اور مستحقان عنایت پر احسان کرنے والا وہی ہے، اب ہم کو ہر قسم پر ان اسباب سے مفصل گفتگو کرنا چاہیے تاکہ فائدہ کامل ہو۔

سبب اوّل

وہ یہ کہ ورود انوار تقدیر کی برداشت کرا دیتا ہے یہ یوں ہے کہ انوار جب وارد ہوتے ہیں اور بندے کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا قریب ہونا مکشوف ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ احکام اسی کی طرف سے ہیں اس کا یہ جاننا کہ یہ احکام میرے آقا ہی کی طرف سے ہیں اس کی تسلّی اور صبر کا باعث ہو جاتا ہے، تو نے ارشادِ خداوندی نہیں سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا[1] کہ صبر کر اپنے پروردگار کے

[1] آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا ۱۲ مترجم

حکم پر کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو یعنی یہ کسی غیر کا حکم نہیں کہ تم پر شاق ہو بلکہ وہ حکم تمہارے آقا کا ہے جس کا تم پر احسان قائم ہے اور ہمارا شعر ہے اس مضمون میں

سبک ہو گیا مجھ پہ جو تھا غم دیلا!
سنا جب سے ہے تم نے کیا مجھ کو مبتلا
نہیں حکم حق سے آدمی کو کہیں پناہ   نہیں چلتا بس اس پہ جو خود منتخب کیا

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی آدمی اندھیری کوٹھری میں ہو اس کے کوئی چیز آکر لگی، مگر یہ نہیں معلوم کہ مارنے والا کون ہے جب چراغ آیا تو دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ ہے یا باپ یا حاکم ہے پس بے شک اس کا یہ جاننا ایسے مقام پر اس کے صبر کا موجب ہوگا

سبب دوم ۲ یہ کہ دروازہ فہم کا کشادہ ہو جانا قبولِ احکام پر معین ہو جاتا ہے جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی حکم وارد فرماتا ہے اور دروازہ فہم کا اس پر کشادہ کر دیتا ہے تو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اس حکم کے قبول کرنے کو چاہتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ فہم تجھ کو خدا کی طرف لیجاتی ہے اور اس کی طرف ترغیب دیتی ہے اور اس پر توکل کرا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے اور غیروں پر اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی رعایت فرماتا ہے کیونکہ جو خدا کی طرف سے فہم ہوگی وہ رازِ عبودیت کو منکشف کر دیگی اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا[۱] ہے کیا نہیں اللہ تعالیٰ کافی اپنے بندے کو اور ان دسوں وجہوں کا حاصل یہی فہم ہے اور سب اسی کے انواع ہیں۔

سبب سوم ۳ یہ کہ واردات عطایا برداشت بلیات پر معین ہوتی ہیں، یہ اس طرح ہے کہ جو عطائیں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی ہیں ان کا یاد کرنا خدائے تعالیٰ کے

[۱] آیت یہ ہے الیس اللہ بکاف عبدہٗ ۱۲ مترجم

احکام قبول کرنے میں معین ہوتا ہے کیونکہ جیسے اس نے تجھ کو بہتیری محبوب نعمتیں دیں تجھ کو
چاہیئے کہ اس کے محبوب احکام پر صبر کرے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سُنا اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ
مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت میں تسلی اس چیز سے
دی جوان کے ہاتھ آئی تھی یہ تو عطایائے سابقہ میں ہے کبھی خود بلا کے وارد ہونے
کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن ہوتی ہے جو اس بلا کو بندگانِ مقربین پر خفیف
کردیتی ہے، ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس بلا میں جو ثواب عظیم ذخیرہ رکھا ہے اس کو کھول دیتا ہے
ایک اس میں سے یہ ہے کہ ان کے قلوب پر استقلال و سکون نازل فرما دیتا ہے، ایک اس
میں سے یہ ہے کہ اس پر دقائق لطف وارد فرماتا ہے اور منتیں نازل فرماتا ہے، یہاں تک
کہ بعض صحابہ رضی اپنے مرض میں فرماتے تھے اپنی خفگی کو اور سخت کردے اور بعض عارفین نے
کہا ہے کہ میں ایک بار بیمار ہوا، میں چاہتا تھا کہ یہ بیماری نہ جاوے کیونکہ مجھ پر اس میں اللہ
کی امداد ہوئی اور غیب منکشف ہوا اور اس کے سبب ہمیں کلام کرنے کا اور موقع
ہے

سبب چہارم یہ کہ مشاہدہ حسن اختیار کا تحمل تقدیرات پر قوت دے دیتا ہے
اس طرح سے کہ جب بندہ اس کے حسنِ اختیار کو اپنے لئے مشاہدہ
کر لیتا ہے، یقیناً جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دکھ دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ
اس پر بڑا مہربان ہے، چنانچہ خود ارشاد فرمایا ہے۔ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔ اور
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے پاس بچہ تھا، آپ فرمانے
لگے کیا تم خیال کرسکتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے، صحابہ نے عرض کیا نہیں
یا رسول اللہ آپ نے فرمایا جیسے اس کو اپنے بچے سے محبت ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں
کے ساتھ اس سے بھی زیادہ محبت ہے مگر یہ ہے کہ بعضے دکھ تم پر ڈالتا ہے، کیونکہ ان پر فضل و

انعام مرتب ہوتا ہے، کیا تم نے سنا نہیں ارشاد[۱] کہ پورے دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے اپنا اجر بے شمار اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اختیار کے حوالے کر دیتا تو اس کے منت و احسان سے محروم رہتے اور بہشت میں داخل نہ ہونے پاتے پس اس کا شکر ہے حسن اختیار پر کیا تم نے سُنا نہیں ارشاد[۲] حق تعالیٰ کا شاید ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور وہ بُری[۳] ہو تمہارے لئے اور مشفق باپ اپنے بیٹے کے لئے پچھنے لگانے والے کو لاتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا اور جیسے خیر خواہ طبیب کہ تیز تیز مرہموں سے تجھ کو رنج پہونچاتا ہے گو ان مرہموں سے تجھ کو تکلیف ہو اور اگر وہ تیرے اختیار کا اتباع کرے تو شفا کوسوں دور بھاگے اور جس کو کوئی چیز نہ دی جاوے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ نہ دینا محض شفقت کے باعث سے ہے تو یہ نہ دینا ہی اس کے لئے دینا ہے، جیسے مادر مہربان اپنے بچوں کو بدہضمی کے اندیشہ سے زیادہ نہیں کھانے دیتی، اسی لئے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ اس کو جان لو کہ اللہ تعالےٰ اگر تم کو کوئی چیز نہیں دیتا تو یہ نہ دینا بوجہ بخل کے نہیں بلکہ عین رحمت ہے پس اللہ تعالےٰ کا نہ دینا بھی دینا ہے لیکن نہ دینے میں دینا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو اور ہم نے ایک اور کتاب میں ثابت کیا ہے کہ جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں مبتلا کیا ہے تو بلا کا الم کم ہو جاتا ہے، پس جس کی طرف سے تجھ پر یہ احکام تقدیری متوجہ ہوتے ہیں، وہی تو ہے جو تیرے حق میں حُسنِ اختیار رکھتا ہے

سبب پنجم یہ کہ اس کے علم کا اعتقاد اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے، وہ اس

---

[۱] آیت یہ ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۱۲ مترجم

[۲] آیت یہ ہے عسیٰ ان تکرھو شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم ۱۲ مترجم

[۳] بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید کہ تم پسند کرو کسی چیز کو اور وہ

طرح ہے کہ جب بندہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس بلا میں مبتلا کیا ہے وہ اس پر مطلع بھی ہے تو بار بلا اس کا سبک ہو جاتا ہے کیا تم نے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کا نہیں سنا کہ صبر کر اپنے پروردگار کے حکم کے لئے کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے روبرو ہو یعنی اے محمد کفار قریش سے جو عناد و تکذیب آپ کو پیش آتی ہے وہ ہم پر مخفی نہیں، ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی شخص کے ننانوے تازیانے لگے اس نے آہ نہیں کی جب سوواں تازیانہ مارا آہ کرنے لگا کسی نے اس کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ جس کے سبب میں مارا گیا ہوں ننانوے میں تو وہ یہاں تماشائیوں میں موجود تھا اور مجھ کو دیکھ رہا تھا مجھ کو کچھ درد نہیں معلوم ہوا آخر تازیانے میں وہ چلا گیا اس وقت درد محسوس ہوا۔

سبب ششم یہ کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ بندے پر سخت تلخ بلا پڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ جب تجلی فرماتا ہے تو وہ حلاوت تجلی میں اس کی سختی کو جھیل لیتا ہے اور اکثر اوقات غلبۂ تجلی سے دکھ بھی نہیں معلوم ہوتا اور تمہارے لئے اس مضمون میں یہ آیت بس ہے، پس جب دیکھا عورتوں نے یوسف کو اس کی بڑائی کی اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

سبب ہفتم یہ کہ ان کے اس اعتقاد نے کہ صبر سے رضا پیدا ہوتی ہے ان کو قضا پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ جو اللہ کے احکام پر صبر کرتا ہے یہ اللہ کی رضا کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اس کی تیزی کو طلب رضا کے لئے برداشت کر لیتے ہیں جیسے کڑوی دوا امید شفا پی لی جاتی ہے۔

لے آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا ۱۲ مترجم

لے آیت یہ ہے فلما رأینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن ۱۲ مترجم

سبب ہشتم یہ کہ پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو تقادیر پر صابر بنا دیا ہے یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے وارد ہونے والی بلائیں اٹھوانا چاہتا ہے تو اس کی بصیرتِ قلب سے حجاب اٹھا دیتا ہے، پس اپنا قرب اس کو دکھلاتا ہے پس اُنس قرب اس قدر غالب ہوتا ہے کہ اور اکِ الم کا پتہ نہیں رہتا، اور اگر خدائے تعالیٰ اہل نار پر اپنے جمال و کمال سے تجلی فرما دے تو ان کو عذاب عذاب نہ معلوم ہو اسی طرح اگر اہلِ جنت سے حجاب کرلے تو کوئی نعمت خوش نہ آوے پس عذاب حقیقت میں خود حجاب ہے اور انواع عذاب اس کے مظاہر ہیں اور نعیم ظہور تجلی سے ہے اور انواعِ نعیم اس کے مظاہر ہیں۔

سبب نہم کہ اسرار تصریف کے وارد ہونے نے بار تکلیف اٹھانے پر قوت دیدی اور یہ اس طرح ہے کہ تکالیف تو بندوں پر بے شک شاق ہیں اور اس میں یہ امور سب داخل ہیں، بجالانا احکام کا باز آنا نواہی سے صبر کرنا احکام پر شکر کرنا انعام پر یہ چار چیزیں ہوئیں طاعت معصیت نعمت بلا اور پانچویں کوئی چیز نہیں اور ان چاروں میں جدا جدا تیرے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق عبودیت ہے کہ مقتضائے ربوبیت تجھ سے اس کا تقاضہ کرتا ہے، پس اس کا حق اطاعت میں تو تیرے ذمہ یہ ہے کہ اس کا احسان مشاہدہ کرے اور معصیت میں یہ حق ہے کہ اس میں جو کچھ ضائع کیا ہے اس سے استغفار کرے اور بلا میں یہ حق ہے کہ اس پر صبر کرے اور نعمت میں یہ حق ہے کہ اس پر شکر کرے اور یہ تمامی بار ہم کی بدولت اٹھ سکتے ہیں، جب تونے یہ سمجھ لیا کہ طاعت کا نفع تجھ ہی کو ملے گا اس پر قیام کرنا آسان ہو جاوے گا، جب یہ جان لیا کہ معصیت پر اصرار کرنا اور گناہ میں پڑنا آخرت میں عقاب الٰہی اور دنیا میں زوال نور ایمان کا باعث ہے ایسی موجب ترک ہو جاوے گا۔

اور جب یہ یقین کر لیا کہ صبر کا ثمرہ تجھ کو ہی ملے گا اور اس کی برکت تیری طرف پھر کر آویگی ضرور اس کی طرف دوڑے گا اور اس کا سہارا پکڑے گا اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ شکر کی بدولت خدائے تعالیٰ کی طرف سے نعمت بڑھے گی کیونکہ اس کا فرمان ہے لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم یہ سبب ہو جاوے گا صبر بردوام اور آمادگی کرنے کا اور ان چاروں میں کلام وسیع کریں گے ہم آخر کتاب میں اور اس کے لئے جدی فصل مقرر کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سبب ۴م یہ کہ اللہ تعالیٰ نے احکام تقدیری میں جو کچھ اپنا لطف واحسان پوشیدہ کیا ہے جب ان لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو صبر آجاتا ہے یہ اس طرح ہے کہ ناگوار چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے الطاف کو امانت رکھا ہے کیا تم نے سُنا نہیں فرمانا اللہ تعالیٰ کا عَسٰی اَن تَکرَهُوا شَیئاً وَّهُوَ خَیرٌ لَّکُم اور فرمانا[له] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ جنت ناگوار چیزوں کے ساتھ اور دوزخ شہوات سے گھیری گئی ہے اور بلیات وامراض اور ناتوں میں اس قدر اسرار الطاف ہیں کہ ان کو سوائے اہل بصیرت کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، تم نے خیال نہیں کیا کہ بلاؤں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے حظوظ کی خواہش سے مدہوش ہو جاتا ہے اور بلاؤں کے ساتھ ذلت ہے اور ذلت کے ساتھ نصرت فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلَقَد نَصَرَکُمُ اللہُ بِبَدرٍ وَّاَنتُم اَذِلَّۃٌ اور اس میں زیادہ گفتگو کرنے سے مقصود کتاب سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں اس لئے پھر آیت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور وہ آیت یہ ہے فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤمِنُونَ الآیہ جاننا چاہیئے کہ احوال تین ہیں، قبل[۱] تحکیم، بعد[۲] تحکیم، عین[۳] حالت تحکیم

له حدیث یہ ہے حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشہوات ۱۲ مترجم

پس قبل تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ تحکیم کریں اور عین تحکیم اور بعد تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ تنگی نہ پانا تو حاکم بنانے کو لازم ہے جواب دیا جاوے گا کہ یہ ضرور نہیں کہ جو حاکم بنادے تو وہ تنگی بھی نہ پاوے، کبھی ظاہر میں حاکم بناتا ہے اور دل میں کراہت موجود ہوتی ہے پس بالضرور تحکیم کے ساتھ فقدان حرج اور وجود تسلیم کو ملانا چاہیئے، اگر کوئی اعتراض کرے جب تنگی نہ پائی تو تسلیم کر لیا، پھر اس لفظ سے کیا فائدہ ہوا وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اس کا جواب یہ ہے کہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جمیع امور میں تسلیم کر لیں اگر کوئی کہے کہ یہ تو حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ سے لازم آ گیا جواب یہ ہے تحکیم کو مطلق نہیں لائے بلکہ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ کے ساتھ مقید کیا پس یہ آیت تین امر کو شامل ہوئی، ایک حاکم بنانا آپس کے جھگڑوں میں، دوسرے تنگی نہ پانا، تیسرے تسلیم مطلقاً پایا جانا آپس میں کے جھگڑوں میں بھی اور اپنے ذاتی حالات میں بھی پس یہ تعمیم بعد تخصیص ہے خوب سمجھ لو

فوائد آیۃ وربک یخلق ما یشاء

دوسری آیت وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ[1] چند فائدوں کو شامل ہے

پہلا فائدہ یہ جو فرمایا کہ وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو لازم کہ اللہ کے سامنے کچھ تدبیر نہ کرے کیونکہ جب وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے تو تدبیر بھی جو چاہے کرے گا، جو پیدا کرنے کا مالک نہیں وہ

---

[1] ترجمہ یہ ہے اور پروردگار تیرا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے نہیں ان کے لئے اختیار پاک ہے اللہ اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں ۱۲ مترجم

تدبیر کا بھی مالک نہیں۔ کیا پیدا[۱] کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہو سکتا ہے آیا نہیں
نصیحت قبول کرتے تم اور یہ یختار سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار میں وہ یکتا ہے اور اس
کے افعال صادر بالاضطرار نہیں بلکہ وہ صفت اختیار کے ساتھ موصوف ہے اور
اس میں بندے پر لازم ٹھیرانا ہے کہ اپنا اختیار اور تدبیر اللہ کے آگے ساقط کردے
کیونکہ جو صفت اس کی ہے وہ تیری نہیں ہو سکتی اور یہ قول مَا کَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان کے لئے اختیار
حاصل ہو اور وہ اس کے مستحق ہوں، دوسرے یہ کہ ہم نے ان کو اختیار نہیں دیا اور اس
امر کا مستحق نہیں بنایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے
پاک ہے کہ اس کے آگے ان کا اختیار چلے اور اس آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو شخص
اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کا دعویٰ کرے وہ مشرک ہے، لسانِ حال سے دعویٰ ربوبیت
کا کر رہا ہے اگرچہ زبانی اس سے برأت ظاہر کرتا ہو۔ تیسری آیت فرمایا اللہ تعالیٰ نے
اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى یعنی کیا انسان کو اس کی
ہر آرزو مل جاتی ہے پس اللہ ہی کی ہے آخرت اور دنیا، یہ آیت دلیل ہے اس کی کہ اللہ
کے آگے تدبیر ساقط کرنا چاہیئے کیونکہ یوں فرمایا کہ انسان کو کیا اس کی ہر آرزو ملجاتی ہے
یعنی ایسا نہیں ہوتا اور اس کو یہ شایان نہیں کیونکہ ہم نے اس کو اس کا مالک نہیں کیا پھر
اس کو موکد کیا اس قول سے فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى یعنی جب دنیا و آخرت
دونوں اللہ ہی کے ہوتے تو انسان کا کچھ نہ ہوا تو اس کو مناسب نہیں کہ غیر کی ملک میں

[۱] آیت یہ ہے۔ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔

تدبیر کرے البتہ دارین کی تدبیر کرنا اس ذات کو زیبا ہے جو ان دونوں کا مالک ہے اور وہ فقط اللہ تعالیٰ ہے اور یہ فرمانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذاق طعم الایمان الخ[1] اس میں دلیل ہے کہ جو ایسا نہ ہوگا ایمان کی حلاوت اور ذوق نہ پاوے گا، اس کا ایمان صرف ایک صورت بے جان اور ظاہر بے معنی اور نقش بے حقیقت ہوگا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو قلب امراض غفلت و ہوا سے سالم ہیں، وہ لذائذ معانی[2] سے مزے لیتے ہیں، جیسے تمام نفوس لذیذ کھانوں سے خوش ہوتے ہیں اور ایمان کا مزہ وہی چکھے گا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب اس کے رب ہونے پر راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا اس کے حکم کا مطیع ہوگا اپنا اختیار اس کے حوالے کریگا، اس کے حسن تدبیر و اختیار کے روبرو اپنا اختیار و تدبیر چھوڑ دیگا اس وقت لذت عیش اور راحت تفویض دیکھے گا اور جب یہ اُس سے راضی ہوگا۔ رب بنانے میں اِس کے لئے ادھر رضا ہوگی جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۝ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

اور جب اس کے لئے اللہ کی طرف سے رضا ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت پیدا کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو جانے اور یہ رضا باللہ بدون فہم کے نہیں ہوتی اور فہم بدون نور کے نہیں ہوتا اور نور بدون قرب کے نہیں ہوتا، اور قرب بدون عنایت[3] کے نہیں ہوتا۔

---

[1] یہ حدیث اوپر گذر چکی مع ترجمہ کے ۱۲ مترجم [2][3] کسی بزرگ کا قول ہے کار بعنایت ست باقی بہانہ ۱۲ ملفوظات شریف۔

پس جب عنایت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے یہ تمام دولتیں خزانہ منت سے اس کے لئے ظاہر ہوتی ہیں، پس جب اللہ کی امدادیں اور انوار اس پر پے در پے آتے ہیں اس کا قلب امراض واسقام سے صحت پاتا ہے تو صحیح الادراک ہو جاتا ہے، پس ایمان کی لذت وحلاوت کا ادراک بوجہ صحت ادراک وسلامت ذوق کے ہے، اور اگر بیماری غفلت عن اللہ میں اس کا قلب مبتلا ہوتا تو اس کا ادراک میسر نہ ہوتا کیونکہ بخار والا اکثر اوقات شکر کا مزہ تلخ پاتا ہے اور حالانکہ وہ واقعہ میں ایسا نہیں۔

پس جب امراض زائل ہو جاتے ہیں حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے۔ پس پالیتا ہے حلاوتِ ایمان ولذت وطاعت کو اور تلخی قطع تعلق[۱] اور مخالفت کو پھر جب حلاوتِ ایمان کو پائے گا تو اس پر خوش ہوگا، اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کریگا اور ان اسباب کو طلب کریگا جن سے ایمان محفوظ رہے اور حاصل ہوا۔ اور جب لذتِ طاعت کو پائے گا تو اس پر دوام کریگا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا، اسی طرح جب تلخیٔ کفران ومخالفت کو پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کو ترک کرے گا۔ اور ضرور اس سے نفرت کرے گا، اور اس کی طرف مائل نہ ہوگا۔

پس یہ باعث ہو جائے گا ترک گناہ کا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا، اور یہ دونوں[۲] مفہوم جدا جدا ہیں، اور یہ نفرت گناہ سے اس لئے ہوگی کہ نورِ بصیرت

---

[۱] یعنی اللہ سے قطع تعلق کرنا ۱۲ مترجم [۲] یعنی گناہ کا ترک کرنا اور چیز ہے اور اس کی طرف متوجہ ہونا اور چیز ۱۲ مترجم۔

سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مخالفت اور اس سے غافل ہونا انکو بکے حق میں زہرِ قاتل ہے۔

پس مومنین کے قلوب میں اللہ کی مخالفت سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے جیسے تم کو طعام زہر آلود سے نفرت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے:-

وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا — یعنی اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو۔

کیونکہ جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوا تو اپنے آقا کی پسندیدہ اور محتاط چیز پر راضی ہوا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ — یعنی بیشک دینِ حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

اور فرمایا:-

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ — جو شخص ڈھونڈے سوائے اسلام کے اور کوئی دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اور فرمایا:-

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ — یعنی بیشک اللہ نے برگزیدہ کیا ہے تمہارے لئے دین پس مرنے نہ پاؤ تم مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو۔

.... اور جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوگا تو لازم ہے کہ اوامر کو ماننے گا اور نواہی سے باز آوے گا اچھی باتیں اوروں کو بتلا وے گا بُری باتوں سے منع کرے گا اور جب کسی ملحد کو دیکھے گا کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس کو جوش پیدا ہوگا اور برہان سے اس کی مغز پاشی کرے گا اور قوتِ بیانیہ سے اس کی بیخ کنی کرے گا اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو پھر اس کو لازم ہے کہ آپ کا محب ہو اور آپ کے آداب و اخلاق اختیار کرے

۔دُنیا سے بے رغبت ہونے میں اُس سے علیحدگی کرنے میں لوگوں کی خطا سے درگذر کرنے میں جو اس سے برائی کرے اُس سے معاف کرنے میں اور اس کے سوا جتنے امور ہیں سب میں آپ کا اتباع ہو کہنے میں کرنے میں، اختیار کرنے میں ترک کرنے میں محبت میں، بغض میں ظاہر میں باطن، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا جو اسلام سے راضی ہوگا اس کے موافق عمل کرے گا جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوگا آپ کی متابعت کرے گا اور ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جب تک سب نہوں کیونکہ یہ امر محال ہے کہ اللہ کے رب ہونے پر تو راضی ہو اور اسلام کے دین ہونے پر راضی نہ ہو یا اسلام کے دین ہونے پر تو راضی ہو اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی نہ ہو۔ اور ان سب کا باہم لازم و ملزوم ہونا ظاہر ہے کچھ مخفی نہیں۔

نو مقاماتِ یقین

جب یہ بیان ہو چکا تو اب اس بات کو جان کہ مقاماتِ یقین کے نو ہیں۔ توبہ[1] اور زہد[2] اور صبر[3] اور شکر[4] اور خوف[5] اور رضا[6] اور رجا[7] اور توکل[8] اور محبت[9] اور کوئی مقام ان میں سے بدون[1] ساقط

[1] بغیر ختم کرنے۔

کرنے تدبیر و اختیار کے صحیح نہیں ہوتا۔

تدبیر سے توبہ اور یہ اس طرح ہے کہ توبہ کرنے والے کو جیسا اپنے گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے ایسے ہی پروردگار کے آگے اپنی تدبیر سے بھی توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ تدبیر اور اختیار قلوب کے کبیرہ گناہوں سے ہیں اور توبہ کے معنی ہیں رجوع[1] کرنا تمامی ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور تدبیر بھی اللہ کو پسند نہیں کیونکہ وہ شرک ہے ربوبیت[2] میں اور کفران ہے نعمتِ عقل کا اور کفر[3] کو اپنے بندوں کے لئے پسند نہیں فرماتا اور ایسے شخص کی توبہ کیسے درست ہوگی کہ تدبیر دنیوی میں مبتلا ہے اور اپنے آقا کے حسنِ رعایت سے غافل ہے

زہد کا صحیح طریقہ اور اسی طرح زہد ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ تدبیر سے علیحدگی نہ کرے کیونکہ جن چیزوں سے خارج اور بے رغبت ہونے کا حکم ہے ان میں سے تدبیر بھی ہے کیونکہ زہد دو[2] طرح کا ہے ایک زہد ظاہر[1] دوسرا زہد خفی[2] زہد ظاہر تو یہ ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے پہننے وغیرہ کی حاجت سے زائد ہیں ان کی رغبت نہ رہے اور زہد خفی یہ ہے کہ سرداری اور ناموری کی ہوس نہ رہے اسی کی قسم ہے زہد کرنا تدبیر میں اللہ کے آگے۔

تدبیر اور صبر و شکر اسی طرح صبر و شکر بدون تدبیر ساقط کیے ہوئے ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ صابر وہ ہے جو اللہ کی ناپسند چیزوں سے صبر کرے اور اللہ کی ناپسند چیزوں میں تدبیر و اختیار بھی ہے کیونکہ صبر کئی قسم پر ہے۔ ایک صبر کرنا حرام چیزوں سے، دوسرا صبر کرنا واجبات پر تیسرا صبر کرنا تدبیر و اختیار سے خواہ یوں کہو کہ صبر کی دو[2] قسمیں ہیں ایک صبر کرنا حظوظِ بشریہ[5] سے، دوسرے صبر کرنا لوازم عبودیت پر اور لوازم عبودیت سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے

---

[1] ان تمام کاموں کو چھوڑ دینا [2] خدا کے پالن ہار ہونے [3] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولا یرضی لعبادہ الکفر ۱۲ مترجم [4] دل کا [5] نفس کی لذتوں۔

اسی طرح شکر ٹھیک نہیں ہوتا مگر اس شخص کے لئے جو تدبیر کو اللہ کے روبرو ترک کر دے کیونکہ شکر کے معنی بقول حضرت جنید رح کے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنادے اور اگر تجھ کو عقل نہ ہوتی جس کی بدولت اللہ نے تجھ کو تیرے امثال[۱] پر ممتاز کیا اور اس کو تیرے کمال کا سبب ٹھیرایا تو ہرگز تو تدبیر نہ کرتا، کیونکہ جمادات و حیوانات کچھ بھی تدبیر نہیں کرتے کیونکہ انھیں عقل نہیں جس کا کام ہے انجام کو دیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا، ف پس ایسی نعمتِ عظمیٰ یعنی عقل کو تو نے اس کی نافرمانی یعنی تدبیر کا ذریعہ ٹھیرایا،

تدبیر اور امید و بیم اور تدبیر کرنا مقامِ خوف و رجا کے بھی خلاف ہے کیونکہ خوف کا جب قلب پر غلبہ ہوتا ہے اس کو اس قدر چین نہیں لینے دیتا کہ تدبیر کرے اور رجا کا بھی یہی حال ہے کیونکہ رجا کرنیوالے کا دل تو خوشی سے بھرا رہیگا اور اس کے اوقات اللہ کے معاملے میں مشغول ہوں گے، کون سے وقت میں تدبیر کی گنجائش ہوگی۔

تدبیر اور توکل اور تدبیر کرنا مقام توکل کے بھی خلاف ہے کیونکہ متوکل تو وہ ہے جو اپنا کلّی اختیار اس کے حوالے کر دے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کرے پس اس کے لوازم میں سے ہے تدبیر نہ کرنا اور اجرائے احکام کے لئے گردن جھکا دینا اور ترکِ تدبیر کا تعلق مقامِ توکل و رضا کے ساتھ بہ نسبت تعلق دوسرے مقامات کے زیادہ ظاہر ہے۔

تدبیر اور مقام محبت اور تدبیر کرنا مقام محبّت کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے عشق میں مستغرق ہے اور اس کا عین مطلوب یہ ہے کہ اس کے روبرو[۲] اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائے اور عاشق کو کسی وقت بھی تدبیر کی

---

[۱] تمام مخلوق [۲] محبوب کی رضا کے سامنے

گنجائش ہی نہیں کیونکہ اس کو اللہ کی محبت نے اس سے غافل کر رکھا ہے اسی واسطے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خالص محبت کا کچھ بھی مزہ چکھ لیا اس نے ماسوا سے اُس کو غافل بنا دیا۔

تدبیر اور مقامِ رضا

اور تدبیر کرنا مقامِ رضا کے بھی خلاف ہے اور یہ بہت ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال ہی نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جس شخص کو مقامِ رضا حاصل ہے وہ اللہ کی اگلی تدبیر پر بس کرے گا، پھر وہ کیوں تدبیر کرے گا کہ اس کی تدبیر پر تو راضی ہو چکا کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ نورِ رضا قلوب سے تدبیر کا میل کچیل دھو ڈالتا ہے پس رضا والا نورِ رضا سے اُس کے احکام میں منبسط[۱] ہے وہ اللہ کے روبرو کچھ تدبیر نہیں کرتا اور غلام کے لئے اُس کے آقا کا حُسنِ اختیار ہی بہت ہے خوب سمجھ لو۔

فصل جاننا چاہیئے کہ ترکِ تدبیر و اختیار کے اسباب چند امور[۲] ہیں اوّل تیرا یہ اعتقاد کہ اللہ نے تیرے لئے پہلے سے تدبیر کر دی ہے اور اس کو اس طرح جان کہ اللہ تعالیٰ تیرا اس وقت تھا کہ تو بھی اپنا نہ تھا، پس جیسا تیرے ہونے سے پہلے اس نے تیرے لئے تدبیر فرمائی تھی۔ اور تیری تدبیر وہاں کچھ نہ تھی اسی طرح بعد ہونے کے بھی وہ مدبّر[۳] رہے پس تو اس کے ساتھ ایسے رہ جیسا پہلے تھا، وہ بھی تیرے ساتھ ایسا رہے گا جیسا پہلے تھا اور اسی واسطے حسین حلاجؒ نے دعا کی کہ میرے واسطے ایسا ہو جا جیسا میرے نہ ہونے کے وقت میں تھا حاصل دعا یہ ہے کہ میرے وجود کے بعد میری تدبیر فرما جیسا میرے وجود سے پہلے میری تدبیر فرماتا تھا کیونکہ وجود سے پہلے اللہ کے علم میں بندے کی تدبیر ہو چکی ہے۔ اور اس کا کہیں وجود بھی نہ تھا کہ دعویٰ تدبیر کرتا اور اس وجہ سے اس کی نصرت[۴] نہ ہوتی

---

[۱] خوش [۲] باتیں [۳] تدبیر کرنے والا [۴] مدد

اگر کوئی اعتراض کرے کہ قبلِ وجود تو معدوم محض تھا پس تدبیر کیسے اس کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے جواب یوں سمجھو کہ تمام اشیاء علمِ الٰہی میں موجود ہیں اگرچہ خارج میں ان کا وجود نہ ہو پس اللہ تعالےٰ ان کے وجودِ علمی کے مرتبے میں ان کی تدبیر فرماتا ہے اور یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے یہ موقع اس کی تفصیلی بحث کا نہیں

اللہ کی تدبیریں بندوں کیلئے ترکِ تدبیر پر پہلی حجت ـــــ!

جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہ' وتعالیٰ جمیع اطوار[1] میں تیری تدبیر کا ذمّہ دار ہوا اور تمام حالات میں تیرے ایجاد کا اہتمام فرمایا، یومِ میثاق میں تیرے لئے تدبیر فرمائی جس روز پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں، سب بولے کیوں نہیں، اس وقت تیرے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ تجھ کو اپنی شناخت دی، تب تونے اس کو پہچانا اور تجھ کو اپنی جھلک دکھلائی تونے اس کو مشاہدہ کیا تجھ کو گویا کیا، تیرے دل میں اپنی ربوبیت کا اقرار ڈالا تب تونے اس کی توحید[2] کی اس کے بعد تجھ کو نطفہ بنایا جو باپ دادا کی پشت میں امانت تھا، اور اس مقام میں تیری تدبیر کا سامان کیا تیری حفاظت کی جس جگہ تو رہا اس کی حفاظت کی جس شخص میں تو رہا اس کے ذریعے سے برابر تجھ کو مدد پہونچتی رہی یہی سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہونچتا ہے، پھر تجھکو ماں کے رحم میں ڈالا وہاں تیرے کام بنائے اور رحم میں قابلیت رکھ کر اس کو ایک زمین بنایا جس میں تو پھولے پھلے اور اس کو ایک محل امانت بنایا جس میں کہ تجھ کو حیات[3] عنایت ہو پھر دونوں نطفوں کو جمع کیا، دونوں ملایا پھر تو دونوں سے بنا، اس کا سبب حکمتِ الٰہی ہے کہ تمامی[4] وجود سِرِّ ازدواج پر مبنی ہے، پھر نطفے کے بعد

---

[1] ہر طرح [2] کا اقرار کیا [3] زندگی [4] تیرے پورے وجود کا تعلق میاں بیوی کے ملنے سے ہوا تو یہ تو محض اللہ کی حکمت ہے ورنہ میاں بیوی کے ملنے سے تیرا وجود ضروری بھی نہیں تھا۔

تجھ کو علقہ یعنی خون بستہ بنایا جس میں صلاحیت اس صورت کی رکھی جو اس کے بعد پیدا کرنا منظور ہے پھر علقے کے بعد مضغہ بنایا پھر مضغے میں تیری صورت نقش کی اور تیری بنیاد قائم فرمائی پھر اس کے بعد تیرے اندر روح پھونکی پھر ماں کے رحم میں خونِ حیض سے تجھ کو غذا دی پس تیرے وجود میں آنے سے پہلے تیرا رزق جاری فرمایا پھر تجھ کو ماں کے رحم میں باقی رکھا یہاں تک کہ تیرے اعضا قوی ہو گئے اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے، تاکہ تو ایسی جگہ آنے کے قابل ہو جاوے جہاں تیرا نفع و نقصان ہے اور تاکہ تجھ کو ایسے گھر کی طرف لاوے جس میں تجھ کو اپنے فضل و عدل کے ساتھ اپنی شناخت کرائے پھر جب تجھ کو زمین کی طرف لایا تو اس کو معلوم تھا کہ تو سخت چیزیں نہیں کھا سکتا اور نہ تیرے دانت ہیں اور نہ داڑھ جن سے تو کھانے میں کام لے سکے پس چھاتیوں[1] میں لطیف غذا جاری فرمائی اور ان پر جوش دینے والی مہربانی ماں کے دل میں مسلط کی جہاں دودھ نکلنا موقوف ہوا اس محبت مادری[2] نے اس کو جوش دیا جوش دینے والا بھی کیسا جو کبھی سست نہیں ہوتا ایسا مستعد جو کبھی بند نہیں ہوتا، پھر ماں باپ کو اس کام میں لگا دیا کہ تیرے فائدہ کی چیزیں حاصل کریں اور تجھ پر شفقت کریں اور تجھ کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ وہی شفقت ہے جس کو تیری طرف اور دوسرے شخصوں کی طرف بھیجنے میں ماں باپ کو مظہر قرار دیا تاکہ صفتِ مودت[3] کے ساتھ اس کی معرفت ہو اور حقیقت میں اس کی ربوبیت کے سوا تیرا کوئی کفیل نہیں اور اس کی الوہیت کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہیں پھر باپ کے ذمے لازم ٹھیرایا کہ وقتِ بلوغ تک تیری خبر گیری کرے اور اپنی عنایت سے یہ اس پر واجب کر دیا پھر کمالِ فہم تک تجھ کو مرفوع[4] القلم فرما دیا اور یہ بلوغ کا وقت ہے

---

[1] ماں کی [2] ماں کی ۱۲ [3] ماں باپ کی محبت سے خدا کو پہچان لے۔
[4] جوان ہونے تک سختی وغیرہ سے محفوظ۔

پھر تب سے ادھیڑ ہونے تک اپنی عطا و فضل کو موقوف نہیں کیا پھر جب تو بڑھاپے کو پہونچا پھر جب تو مریگا پھر جب قیامت میں زندہ ہو گا پھر جب تجھ کو اپنی روبرو کھڑا کرے گا پھر جب اپنی عقاب سے تجھ کو بچائے گا پھر جب تجھ کو بہشت میں داخل کریگا۔ پھر جب اپنا پردہ تیرے سامنے سے اٹھا دے گا اور اپنے اولیاء اور احبا کی مجلس میں تجھ کو بٹھلائے گا فرمایا[1] اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے کہ متقی لوگ ہوں گے بہشتوں میں اور نہروں میں سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے پاس[2] یعنی سب جگہ تجھ پر فضل رہا ہے پس تو اس کے کس کس احسان کا شکر کر سکتا ہے اور کون کون نعمتوں کو ذکر میں لا سکتا ہے اور سنو ارشاد اللہ تعالیٰ کا۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ — یعنی جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تو اس کے احسان سے نہ کبھی نکلا ہے نہ نکلے گا اور اس کا فضل و امتنان تجھ سے کبھی جدا نہ ہو گا اور اگر اپنے تغیر حالات کا معلوم کرنا منظور ہو تو یہ ارشاد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا سن لو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ — یعنی بیشک پیدا کیا ہم نے آدمی کو خلاصہ مٹی سے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ ٹھہرنے کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفہ کو خون بستہ، پھر پیدا کیا ہم نے خون بستہ کو گوشت کی

---

[1] دوستوں [2] آیت یہ ہے ان المتقین فی جنت و نهر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ۱۲ مترجم

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝	بوٹی پھر پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو دوسری پیدائش (ف یعنی روح پھونکی) ت پس بڑی برکت والا ہے اللہ بہتر سب تجویز کرنے والوں کا پھر بیشک تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو۔

پھر بیشک تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے۔

اس آیت کی جھلک تجھ پر ظاہر ہوگی اور اس کی چمک تجھ پر پھیلے گی اور اس کا مضمون گردن جھکا دینے اور توکل کرنے کو تجھ پر لازم ٹھیراوے گا اور تدبیر کے ترک اور تقدیر کے ساتھ منازعت[1] نہ کرنے کی طرف تجھ کو کھینچ لے جاویگا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے

ترک تدبیر پر دوسری حجت

یہ ہے کہ جان لے کہ اپنے لئے تیرا تدبیر کرنا ناواقفی کی دلیل ہے، اپنے فائدہ کی سوچنے سے کیونکہ ایمان والے کا اعتقاد ہے کہ جب وہ اللہ کے روبرو تدبیر کو ترک کر دیتا ہے، خدائے تعالیٰ اس کے لئے بخوبی تدبیر فرما دیتا ہے، بسبب فرمانے اللہ تعالیٰ کے۔۔۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ	یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے

پس تیری تدبیر یہی ہے کہ تدبیر نہ کرے اور اپنی بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اس کی

[1] جھگڑا۔ اعتراض۔

خیر خواہی کی فکر نہ کرے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قول[1] کو سمجھو کہ آؤ گھروں میں ان کے دروازں سے پس تدبیر کا دروازہ اللہ کی طرف سے یہی ہے کہ اپنے لئے تدبیر نہ کرو۔

تیسری حجت تیسرا امر یہ ہے کہ جان تو کہ یہ ضرور نہیں کہ تقدیر تیری تدبیر کے موافق جاری ہوا کرے بلکہ اکثر وہی بات ہوتی ہے جس کی تو تدبیر نہیں کرتا اور بہت کم وہ ہوتا ہے جس کی تدبیر کرتا ہے اور عاقل بے ٹھکانے مکان نہیں بناتا پس تیری عمارتیں کہاں پوری ہونے پائیں گی تقدیر تو ان کو گرا رہی ہے اور پورا ہونے سے روک رہی ہے ؎

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اس کو بناتا ہو مگر ہو دوسرا ان جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

اور جس حالت میں تیری طرف سے تو تدبیر ہو اور تقدیر برخلاف تیری تدبیر کے جاری ہوتی ہو تو ایسی تدبیر سے کیا فائدہ جس کی حمایت تقدیر نہ کرے اور تدبیر تو اسی کو سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر کی باگ ہے اسی لئے کہا گیا ہے ؎

پایا میں نے قضا کو جب کاری اور نہیں اس میں کوئی شک طاری
کر لیا اعتقاد خالق پر !! خود چلا جس طرف وہ ہو جاری

چوتھی حجت یہ ہے کہ جان تو کہ اللہ تعالیٰ ہی ذمے وار ہے اپنی سلطنت کی تدبیر کا اس کی بلندی کا اس کی پستی کا اس کے غیب کا اس کی شہادت کا، اور جیسا عرش و کرسی اور آسمان و زمین میں اس کی تدبیر کو تو نے تسلیم کر لیا اسی طرح اپنے وجود میں بھی اس کی تدبیر کو تسلیم کرلے کیونکہ تیرے وجود کی نسبت ان عالموں کے ساتھ ایسی ہے کہ تیرا پتہ بھی نہیں لگنے دیتی، جیسا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں

---

[1] آیت یہ ہے واتوا البیوت من ابوابہا ۱۲ مترجم

زمین کی نسبت کرسی کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور کرسی اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عرش کے ساتھ یہی نسبت رکھتے ہیں پس تو بیچارا اُس کے ملک میں کیا چیز ہے پس تجھ کو اپنے نفس کی فکر کرنا اور اس کے لئے تدبیر کرنا بالکل احمق پنا اور ناواقفی ہے بلکہ بات وہ ہے جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ — یعنی انھوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہیے تھا۔

پس اگر بندہ اپنے رب کو پہچان لے تو اس کے آگے تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور تجھ کو جو خدائے تعالیٰ سے آڑ ہے اسی نے تجھ کو دریائے تدبیر میں پھینکا ہے کیونکہ اہل الیقین کی باطنی[1] بینائی سے جو پردہ اٹھا انھوں نے اپنے کو دیکھا کہ ہماری تدبیر تو کوئی دوسرا کر رہا ہے ہم خود کچھ تدبیر نہیں کر سکتے اور ہم میں کوئی دوسرا تصرف کر رہا ہے ہم خود کچھ تصرف نہیں کر سکتے اور ہم کو کوئی دوسرا جنبش[2] دے رہا ہے ہم خود کچھ جنبش نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ساکنانِ عالم بالا[3] مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے ظہورِ قدرت کا اور نفوذِ ارادے کا اور مقدورات کے ساتھ قدرت اور مراد کے ساتھ ارادے کے متعلق ہونے کا اور اسباب ان کی نگاہ میں سب برطرف ہیں اسی لئے وہ دعویٰ سے پاک ہیں کیونکہ اُن کو معائنہ[4] اور مواجہہ حاصل ہے اسی لئے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ — یعنی ہم وارث ہیں زمین کے اور جو اس کے اوپر ہیں اور سب ہماری طرف پھیرے جاویں گے۔

---

[1] دل [2] حرکت [3] آسمانوں پر رہنے والے [4] پورا سامنا

اس میں ملائکہ کا تزکیہ[1] ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ نے جو ان کو عنایت کیا وہ اس میں مدعی نہیں اور جو ان کی طرف منسوب کیا اس میں وہ خود نسبت کرنے والے نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرماتے اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَالسَّمَآءَ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت ہی اور اس سے ہیبت کرتے ہیں اور اس کی عظمت سے حیران ہیں یہ امور ان کو مانع ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف میلان کریں، پس جیسا آسمان وزمین کے مقدمے میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کرلیا ہے اسی طرح اپنے وجود میں بھی تسلیم کرنے کیونکہ آسمان[2] زمین کی خلقت تو بہرحال انسان کی خلقت سے بڑی ہی ہے۔

پانچویں حجّت یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کی ملک ہے اور تجھ کو ایسی چیز کی تدبیر کرنا نہیں پہونچتا جو غیر کی ملک ہو[3] پس جو چیز تیری ملک میں نہیں تجھ کو اس کی تدبیر کا بھی استحقاق نہیں اور جو چیز تیری ملک میں ہی اس میں جب کوئی تجھ سے منازعت نہیں کرتا اور حالانکہ تیری ملک صرف اس کے مالک بنانے سے ہوئی اور تیری ملک حقیقی نہیں بلکہ صرف ایک نسبت شرعی ہی جو تیری ملک کی موجب ہوگئی یہ نہیں کہ کوئی چیز تیرے وصف کے ساتھ قائم ہوگئی جس سے تو مالک بننے کا مستحق ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی اس کی ملک میں منازعت نہ کرنا تو زیادہ تر مناسب اور سزاوار ہی، خصوصاً جبکہ اللہ فرما چکا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ

یعنی اللہ نے مول لے لیا اہل ایمان سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو

---

[1] یعنی ذکر نہیں [2] جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس الآیۃ ۱۲ مترجم [3] دوسری کی چیز دل میں ہیں کسی طرح بھی تدبیر وغیرہ کا حق نہیں۔

بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ   اس معاوضے میں کہ ان کو جنت ہے

تو فروخت کرنے کے بعد تدبیر و منازعت کرنا مناسب نہیں کیونکہ جس چیز کو تو فروخت کر چکا اس کا تسلیم[1] کر دینا اور منازعت نہ کرنا تجھ پر واجب ہو چکا پھر اس میں تدبیر کرنا عقدِ بیع[2] کو توڑنا ہے۔ میں ایک روز شیخ ابو العباس مرسی رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا اور کسی قصے کی شکایت کی فرمانے لگے اگر تیرا نفس تیری ملک ہے تو اس کے ساتھ جو چاہے کر اور یہ تجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ اور اگر اپنے پیدا کرنے والے کی ملک ہے تو اس کو تسلیم کر دو وہ جو چاہے کرے پھر فرمایا کہ چین اسی میں ہے کہ اللہ کے سپرد کر دو اور تدبیر چھوڑ دو۔ اور عبودیت کے یہی معنی ہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا واقعہ

ابراہیم بن ادہمؒ سے منقول ہے کہ میں ایک شب سو گیا اور میرا معمول قضا ہو گیا میں جاگا اور نادم ہوا۔ پھر تین دن ایسا ہوا کہ فرض ہی قضا ہو گیا جب میں بیدار ہوا ایک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا ہے ؎

ہر خطا سے کرتے ہیں ہم درگذر   مگر اعراض ہم سے سخت تر
رہ گئی تجھ سے جو طاعت بخشدی   رہ گیا جو اجر وہ ہے مدّخر[3]

پھر مجھ کو حکم ہوا اے ابراہیم بندہ بنا رہ بس میں بندہ اور چین میں ہو گیا۔

چھٹی حجّت

یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کا مہمان ہے کیونکہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور تو وہاں آ کر اس کا مہمان ہوا اور مہمان کو سزاوار ہے کہ میزبان

---

[1] خریدار کو خریدی ہوئی چیز سپرد کر دو۔ اور اس سے کوئی جھگڑا وغیرہ نہ کرے [2] خرید و فروخت کے وعدے [3] جمع ہے۔

کے ہوتے کوئی غم نہ پالے۔

شیخ ابومدینؒ کا فرمان شیخ ابومدینؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ اور مشائخ کو ہم اسباب میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں، اور آپ بالکل نہیں پھنستے فرمانے لگے اے بھائی انصاف تو کرو دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے مہمان ہیں اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہمانی تین روز تک ہے تو تین روز تک تو اللہ کے یہاں ہماری ضیافت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] کہ ایک دن تیرے رب کے یہاں کا ایک ہزار سال کے برابر ہے جس کو شمار کیا کرتے ہو اس حساب سے تین ہزار برس ہماری مہمانی کے ٹھیرے جس میں کچھ مدت تو دنیا میں مقیم ہیں اور باقی کو اپنے فضل سے آخرت میں پورا کرے گا اور خلود دائم[2] مزید برآں ہے۔

ساتویں حجت یہ ہے کہ بندہ ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کی قیومیت کو دیکھے کیا یہ قول اس کا تو نے نہیں سنا:۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج	اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق
اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج	نہیں اور وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا

پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ قیوم ہے دنیا کا اور آخرت کا دنیا کا قیوم تو رزق اور عطا سے ہے اور آخرت کا اجر و جزا سے جب بندہ اپنے رب کی قیومیت اور اس کی نگرانی کا یقین کرے گا تو اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کرے گا اور اپنے کو اس کا مطیع اور منتظر حکم کر کے اس کے آگے ڈال دے گا۔

---

[1] آیت یہ ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

[2] جنت میں ہمیشہ رہنا۔

آٹھویں حجت

یہ ہے کہ بندہ کو عمر بھر احکام عبودیت میں مشغول رہنے کا حکم ہے بدلیل قول اللہ تعالیٰ کے:-

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ — اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ آن پہنچے تجھ کو موتؔ۔

جب اس کی ہمت رعایت عبودیت کی طرف متوجہ ہوگی یہ اس کو تدبیر و فکر کی فرصت نہ لینے دے گی۔

ایک شیخ کا فرمان

شیخ ابو الحسن کا فرمان ہے کہ جان لینا چاہیئے کہ تجھ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا عبودیت میں ایک حق ہے کہ اللہ تعالیٰ بمقتضائے ربوبیت اس کو چاہتا ہے اور بندے سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس حق کی اور اس کی سانسوں سے جو اس کے پاس اللہ کی امانت ہے سوال ہوگا پس اہلِ بصیرت کو اللہ کے حقوق سے فرصت کہاں ہے کہ اپنے نفس کے لئے تدبیر کر سکیں اور اس کی مصلحتوں میں باعتبار اس کے حظوظؔ اور حوائج کی فکر کر سکیں اور اللہ کی منتؔ کا ملاحظہ تک کوئی بھی نہیں پہنچا بدوںؔ اس کے کہ اپنے نفس سے غائب ہو اس کے مقدمےؔ میں زہد اختیار کرے اس کی ہمت خدا تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں مصروف ہو، اس کی موافقت کے اسباب بکثرت ہوں اس کی خدمت اور معاملے پر دوامؔ کرے پس جس قدر تجھ کو اپنے نفس سے غیبت یعنی فنا و دوری ہوگی اسی قدر بقا باللہؔ میسر ہوگا اسی واسطے شیخ ابی الحسنؒ فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو اپنی راہِ نجات کی طرف دوڑتا ہے اس کی درگاہ کا شائق ہے

لہ حمل بعضھم علی الموت الاختیاری ۱۲ ملفوظ شریف ؎ لذتیں ؎ احسانات کی ؎ بغیر ؎ اللہ کے معاملات میں محتاط اور پرہیزگار ہے ؎ ہمیشگی ؎ معرفت الٰہی

اگر چاہتا ہے کہ تیرا باطن اسرارِ ملکوت کے لئے کشادہ ہو جاوے تو اپنے ظاہر کی طرف نظر کم کیا کر۔

نویں حجت یہ ہے کہ تو ایک تربیت یافتہ غلام ہے اور غلام کو سزاوار ہے کہ آقا کے ہوتے ہوئے کچھ غم نہ پالے اور ساتھ ہی اس کے وہ آقا افضال کے ساتھ متصف ہے اور اس کو کبھی مہمل نہ چھوڑے گا کیونکہ مقامِ عبودیت کی جان تو یہ ہے کہ اللہ پر کامل بھروسہ ہو اور اپنے کو اس کے حوالے کر دے اور یہ دونوں امر تدبیر و اختیار کے منافی[1] ہیں، بلکہ غلام کا کام یہ ہے کہ خدمت میں لگا رہے آقا اپنی عنایت سے آپ ہی اس کی خبر گیری کرے گا اور غلام کے ذمے خدمت کا سرانجام دینا ہے اور آقا خود ہی اس کی روزی کا انتظام فرما دے گا۔ اللہ تعالےٰ کے اس قول کو خوب سمجھ لے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ — اور حکم کر تو اپنے گھر والوں کو نماز
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ — کا اور اس پر قائم رہ نہیں مانگتے
رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ الآیہ — ہم تجھ سے روزی ہم روزی دیں گے تجھکو

یعنی تم ہماری خدمت کرو ہم اپنی روزی تم کو پہونچانے کا بندوبست کر دیں گے

دسویں حجت یہ ہے کہ تجھ کو انجام کار کی خبر نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں نفع سمجھ کر اس کی تدبیر کی الٹا اس میں نقصان ہو گیا، اور بسا اوقات مصیبت کی راہ سے فوائد حاصل ہو گئے اور فوائد کی راہ سے مصیبتیں اور مضرت کی راہ سے مسرت اور مسرت کی راہ سے مضرت[2] آ گئی اور اکثر بار محنت

---

[1] خلاف [2] نقصان

میں منت اور منت میں محنت پوشیدہ ہوتی ہے، بہت دفعہ دشمنوں کے ہاتھ سے منفعت اور دوستوں کے ہاتھ سے ایذا پہونچتی ہے جب ایسا قصہ ہے تو عاقل سے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے آگے تدبیر چلاوے، حالانکہ اتنی خبر نہیں کہ مسرت کہاں ہے کہ اُس کو حاصل کرے اور مضرت کہاں ہے کہ اُس سے بچے۔

شیخ ابوالحسن کی دعا

اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ کی دعا ہے یا اللہ ہم جس جگہ جانتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی جانتے ہیں وہاں تو اپنے سے ضرر دفع کر ہی نہیں سکتے پس جس جگہ ہم جانتے نہیں نہ اس کا طریقہ معلوم ہو وہاں تو کیسے عاجز نہ ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بس ہے عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ الآیۃ اور بہت مرتبہ تو نے کسی بات کا ارادہ کیا ہوگا اور اللہ نے اس کو ہٹا دیا اور اس وجہ سے اپنے دِل میں غم اور تنگی پائی ہوگی مگر جب اس کا انجام معلوم ہوا ہوگا تب سمجھا ہوگا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے واسطے کیسی شفقت فرمائی کہ تجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس ارادہ کرنے والے سے بدتر کون ہوگا جس کو فہم نہ ہو اور اس غلام سے بدتر کون ہوگا جس میں اطاعت نہ ہو جیسا کسی نے کہا ہے ؎

بہت کاموں میں چاہا نہیں ہونے دیا تو نے ہمیشہ مجھ سے زیادہ مجھ پہ تیری مہربانی ہے
کیا ہے عزم اب میں نے نہ دیکھوں دل میں خطرہ بھی مگر سمجھو کہ یہ تیری جہت سے حکمرانی ہے
ارادہ یہ بھی ہے جاؤں نہ منہیات کے نزدیک کہ میرے دل میں عظمت ہے تری اور کبر شانی ہے

ایک حکایت

کسی کی حکایت ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو کہتا تھا اسی

١ کافی ٢ تیرا حکم ہے ٣ منع کئے ہوئے کام ٤ عظمت و بڑائی

میں کچھ خیر ہے ایک شب اتفاق ہوا کہ ایک بھیڑیا آکر اس کے مرغ کو کھا گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہو گی اسی شب اس کے کتے کے کہیں چوٹ لگی اور مر گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہو گی پھر اس کے گدھے نے چلانا شروع کیا اور مر گیا کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہو گی۔ اس کے گھر والے اس بات سے تنگ ہونے لگے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی شب میں کچھ بدو آئے اور محلے والوں کو لوٹا مارا اور بجز اس شخص کے اور اس کے گھر والوں کے کوئی نہیں بچا وہ بدو مرغ اور کتے اور گدھے کی آواز کے پتہ پر آئے تھے اور اس کے یہ سب مر چکے تھے پس ان چیزوں کا ہلاک ہونا اس کی نجات کا سبب ہو گیا پس پاک ہے وہ تدبیر کرنے والا حکمت والا، اور جب تک انجام نہیں ظاہر ہوتا اس وقت تک اللہ کی تدبیر کی خوبی بندے کو نظر نہیں آتی اور خاص لوگوں کے مقام سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جن کو خدا کی طرف سے فہم عنایت ہوتی ہے وہ تو قبل انجام ظاہر ہونے کے اللہ کی تدبیر کی خوبی کو مشاہدہ کر لیتے ہیں، اور ایسے لوگ اس باب میں کئی طرح کے ہیں بعض لوگوں کو اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اپنے احسان و لطف کا خوگر[1] کر رکھا ہے اس سے وہ گردن جھکا دیتے ہیں اور بعضوں کو حسن ظن اس وجہ سے ہے کہ جانتے ہیں کہ اہتمام اور تدبیر اور منازعت[2] نہ تو تقدیر کو ٹال سکتی ہے نہ غیر مقسوم[3] چیز کو حاصل کرا سکتی ہے بعضوں کو اس وجہ سے حسن ظن ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے حکایت فرمائی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں جس طرح کا گمان میرے ساتھ رکھتا ہے اس لئے وہ حسن ظن کو اور اس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے اس امید سے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو پھر

---

[1] عادی [2] تقدیر سے لڑائی [3] جو قسمت میں نہیں

اللہ بھی اس کے گمان کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی راہیں مسلمانوں کے لئے نہایت آسان کر دیں کہ ان کے گمانوں کے موافق معاملہ فرمایا خود ارشاد فرماتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ — اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

اور ان سب مراتب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تسلیم[1] و تفویض اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہو نہ ایسی وجہ سے جس کا نفع لوٹ کر اپنی ہی طرف آ وے کیونکہ مراتب مذکورہ بالا میں بندہ ابھی بندِ علل[2] میں گرفتار ہے کیونکہ جو شخص اپنے فوائد کے لئے اس کا مطیع بنا اس کا مطیع[3] بننا تو الطاف سابقہ[4] کی وجہ سے ہوا اگر یہ الطاف نہ ہوتے تو یہ مطیع بھی نہ ہوتا، دوسرے کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سمجھ کر کہ تدبیر سے کچھ فائدہ نہیں، اگر تدبیر کو چھوڑ دیا یہ اللہ کے لئے تو نہیں ہوا کیونکہ اگر اس کو تدبیر کا نافع ہونا معلوم ہو جاتا تو شاید تدبیر کو نہ چھوڑتا اور جس نے حسنِ ظن اور اطاعت اس لئے اختیار کی کہ میرے گمان کے موافق مجھ سے معاملہ ہو تو درحقیقت وہ اپنے حظوظ نفس[5] میں سعی کر رہا ہے اس کو اندیشہ صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو افضال جاتے رہیں گے اور جو شخص اللہ کی اطاعت اور حُسنِ ظن اس وجہ سے کرے کہ وہ عظمت الوہیت اور صفتِ ربوبیت کے ساتھ موصوف ہے پس یہ شخص ہے کہ حقیقتِ حال تک پہونچ گیا اور اس گروہ[6] میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا، جن کے حق میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[7] کہ اللہ کے بعضے بندے ایسے ہیں کہ انکی

---

[1] سپردگی [2] اسباب [3] فرماں بردار [4] بیشمار مہربانیوں [5] نفسانی خواہشات پر عمل [6] جماعت
[7] حدیث یہ ہے ان اللہ عبادا ألتسبیحة واحدة منهم مثل جبل احد ۱۲ تنویر

ایک تسبیح جبل[1] احد کے برابر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں سے اس آیت میں ترکِ[2] تدبیر کا عہد لیا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ الآیۃ کیونکہ اقرارِ ربوبیت کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے آگے تدبیر نہ کریں پس یہ عہد اس وقت ہو چکا ہے کہ جب نفس بھی نہ تھا جو محلِ اضطراب[3] ہے اور اللہ کے سامنے تدبیر چلاتا ہے اور اگر بندہ اس پہلی حالت پر رہتا کہ پردہ اٹھا رہتا اور حضوری میسّر رہتی تو خدا کے آگے تدبیر کرنا اس سے ممکن نہ ہوتا چونکہ حجاب[4] حائل کر دیا ہے اس سے تدبیر اضطرا واقع ہوا اسی واسطے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اسرارِ ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کے سامنے تدبیر نہیں کرتے کیونکہ مواجہت[5] تدبیر کو نہیں ہونے دیتی اور ان کی پکّی پکّی تدبیریں توڑ دیتی ہے اور اللہ کے روبرو ایسا شخص کیونکر تدبیر کر سکتا ہے جو اس کی درگاہ میں حاضر ہے اس کی کبریائی وعظمت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

حضرت آدمؑ کا واقعہ اور اس کی حکمتیں

جاننا چاہیئے کہ تدبیر واختیار کا وبال عظیم ہے اور اس کا خطرہ شدید ہے۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جو غور کیا تو آدم علیہ السلام میں یہی بات پائی کہ اپنے لئے تدبیر کرنا درخت کھانے کا باعث[6] ہوا کیونکہ شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام سے وہ بات کہی تھی جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں دی ہے۔

قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ	شیطان نے کہا کہ تمہارے پروردگار
هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ	نے اس درخت کے کھانے سے اور

---

[1] پہاڑ [2] تدبیر چھوڑ دینے کا وعدہ [3] پریشانیوں کی جڑ [4] معرفتِ الٰہی میں اور بندوں کے درمیان [5] اللہ کی معرفت [6] سبب [7] نواب میں

تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخَالِدِیْنَ ○ کسی سبب سے منع نہیں کیا صرف یہ وجہ ہے کہ کبھی تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی بس پڑو۔

آدم علیہ السلام نے جو فکر کی تو معلوم ہوا کہ محبوب کے جوار[۱] میں رہنا تو اعلیٰ درجے کا مقصود ہے اور آدمی سے جو فرشتہ ہونے کا خیال ہوا یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نوع کو وصف ملکیت افضل ہو یا آدم علیہ السلام کے گمان میں افضل معلوم ہوا ہو پس اپنے دل میں یہ تدبیر ٹھیرا کر درخت سے کھا لیا، پس عین[۲] تدبیر ہی سے اُن پر بلا آئی[۳] اور اللہ کو یہی منظور تھا تاکہ ان کو زمین کی طرف اُتاریں اور اس میں خلیفہ بنا دیں پس ظاہر میں تو یہ تنزل[۴] تھا اور حقیقت میں ترقی تھی[۵]، اسی واسطے ابو الحسنؒ نے فرمایا قسم ہے خدا کی آدم علیہ السلام کو اُن کی شان گھٹانے کے لئے نہیں اُتارا بلکہ ان کی تکمیل کے لئے اتارا پس آدم علیہ السلام ہمیشہ ترقی میں رہے کبھی معراج قرب و خصوصیت میں کبھی معراج زاری و انکساری میں اور یہ معراج عند التحقیق اکمل ہے اور ہر ایماندار پر اس اعتقاد کا رکھنا

---

[۱] اللہ کے قریب [۲] صرف [۳] قال العارف الرومیؒ

اینہمہ انست و چوں آمد قضا !! دانشِ یک نہی شد بر وے عطا
کای عجب نہی انپے تحریم بود یا نبا دیلے بُدو تو ہیم بود !!!
در دلش تاویل چوں ترجیح یافت طبع در حیرت سوئے گندم شتافت
باغبا نرا خار چوں در پا رفت قدر فرصت یافت کالا برُتفت

[۴] مرتبہ گھٹ جانا [۵] یہ ترقی الوہیت سے نزول ہے طرف مقام عبدیت کے جو اکمل مقامات ہے ۱۲ ۱۲ ملفوظ شریف۔

واجب ہے کہ نبی اور رسول کی جب کوئی حالت بدلتی ہے تو اس سے کامل حالت حاصل ہوتی ہے اس مقام میں خدا نے تعالیٰ کے اس قول کو سمجھو وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ابن عطیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ پچھلی حالت تمہارے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے اور جب اس کو پہچان چکے تو اب یہ سمجھو کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے صفات میں سے تدبیر و مشیت[1] ہے اور اس کی مشیت میں یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ بنی آدم سے زمین کو آباد فرما دے گا۔ اور اس میں اس کی مشیت کے موافق اچھے بھی ہوں گے اور اپنی جان پر صریح[2] ظلم کرنے والے بھی ہوں گے اور یہ امر اس کی تدبیر حکمت سے تھا کہ اس کا پورا ہونا اور عالم شہادت میں ظاہر ہونا ضرور ہے پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کا اس درخت سے تناول کرنا ان کے زمین پر جانے کا سبب ہو اور ان کا زمین پر آنا مرتبۂ خلافت کے ظہور کا باعث ہو جس سے آدم علیہ السلام پر منت[3] رکھی ہے۔

شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا وہ معصیت کیسی مبارک ہے جس نے خلافت کو ظاہر کیا اور پچھلے لوگوں کے لئے قیامت تک قانونِ توبہ مقرر کر دیا اور ان کا زمین پر آنا بحکم قضائے الٰہی تھا جو زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے مقرر ہو چکا تھا، اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا خدا کی قسم حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے زمین پر اُتار چکے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ	میں بیشک بنا دوں گا زمین پر
خَلِیْفَةً ط	ایک خلیفہ۔

---

[1] ارادہ [2] کھلا [3] احسان جتلانا

پس یہ اللہ کی تدبیر کی خوبی ہے آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور ان کا زمین پر آنا اور منصب خلافت و امامت کے ساتھ ان کو مکرم[1] بنایا جب گفتگو یہاں تک پہونچی تو ہم کو چاہیئے ان فوائد و خصائص کو ڈھونڈھیں جو اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت کئے تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ خاص لوگوں کے حالات اللہ کے ساتھ ایسے ہیں جو اوروں کو میسر نہیں اور ان کے باب میں اللہ کی ایسی تدبیر ہے جس سے اوروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی پس آدم علیہ السلام کے اور زمین پر آنے میں چند فوائد ہیں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جنت میں آدم و حوا علیہما السلام کو حق تعالےٰ کی معرفت صرف صفتِ رزق و عطا و احسان و انعام کے ساتھ حاصل تھی اللہ کو اپنی لطفِ[2] خفی سے جو اس کی تدبیر میں ہوتا ہے یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اُس درخت سے کھالیویں تاکہ صفتِ حلم و ستاری و مغفرت و توبہ و اجتبائیت[3] کے ساتھ بھی معرفت میسر ہو جاوے حلم تو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فعل کے کرتے ہی جلدی سزا نہیں دی اور حلیم اسی کو کہتے ہیں کہ جو جلدی کسی فعل پر سزا نہ دے بلکہ مہلت دے اس کے بعد خواہ عفو و انعام ہو یا گرفت و انتقام ہو۔ دوسری بات کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے صفتِ ستاری کے ساتھ اپنی معرفت ان کو دی یہ اس طور پر ہے کہ جب دونوں نے اس درخت سے کھایا اور تمام لباس جنت کے اتر کر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں برگِ جنت سے ان کی پردہ پوشی فرمائی جیسا خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ یعنی دونوں اپنے بدن پر جنّت کے پتّوں کو ملا ملا کر رکھنے لگے یہ اس کی ستاری ہوئی، تیسری بات یہ ہے کہ

[1] عزت دی [2] خاص مہربانی [3] یعنی قبولیت دعا

اللہ کو یہ بتلانا منظور ہوا کہ تم ہمارے برگزیدہ ہو اور اس برگزیدگی سے دو مقام پیدا ہوئے ہیں اس کی طرف رجوع[1] اور توبہ کرنا اور اس کی طرف سے ہدایت ہونا پس اللہ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اُن کی برگزیدگی اور اپنی عنایتِ سابقہ[1] جتلا دیں پس درخت سے کھانا مقدر کر دیا پھر اس کھانے کو نہ اعراض کا سبب بنایا نہ اپنی مدد ان سے موقوف کی بلکہ اس میں اپنی مودت و عنایت کا اظہار فرما دیا جیسا بزرگوں کا قول ہے جس کے حال پر عنایت ہوتی ہے جنایت[2] اس کو ضرر[3] نہیں پہونچاتی بعضی دوستی کو مخالفت قطع کر دیتی ہے مگر حقیقی دوستی وہی ہے جو دوست کی طرف سے دائم[4] ہو خواہ موافقت کرو یا مخالفت اور یہ جو اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ یعنی پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کر لیا اس سے یہ مت سمجھ جانا کہ یہ اجتباء حادث ہے بلکہ وہ قبل وجودِ آدم ہے البتہ ظہورِ اثرِ اجتبائیت[5] بیشک حادث ہے اسی کو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ یعنی ان کو توبہ کی توفیق اور ہدایت دے کر اثر اجتبائیت و عنایت کو ظاہر فرما دیا پس اس آیت میں ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى تین[1] باتیں بتلائیں ایک اجتبائیت دوسرے[2] توبہ جو نتیجہ اجتبائیت کا ہے تیسرے[3] ہدایت جو نتیجہ توبہ ہے اچھی طرح سمجھ لو پھر ان کو زمین پر لا کر اپنی صفت حکمت کے ساتھ ان کو اپنی معرفت دی جیسا جنت میں صرف غلبۂ قدرت کے ساتھ معرفت دی تھی اور یہ اس طرح ہے کہ دنیا وسائط اور اسباب کا مقام ہے، جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے جوتنا. بونا اور جس قدر سامانِ زندگی کی حاجت ہوتی ہے سب ان کو سکھایا تاکہ

---

[1] پچھلی [2] غلطی اور خطا [3] نقصان [4] ہمیشہ [5] اپنا بزرگ بندہ پہلے ہی حضرت آدم کو بنا لیا تھا البتہ اس کا اظہار بعد میں ہوا ہے

چیز کو محقق کر دے جو قبل ان کے زمین پر اتارنے کے یہ کہہ کر ان کو بتلادی تھی
فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ کہیں شیطان تم کو جنت سے نہ نکال دے
فَتَشْقٰی ٥ پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

پس مراد تشقیٰ سے مشقت ہے نہ شقاوت دلیل اس کی یہ ہے کہ تشقیٰ مفرد لائے جس میں صرف آدم علیہ السلام مخاطب ہیں تشقیا تثنیہ نہیں لائے کہ آدم وحوا دونو مخاطب ہوتے، کیونکہ تعب وکلفت تو سب کا سب مردوں کی جان پر ہوتا ہے نہ عورتوں پر جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ اور اگر شقاوت مراد ہوتی جو قطع تعلق یا وجودِ حجاب سے ہوتی ہے تو فتشقیا فرماتے پس مفرد لانا دلیل ہے اس پر کہ یہاں شقاء وہ نہیں جو قطع وابعاد سے ہوتی ہے پھر اگر تثنیہ بھی ہوتا تب بھی نیک گمان پر اس کو حمل کر کے یہی ظاہری تکلیفیں تادیل میں مراد لیتے۔

فائدہ جلیلہ جاننا چاہیئے کہ آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا عنادہ خلاف کی راہ سے نہ تھا پس یا تو آدم علیہ السلام بھول گئے کھانے کے وقت یاد نہیں رہا اور بعضوں کا یہی قول ہے اور اسی پر محمول ہے قول اللہ تعالیٰ کا فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ٥ یا یوں کہو کہ کھانے کے وقت یاد تھا پھر کیوں کھایا پس یا تو یہ وجہ ہے کہ شیطان نے یوں بہکایا کہ تم کو جو خدائے تعالیٰ نے منع کیا ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی رہ پڑو چونکہ ان کو اللہ کے ساتھ محبت اور فریفتگی تھی ایسی چیز کو پسند کیا جو اللہ کے جوار میں ان کو ہمیشہ یاد رکھے

سلہ ثابت سے ۵۲ دوری

یا انکو فرشتہ بنا دیوے کیونکہ آدم علیہ السلام ملکیت کا قرب[۱] معائنہ فرما چکے تھے، اس لئے درخت سے کھالیا تاکہ رتبہ ملکیت کا حاصل کریں جو کہ واقع میں یا صرف ان کے گمان میں افضل تھا، چنانچہ علماء اور عرفا میں اختلاف ہے کہ ملکیت افضل ہے یا نبوت خصوصاً جبکہ اُس ملعون نے قسم کھا کر یہ بھی کہہ دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم جھوٹی کھائے گا، پس وہ ہی ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکے میں لٹکا لیا۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ آدم علیہ السلام جو کھاتے تھے اس کی گندگی نہ ہوتی تھی بلکہ پسینہ آجاتا تھا جس میں مشک کی خوشبو ہوتی، جیسے جنت والوں کو جنت میں ہوگا، لیکن جب اس درخت سے کھایا جس سے ممانعت تھی پیٹ میں درد اٹھا، حکم ہوا اے آدمؑ یہاں کہاں موقع ہے، آیا تخت پر یا چھپر کھٹ پر یا نہروں کے کناروں پر زمین پر جاؤ جہاں یہ ممکن ہے، پس جب ذریعۂ معصیت کے آثار آدم علیہ السلام تک پہونچے تو حقیقی معصیت کے آثار عاصی تک کیسے نہ پہونچیں گے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ و اعتبار جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے، وہ مشابہ اس درخت کے ہے اور جنت اللہ کی حضوری ہے،[۱] اور آدمؑ تیرا قلب ہے اور حوا تیرا نفس ان دونوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اس درخت کے پاس مت جانا کبھی ظالموں سے ہو جاؤ لیکن اتنا فرق ہے کہ آدم علیہ السلام کو عنایت گھیرے ہوئے تھی جب انھوں نے درخت سے کھایا، خلافت کے لئے زمین پر بھیج دیئے گئے اور تو اگر درخت نہی[۲] سے کھائیگا

---

۱ فرشتوں کے مرتبے کو قریب سے دیکھ چکے تھے۔ ۲ جس کام سے منع کیا گیا، اس کو اگر کیا جائے گا۔

زمین عداوت پر پھینکا دیا جاویگا اور تیرا دل کہ مشابہ آدمؑ ہے مشقت میں پڑجاویگا اور اس عداوت کی کلفت قلب کو ہوتی ہے نہ نفس کو کیونکہ ایسے وقت میں نفس کے مزاج کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں یعنی تلذذات اور شہوات اور غفلت میں غرق ہونا

ترتیب وبیان جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت عنایت فرمائی صفتِ ایجاد کے ساتھ تو پکارا انہوں نے یَا قَدِیْرُ پھر صفت ارادے کے ساتھ تو پکارا یَا مُرِیْدُ پھر صفتِ حکومت کے ساتھ جو اکل شجر[۱] سے منع کرنے میں تھی تو پکارا یَا حَاکِمُ پھر کھانا ان پر مقدر کیا تو پکارا یَا قَاھِرُ پھر کھانے کے بعد جلدی سے سزا نہیں دی تو پکارا یَا حَلِیْمُ پھر اس مقدمے میں ان کو رسوا نہیں کیا تو پکارا یَا سَتَّارُ پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تو پکارا یَا تَوَّابُ پھر اس کا مشاہدہ کرایا کہ درخت سے کھانے سے دوستی قطع نہیں کی تو پکارا یَا وَدُوْدُ پھر ان کو زمین پر بھیجا اور سامان زندگی کا ان کے لئے آسان کر دیا تو پکارا یَا لَطِیْفُ پھر اپنے احکام میں ان کو قوت بخشی تو پکارا یَا مُعِیْنُ پھر کھانے اور منع کرنے اور زمین پر آنے کے اسرار[۲] ان کو مشاہدہ کرائے تو پکارا یَا حَکِیْمُ پھر ان کو دشمن[۳] اور مکار پر غالب کیا تو پکارا یَا نَصِیْرُ پھر بار عبودیت[۴] برداشت کرنے میں ان کی مدد فرمائی تو پکارا یَا ظَھِیْرُ پس زمین پر ان کو اسی واسطے بھیجا کہ احکامِ تصریف کی تکمیل فرماوے، اور احکام تکلیف میں ان کو قائم کر دے تو آدم علیہ السلام میں دونوں عبودیتیں کامل ہوگئیں، عبودیت تصریف بھی اور عبودیت تکلیف بھی، پس اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی منت[۵] ہے

[۱] درخت سے کھانے [۲] بھید اور حکمتیں [۳] شیطان و نفس [۴] بندگی اور اطاعتِ حق کا وزن [۵] احسان

اور اس کا بڑا احسان ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

رجوع بمطلب جاننا چاہیے کہ سب سے بڑا مقام جس میں بندے کو قائم ہونا چاہیے مقام عبودیت ہے اور تمام مقامات اس مقام کے نسبت مثل خادم کے ہیں اور دلیل اس دعوی کی کہ عبودیت سب سے بڑا مقام ہے اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال ہیں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ۝ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ ف ان سب آیات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عبد فرمایا ہے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بادشاہ اور نبی بندہ ہونے میں اختیار دیا گیا۔ آپ نے عبودیت کو اختیار کیا پس یہ بڑی دلیل ہے اس کی کہ یہ سب مقامات سے افضل اور تمام طرق قرب[۱] سے اعظم ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵۲] کہ میں تو بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور فرمایا[۵۳] کہ میں تمام نبی آدم کا سردار ہوں اور میں کچھ لڑائی نہیں کرتا۔ میں نے اپنے شیخ ابو العباس سے سنا ہے کہ فرماتے تھے لا فخر کے معنی یہ ہیں کہ میں سرداری پر فخر نہیں کرتا میرا فخر تو عبودیت سے ہے اور اسی کے لئے ایجاد واقع ہوا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ اور عبادت صورت عبودیت ہے اور عبودیت روح عبادت جب اس کو تم نے سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ عبودیت کی روح ترک اختیار اور

---

[۱] قرب خداوندی حاصل کرنیکے طریقوں ہیں۔ [۵۲] حدیث یہ ہے انما انا عبد لا اکل متکئًا انما انا عبد اللہ آکل کما یاکل العبد ۱۲ - ۱۲ تنویر [۵۳] حدیث یہ ہے۔ انا سید ولد آدم ولا فخر ۱۲ تنویر۔

تقدیر سے منازعت نہ کرنا ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ عبودیت[1] کی حقیقت یہ ہے کہ ربوبیت[2] کے آگے تدبیر و اختیار ترک کر دے ہر گاہ اتمام مقام[3] عبودیت کا جو اشرف المقامات ہے ترکِ تدبیر پر موقوف ہے تو ہمارے کو سزاوار[4] ہے کہ اس کو ترک کر دے اور تسلیم و تفویض کی راہ چلے تا کہ مقام اکمل اور مسلکِ افضل تک پہونچے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی کو قرآن پڑھتے سُنا کہ آہستہ پڑھتے ہیں اور عمر رضی کو سنا کہ پکار پکار کر پڑھ رہے ہیں آپ نے حضرتِ ابوبکر رضی سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے عرض کیا کہ جس سے باتیں کرتا تھا وہ تو سُنتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم پکار کر کیوں پڑھتے تھے عرض کیا میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے ابوبکر کو حکم دیا کہ ذرا اپنی آواز اونچی کر دو اور عمر رضی کو حکم دیا کہ ذرا آواز کو پست کر دو، ہمارے شیخ ابوالعباس رح فرماتے تھے، اس مقام پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو منظور یہ تھا کہ دونوں صاحبوں سے ان کا ارادہ چھڑا کر اپنے ارادے کی طرف لادیں۔

تنبیہ خدا تیرا بھلا کرے اس حدیث میں غور کر تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ اپنے ارادہ سے باہر آنا تیری عبادت ہے کیونکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو ہر ایک نے ایک وجہ وجیہ[5] و قصد صحیح عرض کیا۔ اس کے بعد بھی حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ارادہ و اختیار سے علیحدہ کر کے اپنے اختیار کی طرف لائے۔

---

[1] بندگی [2] پروردگار [3] کامل بندگی کے مقامات کا حاصل کرنا [4] لائق [5] صحیح اور معقول ارادہ۔

فائدہ:- جاننا چاہیئے کہ بنی اسرائیل جب وادی تیہ میں داخل ہوئے اور من وسلویٰ ملنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کے لئے یہی پسند فرمایا تھا کہ بلا محنت ومشقت محض منّت واحسان سے عنایت ہوتا تھا چونکہ وہ اس کے خوگر[1] نہ تھے اور اللہ کی تدبیر کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا تھا اُن کی کیفیت طبائع اُسی پُرانی عادت کی طرف راغب ہوئی اور کہنے لگے اپنے رب سے دعا کرو کہ زمین کے اِن نباتات میں سے ہمارے لئے پیدا کرے، ساگ ہو، ککڑی ہو، لہسن ہو، مسور ہو، پیاز ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا ادنیٰ چیز اچھی چیز کے بدلے چاہتے ہو، شہر میں اترو وہاں پر تمہاری منہ مانگی[2] چیز ملے گی اور ان پر ذلت وخواری جم گئی اور اللہ کے غضب میں پھر آئے اور یہ اس لئے ہوا کہ انھوں نے اللہ کی پسندیدہ چیز کو جو ان کی حالت کے مناسب بھی اپنی پسند کی ہوئی چیز کے سامنے چھوڑ دیا تو ان کو بطریق توبیخ کہا گیا۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ اس کی ظاہری تفسیر تو یہی ہے کہ آیا لہسن پیاز مسور کو من وسلویٰ کے عوض میں چاہتے ہو حالانکہ یہ دونوں تو عین لذت اور بے مشقتی میں برابر نہیں ف یعنی من وسلویٰ لذیذ ہے اور بے محنت ملتا ہے بخلاف تمہاری خواستہ چیزوں کے کہ نہ ان میں وہ لذت ہے اور مصیبت ومشقت الگ رہی ت اور معنی اسراری یہ ہیں کہ کیا ادنیٰ چیز کو کہ وہ تمہارا ارادہ ہی اعلیٰ سے کہ وہ ہمارا ارادہ ہے بدلنا چاہتے ہو اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ الآیۃ اس کے معنی اسراری یہ ہیں کہ آسمان تفویض اور تدبیر واختیار ما بدولت سے اپنی تدبیر واختیار کی زمین پر اترو اور ذلت وخواری کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ

---

[1] عادی [2] مانگی ہوئی

اللہ کی تدبیر واختیار کے روبرو اپنی تدبیر واختیار چلاتے ہو اور اگر یہ امت تیہ میں ہوتی تو ایسی بات کبھی نہ کہتی جو نبی اسرائیل نے کہی کیونکہ ان کے انوار شفاف ہیں اور اسرار دور تک پہونچے ہیں کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل نے ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ اور اسی سے تیہ میں مبتلا ہوئے اور آخر میں یہ کہا اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ الخ اول میں اللہ کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور آخر میں اختیار خداوندی کے غیر کو اپنے لئے اختیار کیا، اور ان سے بار بار بہت سی ایسی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت اور طریقت سے بالکل بے بہرہ تھے، کہیں کہتے ہیں اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً یعنی ہم کو اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دو کہیں موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش ہے اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا ان لوگوں کے پاس ایک معبود ہے یہ اس وقت کہا تھا کہ دریا شگافتہ[1] ہوا اور یہ پار اتر گئے، وہاں ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے بتوں کے روبرو بیٹھک جمائے ہوئے بیٹھی تھی حالانکہ ہنوز[2] دریا کی نمی پیروں سے خشک نہیں ہوئی واقع میں وہ ایسے ہی تھے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کرتے ہو اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حالت بیان کی وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ یعنی ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا جیسا سائبان ہوتا ہے اور ان کو یقین ہوا کہ اب گرا حکم ہوا اختیار کرو جو احکام تم کو ہم نے دیئے ہیں ہمت کے ساتھ اور اس

---

[1] پھٹ گیا [2] ابھی

امت نے اپنے قلوب پر کوہ ہیبت[۱] وعظمت کو اٹھالیا پس قوت ایمان سے کتاب اللہ کو اختیار کرلیا پس اس پر ثابت رہے اور اس امر میں تائید کیے گئے اور گئوسالہ پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پسند کیا اور احکام کو اس کے لئے پسند فرمایا اور اپنے اِن اقوال میں اس کی تعریف فرمائی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تم بہت اچھے گروہ ہو جو لوگوں کے فائدہ ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا یعنی ہم نے بنایا تم کو گروہ وسط یعنی عادل نیک۔ پس اس سے تجھ کو ظاہر ہوگیا کہ تدبیر و اختیار بڑا سخت گناہ اور وبال ہے جب تجھ کو یہ منظور ہو کہ اللہ کی طرف سے تیرے لئے اچھی بات تجویز کی جاوے تو اپنی تدبیر کو ساقط کردے، اور اگر یہ منظور ہو کہ تیرے لئے عمدہ تدبیر کی جاوے تو اپنی تدبیر کا اس کے آگے دعویٰ مت کر اور اگر تجھ کو مراد تک پہونچنا منظور ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اس کے آگے کچھ مراد نہ رہے۔

حضرت بایزیدؒ کی تمنا

اسی لئے حضرت بایزیدؒ سے جب پوچھا گیا کیا چاہتے ہو کہا یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں پس ان کی آرزو اور خواہش اللہ سے یہی ہوئی کہ ان کا ارادہ جاتا رہے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ بڑی کرامت ہے اور بڑی قربت ہے کبھی خاص لوگوں سے ظاہر میں کرامتیں ہوتی ہیں مگر کچھ بقیہ تدبیر کا اس میں مخفی ہوتا ہے، حقیقی اور کامل کرامت یہی ہے کہ تدبیر کو ترک کردے اور اس کے حکم کے آگے تفویض اختیار کرے۔

---

[۱] باری تعالیٰ کے جلال و بڑائی کے پہاڑ کو دل پر رکھ لیا۔

شیخ کا ارشاد

اسی واسطے شیخ ابوالحسن رح فرماتے ہیں کہ دو ہی تو جامع کرامتیں ہیں کہ ایک کرامت ایمان جس سے یقین بڑھے اور عیاں مشہود ہو، دوسری کرامت عمل کہ جس میں اقتدا[۱] و متابعت ہو اور دعویٰ اور دھوکے سے اجتناب[۲] ہو جس کو یہ دونوں کرامتیں نصیب ہوگئیں، پھر وہ کسی اور کرامت کا طالب ہوا پس وہ شخص یا تو فریب خوردہ جھوٹا ہے یا علم اور عمل میں غلط کار ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کی حضوری کا اعزاز خوشنودی کے ساتھ دیا گیا پھر وہ گھوڑوں کی سائیسی کا مشتاق ہوا اور بادشاہ کی خوشنودی کا لباس اتار دیا اور جس کرامت کے ساتھ ... ... اللہ سے راضی ہونا مقرون[۳] نہ ہو وہ کرامت والا یا تو استدراج اور دھوکے میں ہے یا ناقص ہے یا ہلاکت میں ہے اب یہ معلوم کرو کہ کرامت کا کرامت ہونا اللہ کی رضا سے مقرون[۴] ہونے پر موقوف ہے اور لوازم رضا سے یہ ہے کہ تدبیر ترک کر دے اور اس کے روبرو اختیار معدوم کر دے جاننا چاہیئے کہ بعضوں نے بایزید رح پر اعتراض کیا ہے کہ جب انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ کچھ ارادہ نہ کریں، تو یہ بھی ایک ارادہ ہے اور یہ اعتراض کسی بے علم کا ہے کیونکہ مراد بایزید رح کی یہ ہے کہ میں ارادہ نہ کروں کیونکہ اللہ کو ان کے اور تمام بندوں کے لیئے یہ بات پسند ہے کہ ارادہ نہ کریں، پس یہ اس ارادہ میں اللہ کے ارادہ کے موافق ہیں ف حاصل یہ ہے کہ مراد بایزید رح کی مطلق ارادے کی نفی نہیں بلکہ جو ارادہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہوت اسی واسطے شیخ ابوالحسن رح نے فرمایا ہے کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب[۵] دادہ ہیں، تیرا اس میں کچھ اختیار

---

۱ تقدیر پر راضی رہنا ہو ۲ بچنا ۳ حاصل ۴ مقرر کی ہوئی

نہیں بس سُنا کر اور مانا کر یہ مقام فقہ ربّانی اور علم لدنّی کا ہے اور یہ علم حقیقت کے نزول کی زمین ہے جو اللہ سے حاصل کیا جاتا ہے اُس شخص کے لئے جو قرار پکڑے ف ختم ہوا کلام شیخ کا ف پس شیخ نے اس کلام میں یہ بات بتلادی کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ ہیں ان کا اختیار کرنا مقامِ عبودیت کے خلاف نہیں جس کی بنا[۱] ترکِ اختیار پر ہے تاکہ کوئی سعقل[۲] نا حقیقت شناس اس سے دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ وظائف اور اوراد وسننِ موکدہ کے ارادہ کرنے سے مقامِ عبودیت سے نکل جاوے گا کیونکہ اختیار تو کرلیا اِسی لئے شیخ رح نے بیان فرمادیا کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں ان میں کچھ اختیار نہیں ف کہ اس کو چھوڑ کر بیٹھ رہو وہ تو کرنا ہی پڑے گا ف تجھ کو یہ حکم ہے کہ اپنی تدبیر و اختیار سے نکل نہ کہ اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تدبیر سے بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لو پس تم کو معلوم ہو گیا کہ بایزید رح نے جو ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کیا وہ صرف اسی وجہ سے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے کہ ارادہ نہ کریں اس ارادے کے سبب وہ عبودیت سے خارج نہیں ہو سکتے جو ان سے مطلوب ہے پس معلوم ہو گیا کہ طریق موصل[۳] الی اللہ محو کرنا ہے ارادے کا اور چھوڑنا ہی خواہش کا یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن رح فرماتے ہیں کہ ولی کبھی خدا تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ اس کی ایک تدبیر و اختیار بھی باقی رہی اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباس رح سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ بندہ خدا تک نہیں پہونچتا، یہاں تک کہ یہ پہونچنے کی خواہش بھی اس کی منقطع[۴] ہو جاوے مراد انقطاع سے واللہ اعلم

---

[۱] بنیاد [۲] کم عقل [۳] اللہ تک پہونچنے کا صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ ارادہ واختیار چھوڑ دے [۴] ختم

انقطاع ادب معلوم ہوتا ہے نہ انقطاعِ ملال ف انقطاع آرزو کبھی غایت ادب سے ہوتا ہے کہ مانگنے کو خلافِ ادب جانتا ہے اگرچہ مطلوب کا شوق سینہ میں مشتعل ہے اور کبھی ملال سے ہوتا ہے کہ مطلوب سے جی اکتا گیا اس لئے نہیں چاہتا تو اولیاء اللہ کو جو وصول الی اللہ کی آرزو منقطع ہوتی ہے وہ انقطاع ادب ہے نہ انقطاعِ ملال ف یا یہ انقطاع اس وجہ سے ہے کہ قرب کے وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ میں تو اس قابل نہ تھا اور اپنے کو اس مقام کی اہلیت سے حقیر و کمتر سمجھتا ہے اس وجہ سے خواہش وصول منقطع ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ اس سے جی اکتا گیا یا بھر گیا یا ہٹ گیا، پس اگر چاہتے ہو اشراق[1] و تنویر کو تو اختیار کرو ترکِ تدبیر اور اللہ کی طرف بزرگوں کی راہ سے چلو جو ان کو ملا ہے تم کو بھی ملے گا ؎

چلو تم راہ پر ان کی طریقہ دل سے لو ان کا
پہونچ جاؤگے منزل پر یہی وادی کی جانب ہے

اور ہمارے اس مضمون میں ابتدائے عمر کے چند اشعار ہیں جو کسی دوست کی خاطر سے لکھے تھے

اے یار قافلہ تو یہ جلدی نکل گیا
ہم یوں ہی بیٹھے رہ گئے اب تم کروگے کیا

کیا اس پہ تم ہو راضی کہ پیچھے پڑے رہو
جھگڑے ہوس تو آہی گرادے تمہیں ہوا

عالم کی کہہ رہی ہے زباں یہ پکار کر
جتنے ہیں کائنات یہ ہو جائیں گے فنا

رستہ نجات کا نظر اُس کو آئے گا
بچ کر طمع سے پھینک دے سب حق کے ماسوا

جو حق کو دیدِ خلق سے پہلے ہی دیکھ لے
صانع کے آگے دیگا وہ مصنوع کو اڑا

جو راہ چلتے ہیں نظر آتے ہیں ان کو نور
جن کا ہے رُخ اُدھر ہیں سب اسرار انبیاء[2]

اُٹھ دیکھ خلق کو کہ محیط اس کو ہے گا نور
اور صبح قریب ہے کہ طلوع اس نے ہی کیا

---

[1] ۵ نور معرفت [2] ۵ کھلے

ہو کر غلام اس کا تو ہو جا مطیع حکم ‏— تدبیر چھوڑ دے کہ نہیں اس میں فائدہ
تدبیر کیا کریگا کہ حاکم تو اور ہے ‏— جھگڑا کرے گا حکمِ خدا میں کہیں بھلا
اپنے ارادے اور مشیت کو محو کر ‏— مقصود خوب سن لے کہ ہے گا یہی بڑا
اگلے یوں ہی چلے تھے کہ مقصد کو پا گئے ‏— پیرو جو اُن کا ہو تو وہ جائے یوں ہی چلا
رو دے وہ اپنی جان کو کرتا ہو جو طلب ‏— محبوب کی نہ دیکھی مگر ایک بھی ادا
رونا جسے ہو روئے وہ بیٹھ اپنی جان کو ‏— کیا عمر یوں ہی لہو[1] میں ہو جائیگی فنا

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے کہ اللہ کے ایسے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تادیب و تعلیم کی وجہ سے وہ لوگ اپنی تدبیر سے خارج ہو گئے، پس انوار نے ان کی پختہ تدبیروں کو توڑ ڈالا اور معارف و اسرار نے اُن کے کوہِ[2] اختیار کو چور چور کر ڈالا، پس مقام رضا میں ان کی منزل ہو گئی اس مقام کی لذت ان کو ملی، پس اللہ سے فریاد کرنے لگے اس خوف سے کہ کہیں حلاوتِ رضا میں مشغول ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو جائیں ف یعنی تسلیم و تفویض کا ایسا غلبہ ہوا کہ رضا کا قصد کرتے بھی ڈرتے ہیں (ت) شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں تدبیریں کیا کرتا تھا کہ کیا طاعتیں کروں اور اس کے کیا اسباب مہیا کروں، کبھی کہتا تھا میدانوں اور جنگلوں میں جا پڑوں کبھی کہتا تھا شہروں اور آبادیوں میں رہوں کہ وہاں علماء اور نیکوں کی صحبت میسر ہو مجھ سے کسی نے ایک ولی کی تعریف کی جو ملک مغرب میں کسی پہاڑ پر رہتے تھے، میں اس پہاڑ پر چڑھا اور ان کے پاس شب کو پہونچا اور اس وقت ان کی خدمت میں جانا نامناسب سمجھا، میں نے ان کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا، یا الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں

[1] کھیل، تماشے [2] پہاڑ

مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں یا الٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام خلق مجھ سے ٹیڑھی ہو جاوے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے میں نے سوچا اے دل غور تو کر یہ شیخ کس دریا سے چُلّو لے رہے ہیں، شب کو ٹھہر ا جب صبح ہوئی ان کے روبرو گیا اور سلام کیا پھر پوچھا کہ جناب کیا حال ہے کہنے لگے جیسے تجھ کو حرارت تدبیر و اختیار کی شکایت ہے مجھ کو برودتِ تسلیم و رضا کی شکایت ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت حرارت تدبیر و اختیار سے جو مجھ کو شکایت ہے اس کا مزہ تو چکھ چکا ہوں اور اس وقت بھی چکھ رہا ہوں لیکن آپ کی جو شکایت برودتِ رضا و تسلیم سے ہے اس کے معنی میری سمجھ میں نہیں آئے، کہنے لگے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی حلاوت اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کر دے، پھر میں نے کہا کہ حضرت شبِ گذشتہ میں نے آپ کو یہ دعا کرتے سُنا کہ یا الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں یا الٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام خلقت مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے پس تبسم فرمایا اور کہا کہ اے میرے بچے بجائے سَخِّرْلِیْ خَلْقَکَ[1] کے یوں کہا کر یَا رَبِّ کُنْ لِّیْ یعنی اے پروردگار تو میرا ہو جا غور کر اگر ساری مخلوق تیری ہو گئی کیا تجھ کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، یہ کیسی کم ہمتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں درسِ بصیرت

جاننا چاہیے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اسی واسطے ہلاک ہوا کہ اپنی تدبیر کی طرف رجوع ہوا اور جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے

[1] اے اللہ اپنی مخلوق کو میرے لئے مسخر کر دے۔

کشتی والے ساتھیوں کے لئے فرمائی تھی اس پر راضی نہ ہوا نوح علیہ السلام نے اس سے فرمایا[1] اے بچہ تو بھی ہمارے ساتھ چڑھ جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر جا بیٹھوں گا جو مجھ کو پانی سے بچالے گا انھوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں ہاں مگر جس پر اس کی مہر[2] ہو، پس باعتبار معنی کے اس نے کوہ عقل کی پناہ لی اور ظاہر میں جس پہاڑ کی پناہ لی تھی وہ اس جبل معنوی کی صورت تھی پس وہی حال ہوا جس کی خبر اللہ نے دی۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ — یعنی دونوں کے بیچ میں ایک موج
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ — کی آڑ ہو گئی اور ڈوب گیا۔

ظاہراً تو طوفان میں اور باطناً حرمان میں۔

مقام عبرت اے بندے ذرا عبرت حاصل کر جس وقت تقدیر کی موجیں تجھ پر تلاطم کریں اس وقت اپنی عقل باطل کے پہاڑ کی طرف رجوع مت کرنا کہ دریائے فراق میں نہ ڈوب جاوے بلکہ کشتی توکل میں بیٹھ جانا[3] جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی وہ سیدھی راہ پر پہونچا، اور جو اللہ[4] تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے جب تو ایسا کرے گا کشتی نجات تجھ کو لے کر جودیٔ[5] امن پر قرار پکڑے گی، پھر تو اس پر

---

[1] آیت یہ ہے یا بنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم ۱۲ مترجم [2] مہربانی [3] یہ مضمون ہے اس آیت کا ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم ۱۲ مترجم [4] یہ مضمون ہے اس آیت کا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ۱۲ مترجم [5] امن وسلامتی کی پہاڑی۔

جا اترے گا سلامتی قرب اور برکات وصل کے ساتھ جو نازل ہوں گی تجھ پر اور ان پر جو تیرے ساتھ جا ملتیں ہیں اور وہ تیرے وجود کے عالم ہیں خوب سمجھو غافل مت بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جاہل مت بنو، پس تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تدبیر و اختیار کا ترک کرنا بڑی ضروری چیز ہے جس کو اہل یقین لازم سمجھتے ہیں اور عبادت والے اس کو طلب کرتے ہیں اور بڑی شریف چیز ہے جس کے ساتھ اہل معرفت آراستہ ہوتے ہیں، میں نے خانہ کعبہ کے روبرو ایک عارف سے پوچھا کہ آپ کی واپسی کس طرف کو ہو گی، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک عادت ہے کہ میرا ارادہ میرے قدم سے تجاوز نہیں کرنے پاتا۔ ف مطلب یہ کہ ارادہ بالکل مقدم نہیں ہوتا۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں مجھ کو دونوں گھروں میں کچھ بھی تمیز نہ ہو کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا پس یہ حال ہوتا ہے اس شخص کا جس کے اختیارات اور ارادے محو ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے آگے اس کی کچھ مراد نہ رہی ہو، جیسے بزرگان پیشین سے کسی کا قول ہے کہ میری خواہش تقدیر الٰہی کے مقام میں ہے ابو حفص حداد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور جس حالت کی طرف منتقل کیا اس سے ناخوش نہیں ہوا اور ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے یہ خواہش کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ خواہش نہ رہے تاکہ خواہش کی چیز ترک کر دوں مگر کوئی چیز خواہش کی نہیں ملتی ف جس کے ترک کے لیے مٹی خواہش کی خواہش کروں مت پس یہ وہ لوگ ہیں جن کی رعایت و حمایت خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ

یعنی میرے خاص بندوں

لَاّمَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ؕ پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقامِ عبودیت کے ساتھ ان کا متحقق ہونا ربوبیت کے آگے ان کا اختیار نہیں ہونے دیتا اور نہ گناہ کرنے دیتا نہ کسی عیب میں آلودہ ہونے دیتا ہے۔ اور فرمایا[2] حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بیشک بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو اللہ پر یقین لائے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں پس جن قلوب میں شیطان کا قابو نہ چلے اس میں وسوسۂ تدبیر اور اس سے قلب کا مکدر ہونا کدھر سے آوے گا اور اس آیت میں اس کا بھی بیان ہے کہ جو شخص ایمان اور توکل کو ٹھیک کرے اس پر شیطان کا بس نہیں چلتا، کیونکہ شیطان دو طرح سے آتا ہے یا تو عقائد میں شک ڈال دیتا ہے یا مخلوق کی طرف مائل کر کے اس پر اعتماد کراتا ہے، شک کی نفی تو ایمان سے ہو گئی اور اعتماد علی الخلق کی نفی توکل سے ہو جائے گی۔

تنبیہ جاننا چاہیئے کہ مومن کو کبھی تدبیر سے خطرات آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں چھوڑتا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا[3] نہیں سُنا کہ اللہ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے طرف نور کے، پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ اہلِ ایمان کو ظلماتِ[4] تدبیر سے انوارِ تفویض[5] کی طرف لاتا ہے

---

[1] یعنی شیطان کا [2] آیت یہ ہے انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربھم یتوکلون ۱۲ مترجم

[3] آیت یہ ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ۱۲ مترجم [4] اسباب کے گورکھ دھندوں [5] حکم الٰہی کے سامنے گردن رکھنے۔

اور استقلالِ[۱] حق کو اضطرابِ باطل[۲] پر غالب کرتا ہے پس وہ اس باطل کے ارکان[۳] کو ہلا دیتا ہے اور اس کی عمارت کو گرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۴] بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پس وہ اس کا مغز توڑ دیتا ہے اور وہ باطل جاتا رہتا ہے، اور مومنین پر اگرچہ اضطراب و تدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر وہ گذرتے چلے جاتے ہیں، ان کو ثبات نہیں ہوتا اور مضمحل ہو جاتے ہیں، ان کا وجود نہیں رہتا، کیونکہ نورِ ایمان ان کے دلوں میں ٹھہر گیا ہے اور اس کے انوار نے ان کے سرکش نفوس کو دبا دیا ہے اور اس کی چمک نے ان کے قلوب کو بھر دیا ہے اور اس کی روشنی نے ان کے سینے کھول دیئے ہیں، پس ایمان جو ان کے دلوں میں جا ٹھیرا ہے وہ اور کو نہیں بسنے دیتا بلکہ کبھی کچھ اونگھ سی ہو جاتی ہے جس میں تدبیر کی خیالی صورت کا آنا ممکن ہے، پھر ان کے دل جاگ اٹھتے ہیں، وہ خیالی صورت جو ایک خواب سی تھی جاتی رہتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ — یعنی جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب کوئی شیطانی خیال ان کو آ چھوتا ہے وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں، پس اسی وقت سوجھ والے ہو جاتے ہیں۔

ف مصنف کی قراءت طیفٌ بروزن ضیفٌ ہے فائدہ دہم سے معلوم ہوتا ہے

اور اس آیت میں چند فوائد ہیں:

۱ے حق تعالیٰ کی رضا پر کلیتہً راضی رہنے کو ۲ے اسباب و تدبیر کی پریشانیوں ۳ے بنیادوں ۴ے آیت یہ ہے بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ۱۲ مترجم

فائدہ اوّل إِذَا مَسَّهُمْ الخ سے معلوم ہوا کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے اس میں ان کی ودیعت[1] ایمان بتلانا منظور ہے جو ان کے قلب میں رکھی گئی ہے ف وجہ معلوم ہونے کی یہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرماتے کہ جب ان کو خیال چھوتا ہے اس فرمانے سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے نہ تھا پھر آ چھوا۔ ت

فائدہ دوم إِذَا مَسَّهُمْ الخ فرمایا جس کے معنی ہیں چھونا اَمْسَكَهُمْ یا اَخَذَهُمْ نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں پکڑنا، کیونکہ مَس کہتے ہیں چھو لینے کو جس کو ثبات و امتداد[2] نہ ہو، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خیالِ شیطانی ان کے دل میں جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا چھو جاتا ہے، کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ یہ کہ شیطان کفار پر تو غالب ہے اور اہلِ ایمان کے قلوب سے کچھ لے بھاگتا ہے، جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے سو جاتی ہے جب بیدار ہوتے ہیں تو قلوب میں سے استغفار و ذلت و احتیاج[3] الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں اور شیطان جو لے بھاگا تھا، سب اس سے واپس کرتے ہیں اور اس نے جو جھپٹا تھا اس سے چھین لیتے ہیں۔

---

[1] امانت [2] پائیداری اور باقی رہنا [3] اپنی پوری ہمت و کوشش و قوت کو خداوند قدوس کا محتاج اور اسی کے کرم کا بھکاری یقین کر کے اپنی تھوڑی سی غفلت پر بھی شرم و ندامت کو استغفار و ذکر کے آنسو بھگو کر نذر کرتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ ان کی اس توبہ اور ندامت کو قبول کر کے شیطان کے اثراتِ غفلت ان سے زائل کر دیتے ہیں، اور پھر ان کے قلوب ہمہ تن ہو کر ذاتِ حق کے جلووں میں غرق ہو جاتے ہیں۔

فائدہ سوم طیف کا لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں شیطان ان میں نہیں آسکتا کیونکہ طیف سونے ہی میں ہوتا ہے جو کبھی قلوب پر غفلت ہونے سے طاری ہوجاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

فائدہ چہارم طیف فرمایا اور جسم وارد یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں فرمایا کیونکہ طیف کو ثبات وجود واقعی نہیں ہوتا صرف ایک صورت مثالیہ بے حقیقت ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بتلا دیا کہ اس سے اہل تقویٰ کو ضرر[1] نہیں ہوتا کیونکہ شیطان نے جس چیز کو وارد کیا ہے وہ مثال طیف یعنی صورت خیالی کی ہے جو خواب میں دیکھے ہو جب جاگ اٹھے اس کا کچھ بھی وجود نہیں

فائدہ پنجم تَذَكَّرُوا فرمایا ذکروا نہیں فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ غفلت کو خالی ذکر دفع نہیں کرتا جب تک دل متوجہ نہ ہو البتہ تذکر اور اعتبار یعنی نصیحت کو قبول کرنا اور عبرت پکڑنا اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو وجہ یہ کہ ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکر کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ زبان پر تو اس کی دفع کرنے والی چیز قلب ہی میں ہونی چاہیے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ تذکر ہے

فائدہ ششم تذکروا کا معمول حذف کر دیا یوں نہیں فرمایا۔ تَذَكَّرُوا الْجَنَّةَ یا تَذَكَّرُوا النَّارَ یا تَذَكَّرُوا الْعُقُوبَةَ یا مثل اس کے اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے مٹاتا ہے وہ علیٰ قدر مراتب متقین کے ہے اور مرتبۂ تقویٰ میں انبیاء اور مرسلین اور اولیاء اور صدیقین اور صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں ہر ایک کا تقویٰ اس کے مقام و حال کے مطابق ہے ایسا

---

[1] نقصان

ہی ہر ایک کا تذکرؔ اس کے مقام کے مناسب ہے، اگر تذکرؔ کی کسی خاص قسم کو ذکر فرماتے تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوا الْعُقُوْبَةَ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ تو جو لوگ ثواب سے تذکرؔ حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے تَذَكَّرُوْا سَابِقَ الْاِحْسَانِ یعنی یاد کرتے ہیں پہلے کے احسان کو تو جو لوگ پچھلے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے وعلیٰ ہذا القیاس، پس حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس کا کوئی خاص معمول ذکر نہیں فرمایا تاکہ تمام مراتب کو شامل ہو جاوے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

فائدہ ہفتم تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ فرمایا یوں نہیں کہا تذکروا فابصروا یا تذکروا ثم ابصروا یا تذکروا وابصروا ، لیس واؤ سے تو اس لئے تعبیر نہیں فرمائی کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار یعنی توجہ بسبب تذکر کے ہوئی، حالانکہ مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوا تاکہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو اور ثمؔ اس لئے نہیں لائے کہ ایک تو اس میں وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سبب نہ معلوم ہوتی، دوسرے اس سے مقصود ہی الٹ جاتا کیونکہ ثمؔ میں مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار تذکرؔ سے تاخیر نہیں کرتا بلکہ معاً تذکرؔ کے ساتھ ہی ابصار ہے ت اور صرف فا اس لئے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے ف یعنی یہ بھی خلافِ مقصود ہے ت بلکہ فا کے ساتھ اذا بھی لائے اور یوں فرمایا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ گویا ہمیشہ سے صفت ابصار ہی پر رہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر کثرت احسان کو ظاہر فرماتا ہے مثلاً یوں کہو تذکر زید المسئلۃ فَاِذَا هِیَ صَحِیْحَةٌ ، یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا

تو وہ صحیح نکلا مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی جب وہ معلوم ہوا صحیح ہی۔ ایسے ہی اہلِ تقویٰ پہلے سے اہلِ ابصار ہیں لیکن طَیفٌ ہوی کے وارد ہونے نے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان میں جاگزین ہے چھپا ڈالا تھا پس وہ جھٹکے ابر غفلت ہٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا

فائدہ ہشتم اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں ہیں ان میں اہلِ تقویٰ پر بڑی وسعت ہے اور اہلِ ایمان کے ساتھ بڑا لطف ہے کیونکہ اگر یوں فرماتے ان الذین اتقوا لا یمسھم طیف من الشیطان یعنی اہلِ تقویٰ کو کبھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں تو بجز معصوموں کے فرقہ وہ انبیاؑ اور ملائکہ ہیں۔ ت سب خارج ہو جاتے پس اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرۂ رحمت کو وسیع کرے اس لئے یوں فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تاکہ تجھ کو معلوم ہو جاوے کہ طیف کا آنا ان کو حکم تقویٰ سے اور اُن پر اس نام کے جاری ہونے سے نہیں نکالتا جبکہ وہ جلدی سے تذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصر[1] کے ساتھ رجوع کریں اور اسی آیت کے مماثل[2] وسعتِ[3] رجاء میں دوسری یہ آیت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ — یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو
وَيُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ ۝ — اور پاک ہو جانے والوں کو پیار کرتا ہے

اور یوں نہیں فرمایا کہ اِنَّ اللہ یحب الذین لا یذنبون کہ اللہ تعالیٰ گناہ نہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، کیونکہ اگر ایسا فرماتے تو تھوڑے سے لوگ داخل

[1] بصارت یعنی دل سے [2] جیسی [3] خدا کی رحمت سے پوری طرح فائدہ عہ شیطانی اثر سکا ۱۲

ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ بندوں کی ترکیب[1] میں غفلت رکھی گئی ہے، اور جو خلاف ورزی مادّۂ انسانی کا مقتضا ہے کیونکہ مختلف نطفوں سے بنا ہے، اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ۝	یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے ہلکا بوجھ کرے اور آدمی بہت کمزور پیدا ہوا ہے۔

اور بعض اہلِ علم نے یوں تفسیر کی ہے یعنی غلبۂ شہوت کے وقت اپنا اختیار میں نہیں رہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

ھُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ ۔	یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جبکہ پیدا کیا تم کو زمین سے اور جبکہ تم ماں کے پیٹ میں بچے تھے۔

چونکہ معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لئے بابِ توبہ کو کشادہ[2] فرمایا اور لوگوں کو اس کی راہ بتلائی اور اس کی طرف بلایا اور وعدہ فرمایا کہ توبہ کرو تو قبول کرینگے اور رجوع کرو تو متوجہ ہوں گے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کل ابن آدم خطاءٌ وخیر الخطائین التوابون یعنی تمام بنی آدم خطا وار ہیں اور اچھے خطا وار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں پس حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتلا دی کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے بلکہ تیرا عین وجود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے

وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا	یعنی ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی

---

[1] طبیعت [2] توبہ کا دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا۔ ع ہ م

فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

بے حیائی کر گذرتے ہیں یا اپنی جانو پر ستم کرتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، پس بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور خدا کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے اور ہٹ نہیں کرتے اپنے فعل پر اور وہ جانتے ہیں:۔

یوں نہیں فرمایا والذین لا یعملون الفاحشۃ یعنی بالکل گناہ ہی نہیں کرتے اور فرمایا:۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ ○

یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔

یوں نے نہیں فرمایا لا یغضبون یعنی غصہ ہی نہیں آتا۔ اور فرمایا:۔

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ

یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے

یوں نہیں فرمایا والذین لا غیظ لھم یعنی جن کو غصہ ہی نہیں، اس کو خوب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو یہ کھلے اسرار ہیں اور یقینی امور ہیں۔

فائدہ نہم۔ بیان مراتب متذکرین کا اہل تقویٰ سے ف کیونکہ تذکر ایک مفہوم عام ہے جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا، اپنی جمیع جزئیات کو شامل ہو گیا حق جاننا چاہیئے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آ پکڑتا ہے ان کو تقویٰ مولیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو مولیٰ

کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کا تذکرہ کئی قسم پر ہے بعض لوگ ثواب کو یاد کر لیتے ہیں بعض
عقاب کو بعضے حساب کے لئے کھڑے ہونے کو، بعضے ترکِ معصیت[1] کے بڑے ثواب
کو، بعضے احسانِ گذشتہ کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں بعضے مالبعد[2] کے احسان
کو یاد کر کے اس کے عوض[3] کفران کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعضے اللہ کا قرب یاد کرتے
ہیں۔ بعضے اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو یاد
کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرتے ہیں، بعضے لذت گناہ کا فانی ہو
اور اس کے مواخذے کا باقی رہنا یاد کرتے ہیں، بعضے نافرمانی کے وبال و رسوائی
کو یاد کر کے اس کو ترک کر دیتے ہیں، بعضے فرماں برداری کے فوائد و عزت کو یاد کر کے
اس راہ چلتے ہیں۔ بعضے اللہ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں۔ بعضے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور
سلطنت کو یاد کرتے ہیں علیٰ ہذا القیاس جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہو سکتا ہے اور ان
کا حصر نہیں ہے ہم نے اتنا بھی اس واسطے کہہ دیا کہ اہل تقویٰ کے احوال سے تجھ کو کچھ مناسبت
ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو خوب سمجھ لو۔

فائدہ دہم ہو سکتا ہے کہ آیت میں مراد طیف سے وسوسہ و خطرہ نفسانی ہو جو
شیطان کے القا سے آ جاتا ہے ف اور تقریر گزشتہ میں طیف سے مراد صورت خیالی
تھی جو خواب میں نمودار ہوتی ہے ف اس خطرے کو طیف اس واسطے کہا کہ یہ قلب میں
طواف کرتا ہے، دوسری قرارت سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِف
ف بروزن خائف ف پس ایک قرارت دوسری قرارت کی مفسر بن جائے گی۔
اور وسوسہ قلب کے گرد گھومتا ہے اگر دیوار یقین کے کسی رخنے سے اس کو رستہ مل گیا

[1] گناہ چھوڑنے [2] باقی ماندہ زندگی میں ہونے والے [3] احسان کے بدلے میں محسن کی نافرمانی [4]
دعلہ

تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ چلد یتا ہے اور مثال مقاماتِ یقین اور نور یقین کی جو ان مقامات کو محیط ہے ایسی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں کہ شہر اور قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں پس دیواریں تو انوار ہیں اور قلعہ جات مقاماتِ یقین ہیں کہ شہرِ قلب کو گھیرے ہوئے ہیں، پس جس شخص کے قلب کو دیوارِ یقین گھیرے ہوئے ہے اور اس نے مقاماتِ یقین کو کہ مثل قلعہ کے نوری احاطے ہیں درست کر لیا اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں اور اس کے گھر کہیں اس کا ٹھکانا نہیں، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا نہیں سنا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ط — یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

یعنی چونکہ انھوں نے عبودیت کو ٹھیک کر لیا اس لئے نہ وہ میرے حکم سے منازعت کرتے ہیں نہ میری تدبیر میں معارضہ کرتے ہیں بلکہ مجھ پر توکل کرتے ہیں اور اپنے کو میرے حوالے کرتے ہیں، اسی واسطے اللہ تعالیٰ ان کی رعایت و نصرت اور حمایت فرماتا ہے اور انھوں نے اپنی ہمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کو سب سے کافی ہو گیا کسی عارف سے پوچھا گیا تمہاری شیطان کے ساتھ مجاہدے کی کیا کیفیت ہے جواب دیا شیطان کون بلا ہے، ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی تمام ہمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیں اس نے سب سے ہماری کفایت فرمائی ف یعنی ہم کو مجاہدے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ نمٹ لیتا ہے ت میں نے اپنے شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ط — یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو۔

پس بعض لوگ تو اس خطاب سے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن سے شیطان کے ساتھ عداوت کرنا مطلوب ہے انھوں نے اپنی تمامی ہمتیں اس میں مصروف کر دیں اُس نے اُن کو محبوب کی محبت سے غافل کر دیا اور بعض لوگ یوں سمجھے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے یعنی اور میں دوست ہوں ۔ فان الاشیاء تعرف باضدادہا حاصلت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے کافی ہو گیا، بعلکہ کے اس عارف کی حکایت بیان فرمائی یہ لوگ اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ اس واسطے کہ یہ لوگ غیر اللہ کے لئے کچھ تصرف دیکھتے ہوں اور وہ لوگ غیر اللہ کے لئے کیسے تصرف دیکھ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہوئے سنتے ہیں ۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ ط — یعنی بات کسی کی نہیں چلتی سوائے اللہ کے اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ہ — یعنی شیطان کا داؤ بالکل بودا ہے ۔

اور فرمایا :۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ ط — یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا ۔

اور فرمایا :۔ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی — یعنی شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو یقین رکھتے ہیں اور

سے یعنی حق تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تم شیطان کی دشمنی میں اپنی ہمتیں اور کوششیں صرف کرو یہ سمجھ کر وہ اسی میں لگ گئے، اور اس طرح وہ لوگ حق تعالیٰ کی طلب رضا سے غافل ہو گئے ۱۲

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ — اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں

اور فرمایا:- وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط — یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے۔

اور فرمایا:- اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط — یعنی اللہ اہلِ ایمان کا دوست ہے نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے طرف نور کے۔

اور فرمایا:- وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ — یعنی ہمارے ذمے پر ہے حمایت کرنا ایمان والوں کی۔

پس ان آیتوں نے اور جو ایسے مضمون کی ہیں مومنین کے قلوب مضبوط کر دیئے اور ان کی کھلی مدد کی پس اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس[عہ] کے فرمانے سے اور اگر نورِ ایمان سے اس پر غالب ہوتے ہیں تو اس کی حمایت سے اور اگر اس کے فریب سے سالم رہتے ہیں تو اس کی تائید و احسان سے، شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حالتِ سیاحی میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ کو وصیت کی اور کہا کہ توفیق اعمال کے لئے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ سے بڑھ کر کوئی گفتار نہیں اور اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی پناہ لینے سے بڑھ کر کوئی کردار نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے وہ سیدھی راہ چلا جاتا ہے، پھر کہا کہ بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے مدد چاہتا ہوں فَرَرْتُ اِلَى اللّٰهِ یعنی بھاگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ یعنی میں نے اللہ کی پناہ لی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی گناہ سے بچنا اور عبادت پر قوت ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. یعنی

عہ حق تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے بسم اللہ زبان کا قول ہے جو قلب سے صادر ہوا نُوَدِّتُ اِلَی اللّٰہِ وصف روح اور سر کا ہے اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰہِ وصف عقل اور نفس کا ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وصف ملکوت اور عالم امر کا ہے وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ف اس کلام میں اشارہ ہے طرف لطائف اور ان کے آثار کے دت یارب شیطان کے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں بیشک شیطان کھلا بہکانے والا دشمن ہے پھر شیطان سے خطاب کر کے کہا اللہ تعالیٰ کا علم تیرے حق میں یہی ہے کہ تو عاد و مضل مبین ہے اور میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں، اور تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے پناہ نہ چاہتا تیری حقیقت ہی کیا ہے جو تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہوں۔ ف یعنی اللہ تعالیٰ تو بڑا غالب قدرت والا ہے کسی سخت چیز سے اس کی پناہ مانگیں تو ہو سکتا ہے تو بیچارہ کیا چیز ہے دت پس تو نے سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو کہ شیطان کی ان کے دلوں میں اتنی بھی قدر نہیں کہ اس کی طرف قدرت وارادے کو منسوب کریں

حکمت تخلیق شیطان

اور بھید حکمت کا ایجاد شیطان میں یہ ہے کہ وہ ایک مظہر ہے جس کی طرف نسبت عصیان اور وجود کفران وغفلت ونسیان کو منسوب کیا جائے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا دَمَا اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ یعنی یوشع علیہ السلام بولے کہ مجھ کو وہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور فرمایا ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی موسیٰ علیہ السلام بولے کہ قبطی کا خون شیطان کے عمل سے ہوا، پس راز حکمت اس کے ایجاد میں یہ ہوا کہ ایسی نسبتوں کا میل کچیل اس سے پونچھا جائے، اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے

کہ شیطان اس عالم کی ایک صافی ہے کہ تمام گناہوں اور زشت وناپاک اعمال کا میل اس سے پونچھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا کہ معصیت نہ ہو تو ابلیس کو پیدا[ا] نہ کرتا اور شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شیطان مثل نر کے اور نفس[۲] مثل مادہ کے اور دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسے ماں باپ کے درمیان بچے کا پیدا ہونا، یہ نہیں کہ ماں باپ نے بچے کو ایجاد کیا بلکہ ان سے بچے کا ظہور ہوا مطلب شیخ کے اس کلام کا یہ ہے کہ جیسا کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں کہ بچہ ماں باپ کا پیدا کیا ہوا اور ایجاد کیا ہوا نہیں مگر چونکہ ان دونوں سے اس کا ظہور ہوا، اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی طرح کسی مومن کو اس میں بھی شک نہیں کہ معصیت نفس و شیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ ان سے اس کا ظہور ہوا ہے اسی وجہ سے ان کی طرف معصیت کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت اضافی واسنادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقی وایجادی ہے، جیسا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے طاعت کو پیدا کرتا ہے ایسا ہی اپنے عدل سے معصیت کو پیدا کرتا ہے خود ارشاد ہوا ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَا	یعنی اے محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
لِهٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ	کہدو کہ سب خدا ہی کی طرف سے ہے۔ پس
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝	ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات نہیں سمجھتے

[۱] پس ظہور غفار و ستار کا اس سے ہوا اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ مقصود ہے، حاشا وکلا وہ تو یقیناً ممنوع ہے بلکہ مقصود بیان حکمت الٰہی ہے ۱۲ ملفوظ شریف [۲] مراد نفس سے نفس امارہ ہے، اور بعض نے نفس کو بادشاہ اور شیطان کو وزیر کہا ہے۔ ۱۲ ملفوظ شریف۔

اور فرمایا:۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ — یعنی اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے

اور فرمایا:۔ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ — یعنی کیا سوائے اللہ کے اور بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

اور فرمایا:۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ۝ — یعنی کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو

اور آیت کمر شکن اہل بدعت کی جو دعوی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ طاعت کا خالق ہے، اور معصیت کا خالق نہیں یہ ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ — یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

ف بلفظِ ما عام ہے طاعت و معصیت دونوں کو شامل ہے اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ — یعنی اللہ تعالیٰ بری بات کا امر نہیں فرماتا۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ امر اور ہے اور قضا اور ہے ف یعنی امر کہتے ہیں حکمِ تشریعی کو اور قضا کہتے ہیں حکمِ تکوینی کو اس آیت سے نفی امر کی ہوئی اور اہلِ سنت مدعی قضا کے ہیں ت اگر وہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ — یعنی جو بھلائی پہونچے تجھ کو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہونچے وہ تیری طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو ادب سکھانا مقصود ہے پس ہم کو حکم ہے کہ اچھی چیزیں اس کی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ اس کے وجود حق کے لائق یہی ہے اور بری چیزیں اپنی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ ہمارے وجود باطل کے مناسب یہی ہے یہ حسن ادب ہے

قصۂ حضرت خضر علیہ السلام

جیسا خضر علیہ السلام نے فرمایا فَاَرَدْتُّ[1] اَنْ اَعِیْبَهَا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا یعنی کشتی کے توڑنے میں تو یوں کہا کہ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور بنائے دیوار کے قصے میں یوں کہا کہ تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم اپنی بلوغ تک پہنچ جاویں ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ۙ یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام نے یوں نہیں کہا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّعِیْبَهَا یعنی تیرے رب نے اس کشتی کو عیب دار کرنا چاہا جیسا یتیموں کے قصے میں کہا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا پس عیب کو اپنی طرف منسوب کیا اور اچھی بات کو اپنے مولیٰ کی طرف ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا واذا امرضنی فهو یشفینی یعنی جب مجھ کو بیمار کرتا ہے تو شفا کر دیتا بلکہ یوں فرمایا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ[2] پس مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اپنے رب کی طرف باوجودیکہ مرض کا خالق اور فاعل حقیقی وہی ہے پس معنی مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کے یہ ہیں کہ بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی از روئے خلق و ایجاد کے اور وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط کے یہ معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی از روئے

[1] یہ مقام قرب نوافل ہے ۱۲ ملفوظ شریف [2] یہ مقام قرب فرائض ہے ۱۲ ملفوظ شریف

اضافت و اسناد کے جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ﴿الخیر بیدیک والشر لیس الیک﴾ یعنی خیر تو تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو معلوم تھا کہ خالق خیر و شر اور نفع و ضرر کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تعبیر میں ادب کی رعایت کی اور یوں فرمایا ﴿الخیر بیدیک والشر لیس الیک﴾ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا خوب سمجھ لے اگر وہ لوگ یہ اعتراض کریں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ معصیت کے پیدا کرنے سے بھی پاک ہے کیونکہ معصیت قبیح ہے، اور اللہ تعالیٰ قبائح کے پیدا کرنے سے پاک ہے ہم جواب دیں گے کہ معصیت بندے کے اعتبار سے فعل قبیح ہے کیونکہ حکم کی مخالفت ہے وجہ یہ کہ قبح خود فعل منہی عنہ کی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ بسبب تعلق نہی کے اس فعل میں قبح ہو جاتا ہے جیسا حسن کہ فعل مامور بہ کی ذات سے متعلق نہیں ہوتا بسبب تعلق امر کے ہو جاتا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ ف اور حق تعالیٰ کی اعتبار سے وہ ایک مخلوق ہے کہ اس نسبت میں حسن و قبیح دونوں مساوی ہیں ؎

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست ... چوں بما نسبت کنی کفر آفت ست

ف پھر اہل بدعت نے جو اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہ کی ہے کہ معاصی کے پیدا کرنے سے وہ منزہ ہے اس تنزیہ سے اس کی تنزیہ کرنا واجب ہے یعنی جب وہ یوں کہیں کہ برتر ہے اللہ اس امر سے کہ معصیت کو پیدا کرے ہم مقابلہ میں کہیں گے برتر ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے کہ اس کے ملک میں بدون اس کے ارادے کے کوئی چیز ہو جائے ف یعنی اگر معصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کے خلاف ارادہ دوسروں کا تصرف چل سکتا ہے تو یہ عین نقصان ہے سچ ہے ؎

دوستی بے خبر چون دشمنی ست ... حق تعالیٰ زین چنین خدمت غنی ست

دست خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ ہم تم کو سیدھی راہ چلائے اور دین راست پر اپنے فضل
سے قائم رکھے۔

تقریر و بیان جس میں فتح اغار تدبیر و منازعت تقدیر کا ذکر ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ
سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
اور فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور فرمایا مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ
هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اور فرمایا فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا اور فرمایا فَاِنْ حَآجُّوْكَ
فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ اور فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اور فرمایا وَمَنْ
يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
اور فرمایا تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ اور فرمایا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ
اور بہت آیتیں اس مضمون کی ہیں تو اب سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کا اس طرح بار بار جگہ جگہ ذکر کرنا
اس کی عالی قدری اور عظمت شان کی دلیل ہے

حقیقی اسلام اور مسلم

اور اسلام کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ظاہر تو
اس کا اللہ کے احکام کا بجالانا ہے اور باطن منازعت
نہ کرنا پس اسلام بدن کا حصہ ہے اور منازعت نہ کرنا اور اپنے کو حوالہ کر دینا قلوب
کا حصہ ہے پس اسلام مثال صورت کے ہے اور استسلام اس صورت کی روح

ہے پس اسلام تو ظاہر ہے اور استسلام اس ظاہر کا باطن ہے پس مسلم حقیقی وہ شخص ہے جو اپنے کو اس کا مطیع بنائے ظاہر میں اس کے امتثال امر سے اور باطناً اس کی حکومت کے آگے گردن جھکا دینے سے اور حقیقت مقام استسلام کی یہ ہے کہ منازعت احکام الٰہیہ سے بعید ہو جائے اور اپنے کو حل و عقد میں اسی کے سپرد کر دے پس جو شخص دعویٰ کرے گا اسلام کا مطالبہ کیا جاوے گا استسلام کا اس سے کہو کہ دلیل[1] لاؤ اگر سچے ہو۔

قصہ ابراہیم علیہ السلام

تم کو معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے جب پروردگار نے فرمایا[2] اسلام لاؤ وہ بولے میں اسلام لایا واسطے رب العالمین کے پس جب ان کو ڈھیکلی میں بٹھلایا گیا ملائکہ نے شور مچایا اے رب جلیل یہ تیرا خلیل ہے اس پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے تو خوب جانتا ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا حکم ہوا اے جبرائیل ان کے پاس جاؤ اگر تم سے مدد چاہیں مدد کرو اور نہیں تو میں جانوں اور میرا خلیل جانے جب جبرائیل علیہ السلام فضائے ہوا میں ان کے پاس آئے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے فرمایا تم سے تو نہیں ہے ہاں اللہ سے ہے جبرئیل علیہ السلام نے کہا پھر دعا کرو فرمایا اس کو میرا حال معلوم ہونا دعا سے بس[3] کرتا ہے پس غیر اللہ کی انھوں نے مدد نہ چاہی، نہ ان کا قصد غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا بلکہ حکم الٰہی کے آگے گردن جھکا دی۔ بجائے

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف قل ھاتو برھانکم ان کنتم صٰدقین ۱۲ مترجم [2] آیت یہ ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین [3] روکتا ہے۔

اپنی تدبیر کے اللہ کی تدبیر پر اور بجائے اپنی نگہبانی کے اللہ کی نگہبانی پر اور بجائے اپنی دعا کے اللہ کے علم پر اکتفا کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ جمیع احوال میں اُن پر مہربان ہے پس خدائے تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اس قول سے۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى — یعنی ایسے ابراہیم جنھوں نے اپنا قول پورا کیا

اور ان کو اس آگ سے بھی نجات دی جس کی خبر خود دیتے ہیں

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا — یعنی ہم نے حکم کیا کہ اے آگ ہو جا

وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ — ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔

اہل علم نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لفظ سلاماً نہ فرماتے تو ایسی سرد ہو جاتی کہ ہلاک کر دیتی پس وہ آگ بجھ گئی۔ اہل سیر نے کہا ہے کوئی آگ مشرق و مغرب میں نہ تھی جو بجھ نہ گئی ہو ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ شاید مجھ کو خطاب ہے بعضے علماء نے کہا ہے کہ صرف بیڑیاں اس آگ سے جل گئیں۔

فائدہ جلیلہ ابراہیم علیہ السلام کا جواب دیکھنے کے قابل ہے کہ جب ان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو یوں فرمایا کہ تم سے حاجت نہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے حاجت نہیں کیونکہ مقام رسالت و خلّت کا مقتضی یہ ہے عبودیت صرفہ بجا لاوے اور مقام عبودیت کے لوازم سے یہ ہے کہ اللہ کی طرف حاجت ظاہر کرے اور احتیاج کے ساتھ اس کے روبرو کھڑا ہو اور اس کے ماسوا سے قصداً اٹھالے پس یہی جواب مناسب تھا کہ تم سے حاجت نہیں یعنی اللہ کا تو محتاج ہوں مگر تمہارا نہیں پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں دونوں باتیں جمع کر دیں اللہ کی طرف احتیاج کا ظاہر کر

کرنا اور ما سوا[1] سے قصد اٹھا دینا۔

ایک شبہ کا جواب

اور وہ بات نہیں جو بعض لوگوں نے کہی ہے کہ صوفی صوفی نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کو اللہ سے بھی حاجت نہ رہے اور یہ کلام مقتدا اور اہلِ تکمیل کی شان کے لائق نہیں اگرچہ تاویل اس کی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ صوفی کو یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی سب حاجتیں پوری فرما چکا ہے تو جو حاجت ہے وہ ازل میں پوری ہو چکی ہے اور حاجت کی نفی سے احتیاج کی نفی لازم نہیں آتی ف حاصل یہ کہ بندے کو اللہ کی طرف احتیاج ضرور ہے خواہ حاجت پوری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور قائل مذکور نے حاجت کی نفی کی ہے نہ کہ احتیاج کی جو کہ لوازم عبدیت سے ہے۔

ت اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ وہ خود اللہ کو طلب کرتا ہے کوئی حاجت اس سے طلب نہیں کرتا اور بڑا فرق ہے اس میں جو خود اللہ کا طالب ہو اور جو اللہ سے طالب ہو اور تیسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ رہے مطلب یہ کہ اس نے ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دیا اور اس کے آگے گردن جھکا دی پس اس کی مراد وہی ہے جو اللہ کی مراد ہے ف یعنی اپنی طرف سے کچھ حاجت نہیں مانگتا بوجہ غلبۂ مقام رضا کے

دوسرا فائدہ جلیلہ

جب جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا تم کو کچھ حاجت ہے اور انھوں نے جواب دیا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے بعض بزرگوں کا قول ہے

---

[1] اللہ کے علاوہ اور سب سے

کہ اس جواب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام سمجھے کہ مجھ سے مدد نہ چاہیں گے اور ان کا قلب بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو مشاہدہ نہیں کرتا اس واسطے عرض کیا کہ اچھا اسی سے سوال کرو یعنی اگر آپ نے یہ بات لازم ٹھیرا رکھی ہے کہ وسائط سے کچھ نہ چاہوں گا اور اس وجہ سے مجھ سے مدد نہیں چاہتے تو اپنے رب ہی سے سوال کرو کیونکہ وہ آپ کے ساتھ مجھ سے زیادہ نزدیک ہے ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا حال اس کو معلوم ہونا میرے مانگنے سے کفایت کرتا ہے مطلب یہ کہ میں نے جو غور کرکے دیکھا تو اس کو اپنے ساتھ سوال سے بھی زیادہ نزدیک پایا اور سوال کو وسائط سے دیکھا اور میں سوا اس کے کسی چیز سے تمسک کرنا نہیں چاہتا دوسرے یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے پھر سوال کرکے یاد دلانے کی حاجت نہیں اور اس سے رعایت نہ فرمانے کا احتمال نہیں اس لئے میں نے سوال سے علم الٰہی پر اکتفا کیا اور یقین کرلیا کہ وہ مجھ کو اپنے لطف سے کسی حال میں نہ چھوڑے گا۔ یہی ہے اکتفا کرنا اللہ تعالیٰ پر اور ادا کرنا کلمۂ حسبی اللہ کے حقوق کا۔

شیخ کا مقولہ اور ہمارے شیخ ابوالعباسؒ فرماتے تھے اس آیت کی تفسیر میں وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی کہ ابراہیم نے پورا کر دیا حسبی اللہ کے مقتضا کو یعنی جبرئیلؑ کے جواب میں جو فرمایا حسبی اس پر جمے رہے اور کسی پر نظر نہیں کی اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ کھانا دیا مہمان کو اور بیٹا دیا قربان ہونے کو اور بدن دیا آتشِ سوزاں کو اس پر اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی آلآیہ

انسان کی خلافتِ الٰہی جاننا چاہیئے کہ جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے

فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یعنی آدمؑ اور اولادِ آدمؑ فرشتوں نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو زمین میں پیدا کرتے ہیں جو اس میں خونریزی و فساد کرے گا اور ہم تسبیح و تحمید و تقدیس کرتے ہیں یعنی ہم کو خلیفہ بنا دیجیے سو جواب ارشاد ہوا کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ تم نہیں جانتے پس ابراہیم علیہ السلام کا جبرئیل علیہ السلام سے مدد نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں پر بڑی بھاری حجت ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں جنھوں نے آدمی پر اعتراض کیا تھا کہ یہ فساد و خونریزی کریں گے تم نے میرے بندے ابراہیم کو کیسا دیکھا اس سے اس قول کی شرح ہو گئی کہ ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے حدیث شریف[1] میں آیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوبت بہ نوبت آتے ہیں فرشتے رات میں اور دن میں جو فرشتے کو دنیا میں رہے تھے وہ آسمان پر پہونچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ ہم جب گئے تھے جب بھی نماز پڑھ رہے تھے یعنی عصر کی ت اور جب چھوڑ کر آئے ہیں جب بھی نماز پڑھ رہے تھے ف یعنی فجر کی کیونکہ بدلی انھیں دو[2] وقت میں ہوتی ہے ف شیخ ابو الحسن رح نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے کی یہ معنی ہیں کہ اے معترضین تم نے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ پس جبرئیل علیہ السلام کے بھیجنے سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ خلیل علیہ السلام کا رتبہ اور شرف

---

[1] الفاظ حدیث یہ ہیں یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار فیصعد الذین باتوا فیکم فیسألہم وھو اعلم کیف ترکتم عبادی فیقولون اتیناھم وھم یصلون وترکناھم وھم یصلون ۱۲ تنویر

وعظمت شان ملائکہ کے آگے ظاہر کردیں اور بھلا ابراہیم علیہ السلام کیسے کسی غیر سے مدد چاہتے وہ تو اسی کو دیکھتے تھے اور کسی کا مشاہدہ نہ کرتے تھے اور خلیل کو خلیل اسی واسطے کہتے ہیں کہ اُن کے خلل قلب میں یعنی رگ و ریشہ ہیں اللہ کی محبت اور عظمت اور احدیت سما گئی تھی کسی غیر کی گنجائش نہ رہی تھی، جیسے کسی کا قول ہے ؎

مثل جاں مجھ میں ہو گیا پیوست ہے اسی سے خلیل نعت تری
بولتا ہوں تو ہے تو میرا کلام! روزہ رکھوں تو تشنگی ہے مری

تنبیہ جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ' و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو نور رضا سے منبسط[1] کردیا تھا اور ان کو روح التسلام عطا فرمائی تھی اور ان کے قلب کو نظر الی الخلق[2] سے محفوظ رکھا تھا پس آگ اسی واسطے ان پر سرد و سلامتی ہو گئی کہ ان کا قلب اطاعت کے ساتھ اللہ کے سپرد ہو گیا پس استسلام سے رہے سلامت اور باطن مقام کے ٹھیک کرنے سے ہوئی یہ عزت و کرامت پس یہاں سے مومن کو سمجھنا چاہیے کہ جو مواقع امتحان میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خار کو گل اور خوف کو امان کر دیتا ہے پس جب شیطان تجھ کو منجنیق امتحان میں پھینکنا چاہے اور کائنات تیرے روبرو آکر دریافت کرے کہ تجھ کو کچھ حاجت ہے یہی جواب دینا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے

---

[1] فراخ، کشادہ، منور

[2] اللہ کے سوا کسی کے بھی طرف دیکھنے سے ۱۲

اگر کائنات یہ کہیں کہ اللہ ہی سے سوال کرلے اس کا جواب دینا کہ اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے، اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آتشِ دنیا کو سرد و سلامتی کردے گا اور منت و کرامت تجھ کو عطا فرمادے گا کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انبیا اور مرسلین کے ذریعہ سے ہدایت کے رستے کشادہ کئے ہیں پس اہل ایمان ان کی راہ چلے اور اہلِ یقین نے ان کی پیروی کو لازم جانا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ

یعنی کہدو اے محمدؐ یہ میرا راستہ ہے بُلاتا ہوں اللہ کی طرف، میں بھی سُوجھ والا ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی۔

اور یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کی اور غم سے نجات دی اور اہل ایمان کو ہم یونہی نجات دیا کرتے ہیں

یعنی جو اہلِ ایمان قدم بقدم یونس علیہ السلام کے چلتے ہیں اور ان کے انوار کے مشتاق ہیں اور اللہ سے ذلت و احتیاج کے ساتھ مانگتے ہیں اور مسکنت اور انکسار کا لباس پہنتے ہیں ہم ان کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔

نتیجہ واقعۂ خلیل سے

براہیم علیہ السلام کے اس قصہ میں بیان ہے عبرت والوں کو اور ہدایت ہے بصیرت والوں کو اور وہ

یہ ہے کہ جو شخص اپنی تدبیر سے نکلتا ہے اللہ اس کے لئے بخوبی تدبیر کر دیتا ہے، دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ اپنی ذات کے لئے تدبیر و اہتمام نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالے کر کے اس پر توکل کیا انجام اس اطاعت کا سلامتی اور عزت اور تعریف کا باقی رہنا مدت گذر جانے پر ہوا اور ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی ملت سے خارج نہ ہوں اور ان کے نام رکھنے کا لحاظ رکھیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ

یعنی ملت اختیار کرو اپنے باپ ابراہیم کی، انھوں ہی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

پس جو شخص ابراہیمی ہو اس کو سزاوار ہے کہ اپنے لئے تدبیر کرنے سے بَری ہو اور اعتراض سے خالی ہو اور ملت ابراہیم سے وہی اعراض کرے گا جو سفیہ[۲] ہے اور ان کی ملت کو لازم ہے تفویض الی اللہ[۱] اور اطاعت فی احکام اللہ اور جاننا چاہیئے کہ مقصود اعظم یہ ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مراد باقی نہ رہے اور ہمارے اس مضمون میں اشعار ہیں ف جاننا چاہیئے کہ ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور بندے کو مخاطب قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے وہ اشعار یہ ہیں مت سے

چاہتا ہوں دے مراد اپنی بھلا ۔۔۔ رشد کا رستہ اگر ہے چاہتا۔

چھوڑ دے اپنا وجود اس کو نہ دیکھ ۔۔۔ تھام لے مضبوط حلقہ صبر کا!

---

[۱] یہ اشارہ ہے آیت وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الآیہ [۲] کمینہ، گندہ [۳] خدا کے سپرد ہو جانا۔

کب تلک مجھ سے ہی غفلت میں تو ہوں	تیری الفت اور رعایت میں سدا
کب تلک دیکھے گا مخلوقات کو	اور پھرے گا جنگلوں سر مارتا
میرے در کو چھوڑ جاتا ہے کہاں	راہ سے بے راہ کیوں تو ہو گیا
ہے قدیمی تجھ سے میری دوستی	عہدِ "قالُوا" حق میں میرے کر ہی ہوا
ہے ترا رب کوئی جس سے ہو امید	لے تجھے محشر کی سختی سے بچا
جس قدر مخلوق ہے عاجز ہے سب	کر رہا عاجز کو ہے عاجز ندا
مجھ سے سب مخلوق کو ہے گا قیام	"کُن" سے ہے ظاہر مظاہر کو کیا
میرے گھر میں اور میرے ملک میں	اعتماد اوروں پہ ہی تو نے کیا
چشمِ ایمان تیز کر اور دیکھ تو !!	خلق ساری ہوتی جاتی ہے فنا
ہے عدم سے راستہ سوئے عدم	تو بھی اس میں جائے گا بیشک چلا
تجھ پہ ہے خلعت مرا وہ مت اُتار	اور رُخِ امید خلقت سے ہٹا
میرے در پر لا امیدیں اپنی سب	مال تجھ سے کچھ نہیں میں مانگتا
دیکھ اپنی حیثیت اور رہ ذلیل	آرزو سب تیری آوے گی بر آ
بندہ بنجا۔ بندہ ہو جاتا ہے خوش	جو کہ مولےٰ نے اٹھا کر دے دیا
وصف سے اپنے مٹا دوں تیرا وصف	دوں عناد و جہل کی تجھ کو سزا
کیا تو میرے ملک میں ہے گا شریک	جو وضوحِ حق پہ بھی جھگڑا کیا
گر رسائی چاہے اس دربار کی	بس عدو ہو جا تو اپنے نفس کا
ڈوب بحرِ نیستی میں ہم کو دیکھ	بہرِ محشر ہم کو تو اپنا بنا
ہم سے کر بارانِ رحمت تو طلب	دیکھ پھر کرتے ہیں ہم احسان کیا

غیر سے مت کر ہدایت تو طلب ہے کوئی بتلائے تجھ کو راستہ؟

تدبیر کی قسمیں

جاننا چاہیئے تدبیر دو قسم کی ہے ایک تدبیر محمود، دوسری تدبیر مذموم، تدبیر مذموم تو وہ تدبیر ہے جس کا حظ تیری طرف لوٹ کر آوے ادائے حق اللہ کے لئے نہ ہو جیسے تدبیر کرنا کسی گناہ کی تحصیل میں یا کسی حظ نفسانی میں غفلت کے ساتھ یا کسی طاعت میں نمائش اور شہرت کے ساتھ اور مثل اس کے یہ تمام تر مذموم، یا تو اس وجہ سے کہ اس سے استحقاقِ عذاب[1] ہوتا ہے یا اس ... اس سے وقوعِ حجاب[2] ہوتا ہے اور جو شخص نعمتِ عقل کو پہچانے گا وہ اس کو ایسی تدبیریں صرف کرتے ہوئے شرمائے گا جو اس کو قربِ الٰہی تک نہ پہنچاتے اور ... کی محبت کا سبب نہ بن جاوے اور جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی منت[3] سے بندوں کو عطا فرمائی ہیں عقل ان سب میں افضل ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر دو چیزوں سے فضل فرمایا ایک[1] ایجاد اور دوسرا دوامِ امداد ف یعنی اول وجود عطا فرمانا پھر اس کو بقا دینا ت اور ہر مخلوق کے لئے ان دو نعمتوں کا ہونا ضرور ہے نعمت ایجاد[1] دو نعمتِ امداد[2] اور اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے قول کے معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ — یعنی میری رحمت سب چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

ف یہ وہی رحمت ہے جو مذکور ہوئی ہے ت لیکن چونکہ ان دو نعمتوں میں تمام مخلوق شریک تھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک کو دوسری سے امتیاز دے،

---

[1] عذاب کا مستحق [2] خدا کی ناراضگی کا سبب [3] احسان

تاکہ تعلقات ارادہ و مشیئت کی وسعت ظاہر ہو جاوے پس بعض موجودات کو تو صفتِ نمو[۱] سے ممتاز کیا جیسے نباتات و حیوانات و انسان پس بہ نسبت موجودات غیر نامیہ کے یعنی جن میں نمو نہیں ان تینوں میں قدرت کا زیادہ ظہور ہے ف کیونکہ ان میں ایک وصف یعنی نمو زیادہ ہے ت پھر چونکہ یہ تینوں وصف نمو میں شریک تھے حیوانات اور انسان کو حیات دے کر نباتات سے امتیاز دیا اب اس وصف میں حیوان اور آدمی شریک رہے تو بہ نسبت نباتات کے ان دونوں میں ظہور قدرت زیادہ ہوا اب یہ منظور ہوا کہ آدمی کو حیوان سے ممیز[۲] کرے پس اس کو عقل عطا فرمائی اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات پر بزرگی بخشی اور اس کی بدولت اپنی نعمت انسان پر کامل فرمائی اور عقل ہی کی افزونی اور روشنی سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں پھر اس نعمت عقل کا تدبیر دنیا میں صرف کرنا جو خدا کے نزدیک بالکل بے قدر ہے اس نعمت کی بڑی ناشکری ہے اور معاد کے اہتمام و اصلاح میں اس کو لگا دینا واسطے ادائے حق محسن[۳] کے کہ جس سے اس نور کا فیضان ہوا نہایت مناسب ہے پس اپنی عقل کو جو اللہ نے اپنی منّت سے دی ہے تدبیر دنیا میں مت صرف کر جس کے حق میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

الدنیا جیفۃ قذرۃ　　یعنی دنیا مردار گندی ہے

اور فرمایا رسول اللہ[۴] صلے اللہ علیہ وسلم نے ضحاک سے تمہاری غذا کیا؟

---

[۱] بڑھوتری [۲] ممتاز [۳] محسنِ حقیقی یعنی باری تعالیٰ کے احسانات کے شکریہ میں اسکی دی ہوئی نعمتِ عقل کو لگانا۔ [۴] حدیث یہ ہے قال صلے اللہ علیہ وسلم

عرض کیا کہ گوشت اور دودھ یا رسول اللہ فرمایا پھر وہ کیا ہو جاتا ہے عرض کیا یا رسول اللہ جو ہو جاتا ہے آپ جانتے ہیں فرمایا آدمی سے جو نجاست نکلتی ہے اس کو اللہ نے دنیا کے مثال بنا لیا ہے اور فرمایا[۲] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک اتنی بھی ہوتی جتنا مچھر کا پر تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔ اور جس شخص نے اپنی عقل کو دنیا میں جو ایسی گندی ناپاک ہے صرف کیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ نے کسی کو بڑی عظمت و شان کی ایک تلوار دی ہو اور رعایا کو دینا گوارہ نہیں کرتا اور اس واسطے دی کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرے اور اس کو باندھ کر آراستہ و مزین ہو یہ تلوار لینے والا مُردار لاشوں کی طرف چلا اور اُس تلوار سے ان کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کی چمک بے آب ہو گئی اور دھار کند ہو گئی اور اس کی خوبی و رونق جاتی رہی جب بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گی نہایت زیبا ہے کہ اس سے تلوار چھین لے اور اس کی بدکرداری پر سخت سزا دے اور اپنی توجہ و عنایت سے اس کو محروم کر دے اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دو قسم پر ہے ایک محمود دوسری مذموم۔ تدبیر محمود وہ تدبیر ہے جو تجھ کو اللہ سے نزدیک کرے جیسے یہ تدبیر کرنا

للضحاک ما طعامک قال اللحم واللبن یا رسول اللہ قال یعود الی ماذا قال الی ما قد علمت یا رسول اللہ قال فان اللہ جل ما یخرج من ابن آدم مثلا للدنیا ۱۲ تنویر [۲] حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت الدنیا وزن عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منہا شربۃ ماء ۱۲ تنویر

کہ مخلوق کے حقوق سے بری ہو جاوئں حقوق ادا کر کے یا معاف کرا کر اور توبہ کرنا خدائے تعالٰی سے اور اُن چیزوں کی فکر کرنا جو ہوائے نفسانی کو قلع قمع کر دیں جن سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور شیطان سے بچنے کی فکر کرنا جو لوگوں کو بہکاتا ہے اور یہ سب محمود ہے اس میں کوئی شک نہیں اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ ایک ساعت کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور دنیاوی تدبیر بھی دو طرح کی ہے ایک[1] تو دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کے لئے دوسری دنیا کی تدبیر کرنا اُخریٰ کے لئے اور دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کے لئے تو یہ ہے کہ اس کے اسباب و سامان جمع کرنے کی تدبیر کرے واسطے افتخار اور دولت بڑھانے کے اور جس قدر اس میں افزائش ہوتی ہے غفلت اور دھوکہ بڑھتا جاوے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بجا آوری احکام سے غافل کر دے اور نافرمانی کا باعث ہو جاوے، اور دنیا کی تدبیر آخرت کے لئے یہ ہے جیسے کوئی شخص تجارت اور پیشہ اور زراعت کی تدبیر اس نیت سے کرتا ہے کہ حلال روزی کھاوں گا اور فاقہ والوں کو اس میں سے دوں گا اور اپنی آبرو لوگوں سے بچاؤں گا اور جو شخص دنیا کو اللہ کے لئے طلب کرتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ زیادہ حاصل نہ کرے اور اندوختہ نہ رکھے لوگوں کے کام اس میں سے نکالتا رہے اہلِ حاجت کو اپنے پر مقدم رکھے۔

زہد کی علامتیں

اور زہد کی دو[2] علامتیں ہیں ایک علامت دنیا نہ ملنے کے وقت دوسری ملنے کے وقت، دنیا ملنے کے وقت

---

[1] حدیث یہ ہے فکرۃ ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ ۱۲ تنویر

تو زاہد کی پہچان یہ ہے کہ محتاجوں پر ایثار کرے اور نہ ملنے کے وقت یہ ہے کہ بےچینی نہ ہو پس ایثار تو نعمتِ وجدان کا شکر ہے اور راحت نعمتِ فقدان کا شکر ہے اور یہ ثمرہ فہم و عرفان کا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا جیسا دنیا کے ملنے میں انعام ہے اسی طرح نہ دینے میں بھی بلکہ یہ نعمت زیادہ کامل ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں دنیا کی مجھ سے دور رکھیں اس میں زیادہ نعمت بہ نسبت اس کے کہ مجھ کو عطا کیں۔

شیخ کا خواب شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ارشاد فرمایا کچھ خبر ہے دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی کیا پہچان ہے میں نے عرض کیا مجھ کو معلوم نہیں فرمایا دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی یہ پہچان ہے کہ ہوتے[1] میں خرچ کرے اور نہ ہوتے میں چین سے بیٹھا رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا مذموم نہیں بلکہ مذموم وہ ہے جو اپنے واسطے طلب کرے نہ رب کے واسطے اور دنیا کے لئے طلب کرے نہ آخرت کے واسطے پس دو قسم کے لوگ ہوئے، ایک[1] وہ شخص جو دنیا کو دنیا کے لئے طلب کرے دوسرا[2] وہ جو دنیا کو آخرت کے واسطے طلب کرے ف کسی مبتدی صوفی نے کسی کامل صوفی دولت مند سے کہا تھا ع

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

انھوں نے جواب میں فرمایا ع اگر دارد برائے دوست دارد

---

[1] جب خرچ کرنے کے لئے کچھ اپنے پاس موجود ہو۔

ت ہیں نے اپنے شیخ ابو العباس سے سنا فرماتے تھے عارف دنیا نہیں رکھتا کیونکہ اس کی دُنیا آخرت کے لئے ہوتی ہے اور آخرت رب کے لئے

صحابہؓ کی مبارک زندگی اور طلبِ دُنیا

اسی پر محمول کئے جائیں گے احوالِ صحابہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے جب کبھی وہ لوگ اسباب دُنیا میں داخل ہوئے اس سے ان کو اللہ کا قرب مقصود تھا اور اس کی رضا کے اسباب پیدا کرتے تھے دنیا اور اس کی لذت، اور نہ زینت مقصود نہ تھی حق تعالیٰ نے بھی ان کا یہی وصف فرمایا :-

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ج وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ز سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط

یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں دیکھے گا تو ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے ڈھونڈ رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کو ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدے کے اثر سے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا :-

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ

یعنی اللہ کا نور ان گھروں میں ہے

اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ	کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ وہ گھر
فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ	اونچے کئے جاویں اور ان گھروں
لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ	میں اس کا نام پاک ذکر کیا جاوے
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ	اس میں اللہ کی تسبیح صبح وشام
تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ	ایسے لوگ کرتے ہیں کہ غافل
ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ	نہیں کرتی ان کو سوداگری اور
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ	سوداسلف اللہ کی یاد سے اور
يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ	نماز کے قائم رکھنے سے اور
فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ	زکوٰۃ دینے سے ڈرتے ہیں

وہ لوگ ایسے دن سے کہ بدل جائیں گے اس میں قلوب اور نگاہیں،

اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے :۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا	یعنی ایسے لوگ کہ سچ کر دکھلایا
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ	انھوں نے جو کچھ اللہ سے عہد کیا
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ	تھا پس بعضے تو ان میں وہ ہیں
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا	جنھوں نے اپنی منت پوری
بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ط	کر دی اور بعض انتظار میں ہیں

اور انھوں نے عہد کو بالکل نہیں بدلا۔

اور اس مضمون میں بہت آیتیں ہیں اور ایسے لوگوں پر کیا گمان ہو سکتا ہے،

لہ اصطلاح صوفیہ میں اس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں ۱۲ ملفوظ شریف

جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور مخاطب قرآن بنانے کے لئے پسند کیا پس قیامت تک کوئی مسلمان نہیں جس کی گردن پر صحابہؓ کے بے شمار اور یاد رکھنے کے قابل احسان نہ ہوں کیونکہ وہی لوگ تو ہیں جنھوں نے حکمت اور احکام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچایا اور حلال و حرام کو بیان کیا اور خاص و عام کو سمجھایا اور اقالیم اور شہر فتح کئے اور مشرکین اور معاندین کو زیر کیا اور سچ ہے جو کہ ان کے حق میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم — یعنی میرے سب یار مثل ستاروں کے ہیں جس کے پیچھے لگ لوگے راہ مل جاوے گی۔

اور حق تعالیٰ نے پہلی آیت (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الخ) میں ان کے بہت سے اوصاف ذکر فرمانے یہاں تک کہ فرمایا:۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا — یعنی وہ لوگ اللہ کے فضل و رضا کو ڈھونڈتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ جو ان کے اسرار پر مطلع ہے اور ان کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہ خبر دے رہا ہے کہ ان کو اپنے مقاصد میں دنیا مطلوب نہیں اور بجز رضا و فضل خداوندی کے دوسرا مقصود نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے:۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ — یعنی جم کر بیٹھا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں

وَجْهَهٗ ط — اس کی رضامندی۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلادی کہ سوا خدا کے کچھ ان کی مراد نہیں اور اس کے سوا ان کا مقصود نہیں اور دوسری آیت میں یوں فرماتا ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان گھروں میں صبح و شام ایسے لوگ کہ غافل نہیں کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے ان میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے قلوب پاک ہوگئے اور ان کے انوار کامل ہوگئے اسی واسطے دنیا ان کے قلوب کو نہیں پکڑ سکتی اور ان کے چہرۂ ایمان پر خراش نہیں کرسکتی اور دنیا ایسے قلوب میں کیونکر جا سکتی ہے جن کو اللہ نے اپنی محبت سے بھر دیا ہو اور اپنے قرب کے انوار اس میں روشن کر دیئے ہوں[1] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ ؀ — یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

پس اگر دنیا کا زور ان کے دل پر چلتا تو شیطان کا بھی بس چلتا کیونکہ شیطان کی رسائی ان قلوب تک نہیں جن کے قلوب انوارِ زہد سے روشن ہوں اور حُبّ دنیا کے میل سے پاک و صاف ہوگئے ہوں پس مطلب اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ ط کا یہ ہے کہ نہ تیرا اور نہ کسی اور مخلوق کا قابو چل سکتا ہے کیونکہ میری عظمت کا غلبہ جو ان کے قلوب پر ہے وہ میرے سوا کسی کا غلبہ وہاں تک آنے نہیں دیتا۔ پس آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ

---

[1] شعر آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے؟
کہ خیالِ رُخِ دلدار ہے دربان اپنا (۱۲ ملفوظ شریف)

وصف فرمایا ہے کہ تجارت اور بیع ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ تجارت اور بیع نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ بیع اور تجارت جائز ہے تم نے کیا یہ قول نہیں سنا اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ پس اگر غنا[1] سے منع فرمانا منظور ہوتا تو سبب غنا سے بھی کہ بیع و تجارت ہے منع فرماتے دیکھو اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ میں جب زکوٰۃ کو واجب فرمایا اس سے صاف واضح ہوا کہ جن لوگوں کے یہ اوصاف مذکور ہوئے ان میں بعض غنی بھی ہوتے ہیں اور پھر بھی تعریف کے قابل رہتے ہیں جبکہ اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

بعض مالدار صحابہؓ کا حال

عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ جس روز شہید ہوئے ہیں ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے اور اراضی وخیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی قیمت دو لاکھ دینار تھی ف اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے اور زبیرؓ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار دینار رہے۔ اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے اور عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمن بن عوفؓ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا ان حضرات کے ہاتھوں میں[2] تھی دلوں میں نہ تھی جب نہ ملی تھی صبر کیا جب ملی شکر کیا اور اللہ تعالیٰ

[1] مالداری [2] بقول مولانا روم رحؒ شعر ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی ست آب اندر زیر کشتی پشتی ست ۱۲ ملفوظ لطیف

نے ابتدائے امر ہیں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار کمال کو پہونچ گئے اور اسرار پاک ہو گئے پھر ان کو دنیا[۱] دی کیونکہ اگر پہلے ہی مل جاتی تو شاید ان پر اثر کرتی چونکہ بعد تمکین اور رسوخ یقین کے ملی اُس میں اس طرح تصرّف کیا جیسا امانت دار خزانچی تصرف کرتا ہے اور اس ارشاد کو پورا بجا لائے۔

وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ
یعنی خرچ کرو اُس چیز سے جس میں تم کو خلیفہ کیا۔

حاصل یہ کہ مالکانہ تصرف نہ کرتے تھے بلکہ چاکرانہ کرتے تھے اسی مقام سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اوّلِ امر جہاد کرنے سے اس ارشاد میں کیوں ممانعت فرما دی تھی کہ:۔

فَاعۡفُوۡا وَ اصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ
یعنی معاف کرو اور در گذر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے

وجہ یہ کہ اگر ابتدائے اسلام میں جہاد کی اجازت ہوتی تو شاید بعض نومسلموں کو جو اجازت ملتی تو اپنا ذاتی بدلہ لینے لگتے اور خرابیٔ نیت کی خبر بھی نہ ہوتی یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوئی ضرب[۲] لگاتے تھے تو اس کے ٹھنڈے ہونے تک ٹھیرے رہتے تھے پھر دوسری ضرب لگاتے تھے اس اندیشے سے کہ شاید اس کے پیچھے اگر معاً ماروں تو کہیں نفس کی آمیزش نہ ہو جائے اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نفس کے چھپے دھوکوں کو پہچانتے تھے اور بڑی حفاظت

---

[۱] پس ایسا ہوا جیسے منتر سکھلا کر سانپ ہاتھ میں دیا ۱۲ ملفوظ شریف
[۲] وار کرتے تھے

صحابہ رضی اللہ عنہ کو دلوں کی بھی اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کی اور اندیشہ ناک رہتے تھے کہ اُن کے عمل میں ایسی چیز نہ مل جاوے جس سے رضائے مولیٰ مقصود نہ ہو پس دُنیا صحابہ کے ہاتھ میں بھی نہ دلوں میں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ رضی دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ یعنی اوروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو۔

یہاں تک کہ کسی صحابی کے پاس ایک بکری کی سری ہدیہ آئی فرمایا فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے اُن بزرگ نے اور کسی کا نام بتلا دیا انھوں نے اور کا نام لے دیا یوں ہی ایک دوسرے کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ ساتھ آدمیوں میں گھوم گھام کر پھر پہلے صحابی کے پاس لوٹ کر آئی اور اس کی کافی دلیل ہے حضرت عمرؓ کا نصف مال سے علیحدہ ہو جانا اور حضرت ابوبکر رضؓ کا کل مال سے علیحدہ ہو جانا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا سات سو اونٹ لدے لدائے دیدینا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جیشِ تبوک کے لئے سامان کر دینا اور بہت سے اچھے کام اور اچھے حالات اُن کے منقول ہیں۔ اور دوسری آیت جو ہے رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پوشیدہ صدق کی خبر دی ہے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور یہ بہت بڑی تعریف اور فخر کی بات ہے کیونکہ ظاہر افعال ہیں باعتبار علم مخلوق کے

کبھی حالات مشتبہ ہو سکتے ہیں اِن آیات سے ان کے ظاہر اور باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور ان کے محامد اور مفاخر ثابت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دُنیا دو قسم پر ہے ایک[1] تدبیر دنیا کی واسطے دنیا کے جیسا دُور افتادہ اہلِ غفلت کا حال ہے دوسری[2] تدبیر دنیا کی واسطے آخرت کے جیسا صحابہ کرام اور سلف صالحین کا حال تھا اور اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نماز میں اپنے لشکر کا سامان درست کرتا ہوں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدبیر محاسنہ اور حضوری کی حالت میں تھی سو وہ تدبیر اللہ کے واسطے تھی اسی لیے نماز فاسد ہوئی نہ کمال میں نقصان آیا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ان میں سے کوئی دنیا کا طالب نہ تھا حالانکہ یوم احد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رض کو یوں فرمایا کہ بعض تم میں سے دنیا کے طالب تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کا قول ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ ہم میں کوئی دنیا کا طالب ہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اب اس کا جواب سمجھ لو۔ اللہ تم کو سمجھنے کی توفیق دے اور اپنے کلام کے سُننے کے لائق کرے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صحابہ رض کے ساتھ نیک گمان رکھے اور ان کی بزرگی کا معتقد رہے اور ان کے جمیع اقوال و افعال و احوال کو خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے ہوں یا بعد کے، اچھے وجوہ پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی پاکی بیان فرمائی تو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا ایسی ہی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحابی کالنجوم الحدیث میں مطلق ارشاد فرمایا اور اس آیت کے دو[۲] جواب ہیں۔

جواب اوّل اس آیت کا یہ ہے کہ بعضے تم میں سے دُنیا چاہتے یعنی تھے آخرت کے واسطے جیسے وہ لوگ جنھوں نے مال غنیمت لینا چاہا تھا کہ اس میں سے خرچ وایثار کرکے اللہ سے نیک معاملہ کریں اور بعضوں کا یہ مقصود نہ تھا صرف فضیلت جہاد ہی حاصل کرنا مقصود تھا انھوں نے غنیمت کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا نہ اس کی طرف التفات کیا پس صحابہؓ میں بعض فاضل وکامل تھے بعضے افضل واکمل ناقص کوئی نہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آقا اپنے خاص غلام کو جو چاہے کہے ہم کو اس غلام کے ساتھ ادب لازم ہے کیونکہ اس کو آقا کے ساتھ نسبت خاص ہے یہ نہیں کہ آقا اپنے غلام کو جو کہے ہم بھی وہی نسبت کریں یا اس کو خطاب کرنے لگیں کیونکہ آقا تو غلام کو اس واسطے جو چاہے کہہ لیتا ہے کہ اس کو خدمت کی رغبت پیدا ہو اور اس کی ہمت وعزم کو ترقی ہو اور ہم کو حدودِ ادب کا لحاظ رکھنا ضروری اور اگر قرآن مجید میں تلاش کیا جاوے تو بہت سے ایسے مضامین نکلیں گے مثلاً ایک سورۂ عبس ہی ہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اگر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اِس سورۃ کو ضرور چھپا لیتے اس سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط تدبیر[۱] جو ممدوح ہے اس کے یہ

---

[۱] تقدیر پر بھروسہ اور یقین کرنے کے یہ معنی نہیں کہ رضائے الٰہی کے لئے بھی تدبیریں کرنا چھوڑ دے بلکہ خواہ وہ دنیا کے طلب کی صورت میں ہو یا عباداتِ ظاہری

معنی نہیں کہ اسباب دنیا اور فکر مصالح میں بقصد طاعتِ مولیٰ و کار آخرت کے بھی داخل نہ ہو بلکہ تدبیر ممنوع وہ ہے کہ دنیا کی تدبیر دنیا ہی کے لئے کرے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ذریعۂ نافرمانی بن جاوے اور حلال و حرام سے اس کو سمیٹنا شروع کرے[1]

تدبیرِ دنیا کی واضح علامات اور دلائل

جاننا چاہیئے کہ اشیاء کا مذموم و محمود ہونا ان کے نتائج کے اعتبار سے ہے پس تدبیر مذموم وہ ہے جو اللہ سے غافل اور ادائے خدمتِ مولیٰ سے معطل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے اور تدبیر محمود وہ ہے جس کی یہ شان نہ ہو بلکہ اللہ کا قرب بخشے اور اس کی رضامندی تک پہونچاوے اسی طرح دنیا علی الاطلاق نہ مذموم نہ محمود بلکہ مذموم وہ ہے جو مولیٰ سے غافل کرے اور آخرت کے لئے سامان کرنے سے باز رکھے جیسے بعض

اور فرائض کی ادائیگی کی صورت میں، بہر صورت چونکہ مقصود رضائے باری ہے اس لئے یہ تمام تدبیریں عبادت میں شامل ہوں گی اور عبادت جس طرح بھی ہو پسندیدہ ہے ممنوع نہیں ہو سکتی۔

[1] جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے کہ سود، رشوت، موروثی اور دوسری ہر طرح کی ناجائز اور حرام دولتیں حاصل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جاتی پھر اس قسم کی ناپاک دولتیں جمع کر کے اگر کوئی کہے کہ اس دولت سے میرا مقصد خدا کی رضاء ہے یا میری نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ خدا کی رضا کا سبب بنے گا یہ اس کا صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہوگا۔

عارفین کا قول عہ ہے جو چیز تجھ کو اللہ سے غافل کرے خواہ بیوی ہو یا مال ہو یا اولاد ہو وہ تیرے حق میں منحوس ہے اور دنیا تے ممدوح وہ ہے جو طاعت الٰہی میں معین ہو اور خدمت مولیٰ میں سرگرم اور مستعد کردے الحاصل جو اچھے کاموں کا ذریعہ ہے وہ ممدوح ہے جو بُرے کاموں کا ذریعہ ہے وہ مذموم ہے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ دُنیا مردار گندی سڑیل ہے اور فرمایا[۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم، اور فرمایا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے آدمی میں سے جو نجاست نکلتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کی مثال بنایا ہے اِن احادیث کا مقتضا یہ ہے کہ وہ مذموم ہو اور لوگ اس سے نفرت کریں اور یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا[۲] ہے کہ دنیا کو بُرا مت کہو کہ ایماندار کیلئے خوب سواری ہے اسی پر سوار ہو کر خیر حاصل کر سکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے پس جس دنیا پر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے وہ دنیا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اسی واسطے آپ نے حدیث میں استثناء فرمادیا کہ الا ذکر اللہ الخ یعنی مگر ذکر اللہ کا اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم تو آپ نے بیان فرمادیا کہ یہ چیزیں دنیا میں

---

[۱] حدیث یہ ہے الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالما او متعلم ۱۲ تنویر

[۲] حدیث یہ ہے۔ لا تسبوا الدنیا فنعمت مطیۃ المومن علیہا یبلغ الخیر و بہا ینجو من الشر ۱۲ تنویر۔

عہ چیست دنیا از خدا غافل بودن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

داخل نہیں اور جس دنیا کی نسبت فرمایا کہ بُرا مت کہو یہ وہ دنیا ہے جو تم کو طاعت الٰہی تک پہنچا دے اسی واسطے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایمان والے کے لئے خوب سواری ہے سو سواری ہونے کے اعتبار سے اس کی مدح فرمائی، نہ اس حیثیت سے کہ وہ دھوکہ اور گناہوں کا مقام ہے، پس تیری سمجھ میں آگیا ہو کہ ترک تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ بالکل اسباب سے کنارہ اختیار کرے یہاں تک کہ انسان ضائع ہونے لگے پھر لوگوں پر بار ہو جاوے اور اللہ کی حکمت جو اثبات اسباب اور ارتباطِ وسائل میں ہے اس سے جاہل بنجاوے۔

حضرت عیسیٰ کا فرمان

اور حضرت عیسٰی علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی عابد پر آپ کا گذر ہوا اُس سے دریافت کیا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس نے کہا کہ میرا بھائی مجھ کو کھانے کو دیتا ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے یعنی تیرا بھائی اگرچہ بازار میں رہتا ہے مگر تجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہے کیونکہ وہی تو طاعت میں تیرا معین[1] ہے اور تجھ کو عبادت کے لئے فارغ کر رکھا ہے۔

وسائل واسباب کا مرتبہ

اور اسباب میں قدم رکھنے کا کیسے انکار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ آیتیں آ چکیں ہیں:۔

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا — یعنی خرید و فروخت کو اللہ نے حلال کیا اور سُود کو حرام کیا۔

[1] مددگار

وَ اَشْهِدُوْا اِذَا تَبَایَعْتُمْ یعنی گواہ کر لیا کرو جب بیع و شرا کرو۔

اور فرمایا[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادہ حلال روزی جس کو آدمی کھاوے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی ہو اور داؤد علیہ السلام دستکاری سے کھاتے تھے اور فرمایا ہے سب سے اچھی کمائی دستکاری ہے جب دغا فریب نہ کرے اور فرمایا[2] ہے جو سوداگر امانت دار سچا مسلمان ہو وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ ان آیات واحادیث کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اسباب کی مطلقاً مذمت[3] کی جاوے لیکن جو اللہ سے غافل کر دے اور اس کے معاملہ سے باز رکھے وہ بیشک مذموم ہے اور اگر تو یہ اسباب بالکل چھوڑ کر تجرید[4] اختیار کرے مگر اللہ سے غفلت ہو تب بھی مذموم ہے اور آفات صرف اہلِ اسباب ہی پر نہیں پڑتے بلکہ اہلِ تجرید بھی مبتلا ہوتے ہیں اللہ کے قہر[5] سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اس کی مہر ہو۔

دنیا دار نیک اور دیندار بد کی تفصیل — !

بلکہ بعض اوقات اہلِ تجرید پر آفت سخت آتی ہے کیونکہ اہلِ اسباب پر تو یہی آفات ہے کہ وہ دنیا میں

---

[1] حدیث یہ ہے احل ما اکل المرء من کسب یمینہ وان داؤد نبی اللہ کان یاکل من کسب یمینہ ۱۲ تنویر [2] حدیث یہ ہے التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشہداء یوم القیمۃ ۱۲ تنویر [3] برائی [4] گوشہ تنہائی [5] یہ مضمون ہے آیت لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم ربی کا ۱۲ مترجم

داخل ہوتے ہیں مگر مدعی نہیں ہوتے ظاہر باطن ان کا یکساں ہے اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں جو لوگ فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں اور اہل تجرید کی آفتیں یہ ہیں کہ کبھی عُجب[1] پیدا ہو جاتا ہے یا تکبر یا نمائش یا تصنع یا مخلوق کے واسطے طاعتِ الٰہی سے آراستہ ہونا تاکہ ان کا مال حاصل کرے اور کبھی یہ آفت ہوتی ہے کہ مخلوق پر اعتماد اور سہارا ہو جاتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی تعظیم نہ کریں تو ان کی مذمت کرتا ہے اور جو خدمت نہ کریں تو ان پر ناخوش ہوتا ہے بس جو شخص اسباب میں غفلت کے ساتھ ڈٹا ہے اس کی حالت اِس سے بدرجہا بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں درست کرے اور ہمارے نفوس کو اپنے فضل وکرم سے آفات سے پاک کرے۔

فصل شاید اس کلام سے تو یوں سمجھ جائے کہ متجرد و متسبب ایک مرتبہ میں ہیں ف کیونکہ آفت دونوں پر آتی ہے اور محفوظ بھی دونوں رہ سکتے ہیں۔ ت حالانکہ یہ بات نہیں اور جس شخص نے اپنے کو اللہ کی عبادت کے لیے فارغ کر دیا اور اپنے اوقات کو اس کے ساتھ مشغول کر دیا خدائے تعالیٰ ہرگز اس کو اس شخص کے مثل نہیں کریگا جو اسباب میں داخل ہوتا ہے اگرچہ اس میں تقویٰ رکھتا ہو پس اگر متسبب اور متجرد کا مقام باعتبار معرفتِ الٰہیہ کے برابر ہو اس وقت متجرد ہی افضل ہے اور اس کا شغل اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ مثال متسبب[2] اور متجرد کی ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک سے

---

[1] ریاکاری [2] جو اسباب پر عمل کرتا ہے جو اسباب پر عمل نہیں کرتا بلکہ بلاواسطہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔

تو فرمایا کہ کماؤ اور کھاؤ اور دوسرے کو حکم ہوا کہ تم ہمارے دربار میں حاضر خدمت رہا کرو تمہاری حاجت کا ہم انتظام کر دیں گے سو اس غلام کا مرتبہ آقا کے نزدیک زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا اس کی عنایت کی بڑی دلیل ہے علاوہ یہ ہے کہ اسباب میں داخل ہو کر نافرمانی سے بچنا اور صفائی عبادت نصیب ہونا شاذ و نادر ہے کیونکہ ناجنسوں سے بسر کرنا ہوگا اہل غفلت اور عناد سے ملنا ہوگا اور بڑا معین طاعت پر مطیعین[1] کا دیکھنا ہے اور بڑا باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا گناہ والوں کا دیکھنا ہے جیسا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[2] ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو شاعر نے کہا ہے ؎

آدمی کو پوچھ مت دیکھ اس کا یار ۔۔۔ یار اپنے یار کا ہے مقتدی
ہو جو اس میں شر تو ہو جلدی جدا! ۔۔۔ خیر گر ہو ملکے ہو تو مہتدی

نفس کی خصلت

اور نفس میں خاصیت ہے کہ جس سے ملتا ہے اُس کے ساتھ تشبّہ کرتا ہے اور اُس کی نقل اُتارتا ہے اور اُس کی صفات سے متصف اور مشابہ ہو جاتا ہے پس غافلین کی صحبت نفس کے لئے اور از یادہ معین غفلت بن جاتی ہے کیونکہ اصل وضع میں غفلت اس کے مناسب ہے ہر گاہ[3] اس کے ساتھ ایک سبب بھی مل جاوے کہ وہ مخالطت[4] غافلین ہے

---

[1] اللہ والوں سے ملنا جلنا دوست اور یادِ خداوندی کے لئے مددگار ہوتا ہے۔
[2] حدیث یہ ہے المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم بمن یخالل ۱۲ ترجمہ
[3] اور اگر[4] یادِ خدا سے غافل دنیا داروں سے ملنا جلنا اور ان کی صحبت

اُس وقت تو کیا حال ہوگا اور اے بھائی تجھ کو اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اپنا ہی حال دیکھ لے کہ جب تو گھر سے نکلتا ہے اور جب تو لوٹ کر آتا ہے دونوں وقت میں ایک سا حال نہیں ہوتا گھر سے جانے کے وقت تجھ پر انوار کا غلبہ ہوتا ہے، سینہ کشادہ ہوتا ہے طاعت کی ہمت ہوتی ہے دنیا میں بے رغبتی ہوتی ہے اور لوٹتے ہوئے یہ حالت نہیں ہوتی اور یہ مقامات نہیں رہتے جس کا سبب صرف کدورتِ مخالطت ہے اور ظلمت اسباب میں قلوب کا غرق ہونا اور اگر یہ بات ہوا کرتی کہ اسباب و معاصی کے جانے سے ان کا اثر بھی جاتا رہتا تو بیشک قلوب کے لیے سیر الی اللہ[1] سے بعد انفصال[2] وزوال کے مانع نہ ہوتے مگر ان کا حال تو آگ کا سا ہے کہ جلنا موقوف ہوجائے مگر سیاہی باقی رہتی ہے۔

دنیا داروں کے لئے دو ضروری چیزیں

اور اہل اسباب کے لیے دو چیزوں کی بڑی ضرورت ہے علم اور تقویٰ علم کے ذریعے سے تو حلال و حرام کو جانے گا اور تقوے کی وجہ سے ارتکابِ گناہ سے بچے گا۔ حاجت علم کی تو اس لئے ہے کہ جو احکام متعلق معاملات بیع وسلم وصرف وغیرہ کے ہیں انکو جاننا ضروری ہے ساتھ ہی اس کے جو واجبات و فرائض معینہ ہیں ان کا علم بھی ضروری ہے تاکہ فوت نہ ہوجاویں۔ ت

اہلِ دنیا کے لئے ضروری ہدایات جن پر عمل کر کے وہ دینداری کے ساتھ دنیا دار رہ سکتے ہیں!

چنانچہ اور اہل تسبب کا التزام

۱؎ اللہ کی یاد ۲؎ گناہ گار اور دنیا میں پھنسے ہوئے انسانوں سے ملنے جلنے کا اثر ان سے الگ ہوجانے کے بعد بھی رہتا ہے۔

کو لکھنا چاہیئے۔

پہلی ہدایت قبل گھر سے نکلنے کے اللہ کے ساتھ پورا عزم[1] کرلیں کہ اگر مجھ کو کوئی شخص رنج پہونچاویگا تو معاف کردوں گا کیونکہ بازار ایسا موقع ہے جس میں جھگڑا بات چیت ہو ہی جاتی ہے اسی واسطے فرمایا[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تم ابی ضمضم کے برابر بھی نہیں ہوسکتے اس کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت دعا کرتا یا اللہ میں نے اپنی آبرو مسلمانوں پر تصدیق کردی۔

دوسری ہدایت:۔ قبل باہر نکلنے کے لئے مناسب ہے کہ وضو کرکے دو۲ رکعت پڑھ لے اور اللہ سے دعا کرے کہ اس جانے میں سلامتی رہے کیونکہ اس شخص کو معلوم نہیں کہ کیا مقدر ہے کیونکہ بازار میں جانے والا ایسا ہے جیسا کہ لڑائی میں جانے والا۔

پس مسلمان کو زیبا ہے کہ اعتصام[3] و توکل کی زرہ پہنے جو دشمنوں کے تیروں سے اس کو بچائے ف یعنی بازار میں شیطان کا پورا دخل ہے اُس کے اور اُس کے لشکر جن و انس کے مکائد سے پناہ مانگنا ضرور ہے ت جو اللہ کی پناہ میں آیا اس کو سیدھی راہ ملی اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہے

تیسری ہدایت:۔ جب گھر سے جانے لگے تو مناسب ہے کہ اپنے

---

[1] ارادہ [2] حدیث یہ ہے ایعجز احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذا خرج من بیتہ قال اللھم انی تصدقت بعصمتی علی المسلمین ۱۲ تنویر

[3] اللہ سے مدد مانگے اور اس پر پورا بھروسہ ویقین کرے

اہل و عیال اور گھر کو اور گھر کی چیزوں کو اللہ کے سپرد کر دے کہ اللہ کی حفاظت اس میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھ دے۔

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا — یعنی اللہ اچھا نگہبان ہے اور

وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ — وہ سب مہر والوں سے زیادہ مہر والا ہے۔

اور یہ دعا جو حدیث میں آئی ہے پڑھ دے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ — اے اللہ تو میرے ساتھ ہے میرے

فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَۃِ — سفر میں اور حفاظت کرنے والا

فِی الْاَھْلِ وَ الْوَلَدِ — ہے میرے بعد میرے اہل و عیال

وَ الْمَالِ — اور مال و اسباب کی۔

کیونکہ اللہ کے سپرد کرنے میں امید ہے کہ لوٹ کر اُن کو اچھی حالت میں پائے گا کسی شخص نے سفر کیا اور اس کی بی بی حاملہ تھی جب سفر کو جانے لگا کہا کہ یا اللہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے تجھ کو سونپتا ہوں اتفاق سے اس کے پیچھے وہ بیوی مر گئی جب سفر سے آیا اس کا حال معلوم کیا لوگوں نے کہا کہ وہ تو حالتِ حمل میں مر گئی جب شب ہوئی قبرستان میں ایک نور نظر آیا وہ اس کی تاک پر چلا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس عورت کی قبر سے نور نکل رہا ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے دودھ پی رہا ہے ایک ہاتف نے آواز دی کہ تم نے ہم کو بچہ سونپا تھا وہ تو نے پایا اگر دونوں کو سونپ جاتا دونوں کو پاتا۔

چوتھی ہدایت:۔ جب گھر سے نکلنے لگے تو مستحب ہے کہ یہ دعا

پڑھ لیا کرے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ — اللہ کے نام سے یہ سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں (اور یقین رکھتا ہوں کہ) طاقت و غلبہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے

اس کہنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے

پانچویں ہدایت:۔ لوگوں کو اچھے کام بتلاوے بُری باتوں سے منع کرے اور اس کو نعمت قوت و تقویٰ کا شکر سمجھے جو کہ اللہ نے اس کو عنایت کی ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ — یعنی ایسے لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں اور نیک باتیں بتلادیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا

تبلیغ کس پر فرض ہے؟

پس جس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہو اور کسی طرح کا صدمہ اس کی جان یا آبرو یا مال کو نہ پہنچے تو وہ قدرت والوں میں داخل ہے اور وجوب اس کے ساتھ متعلق ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے صدمہ پہونچے

یا بعد میں صدمہ پہونچنے کا ظنِ غالب ہو اس وقت وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے۔

چھٹی ہدایت: سکون و وقار کے ساتھ چلے فرمایا اللہ تعالیٰ نے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

یعنی اللہ کے خاص بندے ایسے ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے اور جب بات چیت کرتے ہیں ان سے جاہل لوگ کہتے ہیں وہ ملنساری کی بات۔

اور یہ سکون و وقار کچھ چلنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امر مطلوب یہ ہے کہ تیرے سب افعال میں سکون ہو اور ہر امر میں استقلال ہو۔

ساتویں ہدایت: یہ کہ بازار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے[۲] کہ غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں میں لڑنے والا ہے اور بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا مردوں میں زندہ اور بعض بندگان پیشین[۳] کی عادت تھی کہ محض[۴] پر سوار ہو کر بازار جاتے اور اللہ کا ذکر کر کے لوٹ آتے اور خاص کر اسی واسطے جایا کرتے

---

[۱] اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان

[۲] حدیث یہ ہے ذاكر الله فى الغافلين كالمقاتل بين الفارين ذاكر الله فى السوق كالحى بين الموتى [۳] تنویر [۴] پہلے بزرگوں کی [۵] تاکہ حدیث پاک کے مصداق بن جائیں اور یہ فضیلت مل جائے۔

آٹھویں ہدایت ۔ بیع[۱] و شرا اور کسبِ معاش میں باجماعت وقت پر نماز پڑھنے سے غافل نہ ہو کیونکہ ان اشغال کے سبب اگر نماز ضائع کر دے تو اللہ کے غضب اور کمائی میں بے برکتی کا مستحق ہوتا ہے اور اس سے شرمانا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندے کو ایسی حالت میں دیکھے کہ اپنے حظوظِ نفسانی[۲] میں اپنے رب کے حقوق سے غافل ہو جاوے اور بعض سلف کی یہ عادت تھی کہ اپنا کام کر رہے ہیں ہتوڑا اٹھایا ہے کہ مؤذن کی آواز سنی اس کو پیچھے ہی چھوڑ دیا تاکہ طاعت کی طرف بلائے جانے کے بعد کچھ بھی مشغولی نہ ہو اور جب مؤذن کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے۔

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ — یعنی اے ہمارے لوگو اللہ کے پکارنے والے کا کہا مانو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ — یعنی اے ایمان والو کہا مانو اللہ کا اور رسول کا جب تم کو ایسی چیز کی طرف بلاوے جو تمہاری حیات کا باعث ہو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ — یعنی اپنے رب کا کہا مانو

[۱] خرید و فروخت اور کاروبار میں
[۲] نفس کی لذتوں میں پڑ کر

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ میں نعلِ مبارک درست فرماتے اور خادم کو سہارا[2] لگا دیتے جہاں اذان ہوتی اس طرح چل کھڑے ہوتے گویا ہم سے کچھ جان پہچان ہی نہیں۔

نویں ہدایت قسم نہ کھلائے اور اپنی چیز کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرے اور اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] سوداگر لوگ فاجر ہیں مگر جو نیکی کرے اور سچ بولے۔

دسویں ہدایت غیبت اور چغل خوری سے زبان بند کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا آلخ — یعنی آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ ضرور تم کو بُرا لگے گا۔

غیبت کا گناہ اور اس سے بچنے کا طریقہ

اور جاننا چاہیئے کہ غیبت سُننے والا بھی مثل غیبت کرنے والے کے ہے پس اگر اس کے سامنے کسی کی غیبت کی جاوے تو اوّل تو انکار کرنا چاہیئے اور اگر کوئی اس کی بات نہ سُنے تو وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو اور خلقت کی

---

[1] حدیث یہ ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یکون فی بیتہ یخصف النعل ویعین الخادم فاذا دخل للصلوٰۃ قام کانہ لا یعرفنا ۱۲ تنویر

[2] یعنی خادم کا کام خود فرما کر اس کی مدد کرتے۔ [3] حدیث یہ ہے التجار ھم الفجار الا من بر و صدق

حیا اللہ کے لئے کھڑے ہو جانے سے باز نہ رکھے کیونکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ زیبا ہے اور اللہ و رسول کا راضی رکھنا لوگوں کے راضی رکھنے سے زیادہ مناسب ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (یعنی اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ مستحق ہیں اسکو کہ ان کو خوش اور راضی رکھا جائے)

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[۱] ہے کہ غیبت[۲] چھتیس[۳۶] زنا سے جو حالتِ اسلام میں ہوں زیادہ شدید ہے۔

شیخ کی بیان کردہ چار آداب اور ان کی تشریح ــــ!

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ فقیر متسبب کے چار آداب ہیں اگر فقیر ان سے خالی ہے تو اس کی کچھ قدر نہ کرو گو سارے جہاں سے علم میں زیادہ ہو ایک[۱] تو ظالموں سے کنارہ کرنا دوسرے[۲] آخرت والوں کو ترجیح دینا تیسرے[۳] فاقے والوں کی غم خواری کرنا، چوتھے[۴] پانچوں نمازیں با جماعت ادا کرنا اور واقعی شیخ نے سچ فرمایا کیونکہ ظالموں سے کنارہ کرنے میں دین کی سلامتی ہے وجہ یہ کہ ظالموں کی صحبت نورِ ایمان کو تاریک کر دیتی ہے اور ان سے کنارہ کرنا عذابِ الٰہی سے بھی بچاتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ یعنی ظالموں کی طرف مت جھکو

---

[۱] حدیث یہ ہے الغیبۃ اشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ فی الاسلام ۱۲ تنویر [۲] یعنی ایک غیبت کا گناہ چھتیس[۳۶] مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے۔ [۳] کیونکہ غیبت میں غرور و استکبار ہوتا ہے اور زنا میں ندامت و انکسار پس غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے ۱۲ ملفوظ شریف

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ کبھی لگے تم کو آگ۔

اور یہ جو فرمایا کہ آخرت والوں کو ترجیح دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیا اللہ کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرے تاکہ کدورتِ اسباب پر زور آور رہیں ان اولیاء اللہ کے برکات، اور آثار اس پر ظاہر ہوں اور اکثر اوقات اسباب میں بھی ان سے مدد پہونچتی ہے اور ان کی محبت اور اعتقاد کی بدولت معصیت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ فاقہ والوں کی غم خواری کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ اللہ کی جو نعمت اس کے پاس ہو اس کا شکر کرے پس جب اسباب تجھ پر کشادہ فرمائے تو ان کا خیال کر جن پر اسباب کے دروازے بند ہیں ف یعنی سامان میں بے سامانوں کا خیال رکھنا اور جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیا کا امتحان اہلِ فاقہ سے اور اہلِ فاقہ کا امتحان اغنیا سے فرمایا ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ یعنی کیا ہم نے بعضے تمہارے کو
فِتْنَةً ۚ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَ واسطے بعضے کے آزمائش آیا
كَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝ صبر کرتے ہو؟ اور ہے پروردگار
تیرا دیکھنے والا۔

اور فاقے والوں کا وجود اہلِ غنا پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملے جو ان کے بوجھ آخرت تک اٹھا کر لے جاتے ہیں ف یعنی اگر غنی چاہے کہ اپنا مال اسباب آخرت میں بھیجوں تو یہ امر محتاجوں کے ذریعہ سے ممکن ہے دت اور ان کو ایسے لوگ ملے کہ جہاں انھوں نے لیا تو اللہ نے لے لیا اور اللہ خود غنی حمود

ہے اگر اللہ تعالیٰ فقیر کو نہ پیدا کرتا تو اغنیا کے صدقات کیسے مقبول ہوتے اور ایسے لوگوں کو کہاں پاتے جوان سے لے لیویں اسی واسطے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اور اللہ حلال ہی مال قبول کرتا ہے تو گویا وہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اس کو پالتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنا بچھیڑا یا اونٹ کا بچہ پالا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک لقمہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے ف یعنی اس کا ثواب بڑھتا رہتا ہے ت اسی واسطے قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو اس کا صدقہ لے لیوے اور یہ جو فرمایا شیخ نے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فقیر متسبب کو یہ امر میسر نہ ہوا کہ اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہو کر خاص طور پر خدمت واطاعت میں لگا رہے تو اتنا ضرور ہے کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے فوت نہ ہو تاکہ یہ التزام[۲] مزید انوار و حصول بصیرت کا موجب ہو اور فرمایا[۳] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے پر پچیس[۲۵] حصہ زیادہ بزرگی رکھتی ہے اور دوسری حدیث میں ستائیس حصہ

[۱] حدیث یہ ہے من تصدق بعدل من کسب طیب ولا یقبل اللہ تعالیٰ الا طیبًا کان کانما یضعھا فی کف الرحمٰن یربیھا لہ کما یربی احدکم فلوۃ او فصیلۃ حتی ان اللقمۃ لتصیر مثل جبل احد ۱۲ تنویر

[۲] نماز با جماعت کو ضروری سمجھ کر ادا کرنے سے تازہ اور ترقی یافتہ انوار حاصل ہوں گے [۳] حدیث یہ ہے تفضل صلوٰۃ الجماعۃ علیٰ صلوۃ الفذ بخمس و عشرین درجۃ وفی الحدیث الآخر بسبع و عشرین جزءً ۱۲ تنویر

آئے ہیں اور اگر یہ امر مشروع کر دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی دوکان اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرے تو مسجدیں ساری بیکار رہی ہو جاتیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ الآیہ[1] دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھنے میں قلوب مجتمع رہتے ہیں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں آپس میں اتفاق رہتا ہے مسلمانوں کا یکجا دیکھنا میسر ہوتا ہے اور فرمایا[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور یہ بات ہے کہ جب جماعت مجتمع ہو گی ان کے قلوب کے برکات حاضرین پر کھلتے ہیں اور ان کے انوار پاس والوں پر پھیلتے ہیں اور ان کا مجتمع اور متصل ہونا مثال ایک لشکر کے ہوتا ہے کہ جب وہ مجتمع اور متصل ہوتا ہے تو غلبے کا سبب ہوتا ہے اور اس آیت کے ایک یہ بھی معنی ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ	یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ	چاہتا ہے جو اس کی راہ میں
صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ	صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے
مَّرْصُوْصٌ ۝	ایک مکان ہو جس میں سیسہ

بھرا ہوا ہو۔

[1] یہ آیت مع ترجمہ اوپر گذر چکی۔ ۱۲ مترجم

[2] حدیث یہ ہے ید اللّٰہ علی الجماعۃ ۱۲ تنویر

ضمیمہ اور اے ایمان والے تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کام کے لئے نکلنے کے وقت سے لوٹنے تک اپنی نگاہ ناجائز چیز کے دیکھنے سے پست رکھے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا	یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا	ایمان والوں سے کہدو کہ نیچی
فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى	کریں اپنی نگاہیں اور محفوظ
لَهُمْ ۝	رکھیں اپنی شرمگاہیں یہ بات

بڑی ستھری[1] ہے ان کے واسطے۔

اور یہ بات جاننا چاہیئے کہ نگاہ اللہ کی بڑی نعمت ہے سو نعمت الٰہی کی ناشکری نہ کرنا چاہیئے اور یہ ایک امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہیئے اور اس ارشادِ خداوندی کو یاد کرنا چاہیئے۔

یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ	یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں
وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝	کی چوری کو اور جو چھپاتے ہیں سینے

اور فرمایا:۔

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ	یعنی کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ
یَرٰی ۝	تعالیٰ دیکھتا ہے۔

اور جب کسی نامشروع چیز دیکھنے کا ارادہ دل میں آوے تو یہ سمجھ لے کہ وہ دیکھتا ہے اور جاننا چاہیئے کہ جب کوئی اپنی نگاہ ناجائز چیز سے پست کرے گا تو

[1] پاکی

اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو کشادہ فرما دیگا یہ پوری جزا ہے پس جو شخص عالم شہادت میں اپنی جان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ عالم غیب میں اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ کسی شخص نے اپنی نگاہ حرام چیز سے پست نہیں کی مگر اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی حلاوت پاتا ہے۔

مضمونِ اصلی کا بیان شروع

جاننا چاہیئے کہ تدبیر کرنا اللہ کے آگے اہلِ بصیرت کے نزدیک ربوبیت کا مقابلہ کرنا ہے وجہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز یعنی بلا وغیرہ تجھ پر پڑے اور تو اس کا اٹھانا چاہے یا کوئی چیز یعنی رزق تجھ سے اٹھائی جائے اور تو اس کا مقرر کرنا چاہے یا کسی ایسے امر میں تو فکر کرے جس کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے اور تیرے لئے انتظام کرنے والا ہے سو یہ ربوبیت کا مقابلہ ٹھیرے گا اور حقیقت عبودیت سے نکلنا قرار دیا جاوے گا اِس مقام میں قول خداوندی کو خیال کرے فرمایا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝	یعنی کیا آدمی نے دیکھا نہیں، اس بات کو کہ پیدا کیا ہم نے اُس کو نطفے سے پس یکایک وہ کھلا جھگڑالو نکلا۔

پس اس آیت میں آدمی کو توبیخ[۱] کی گئی ہے چونکہ وہ اپنی اصل پیدائش سے غافل ہوا اور پیدا کرنے والے سے جھگڑا نکالا اور اپنی ابتدا کے بھید سے

[۱] تنبیہ

ناواقف ہو کر ابتدا کرنے والے سے منازعت شروع کی اور جس کی پیدائش نطفے سے ہو اس کو کیسے لائق ہے کہ اللہ سے احکام میں جھگڑا کرے اور اس کے توڑ جوڑ میں مخالفت کرے پس احتیاط کر اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے تجھ پر اللہ کی مہر ہو۔

دل کی سیاہی

اور جاننا چاہیے کہ مطالعہ غیب سے بڑا حجاب قلب کے لئے تدبیر کرنا ہے اور بات یہی ہے کہ نفس کے لئے تدبیر کرنے کا منشا نفس کی محبت ہے اور اگر نفس سے فنا ہو کر بقاء باللہ حاصل کرنا تجھ کو اپنے واسطے تدبیر کرنے اور بذاتِ خود تدبیر کرنے سے غائب کر دے اور ایسا بندہ کس قدر قبیح ہے کہ اللہ کے افعال سے جاہل ہو اللہ کی عنایت سے غافل ہو، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سُنا

قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ — یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہدو کہ اللہ کافی ہے۔

پس اللہ کو کہاں کافی سمجھتا ہے جو شخص اُس کے آگے تدبیر چلاتا ہے اور اگر اللہ کو کافی سمجھتا تو یہ اعتقاد اُس کو اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے برطرف کر دیتا

دنیوی تدابیر کا نقصان

جاننا چاہیے کہ اکثر تدبیر کا طاری ہونا طالبین اور مریدین پر رسوخ[1] یقین اور حصولِ تمکین سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اہلِ غفلت اور بدکردار لوگ تو کبائر اور خلافِ شرع اور اتباعِ شہوات میں شیطان کا کہنا مان چکے ہیں تو اب شیطان کو کون ضرورت[2] ہے کہ ان کو تدبیر کی طرف بلاوے اور اگر بلاوے تو وہ جلدی

---

[1] ذاتِ باری پر پورا یقین [2] کیا ضرورت پڑی

سے قبول کرلیں گے سو ان کے حق میں یہ بڑا جال نہیں بلکہ تدبیر کو اہلِ طاعت اور طالبین پر داخل کرتا ہے کیونکہ دوسرے طریقے سے ان پر دسترس[1] نہیں، پس بعض اوقات اہتمام تدبیر اور فکرِ مصالح صاحبِ ورد کو اس کے ورد یا حضور سے معطل کردیتی ہے بعض صاحبِ ورد کو شیطان کمزور دیکھتا ہے تو خفیہ تدبیریں اس کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ صفاءِ وقت کو روک دے کیونکہ وہ تو حاسد[2] ہے اور حاسد کا بڑا حسد اس وقت ہوتا ہے کہ تیرے اوقات صاف ہوں اور تیرے حالات اچھے ہوں۔

دنیاوی تدابیر اور ان کا علاج

پھر تدبیر کے وسوسے ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق آیا کرتے ہیں جس شخص کو آج یا کل کے گذارے کے لائق تدبیر کرنا ہو اس کا تو علاج یہ ہے کہ یقین رکھے کہ اللہ آپ میرے رزق کا کفیل ہے خود اس کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا — یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

اور مفصل کلام بابِ رزق میں اس کے بعد ایک مستقل باب میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور جس شخص کی تدبیر کسی دشمن کے دفعیہ میں ہو جس کے مقابلے کی اس کو طاقت نہیں پس اس امر کا یقین کرے کہ جس سے یہ ڈرتا ہے اس کی چوٹی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کچھ نہیں کرسکتا مگر جو کچھ خدا کرے اور ان آیات کو خیال

[1] قبضہ آسان [2] شیطان۔

کیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو بس ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ — یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور دھمکاتے ہیں تجھ کو ان لوگوں سے جو خدا کے سوا ہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ج وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○ — یعنی اہلِ ایمان ایسے ہیں کہ ان سے جو لوگوں نے کہا کہ اہلِ مکہ نے تمہاری لڑائی کے واسطے سامان ولشکر جمع کیا سو تم ان سے ڈرو تو ان کا اور بھی ایمان بڑھ گیا۔ اور جواب دیا کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ اچھا کارساز ہے پس اپنے گھر لوٹ کر آئے اللہ کی نعمت اور فضل سے کہ کہ نہیں لگی ان کو کچھ رنج کی بات اور پیروی کی

اُنھوں نے خدا کی رضامندی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے "

اور گوشِ دل کو اس ارشاد خداوندی کی طرف متوجہ کر۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ جب تجھ کو موسیٰ کے مقدمے[۱] میں کچھ خوف ہو تو اس کو دریا میں پھینکدے اور نہ خوف کر نہ غم کر

اور جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا زیادہ مناسب ہے پھر وہ پناہ دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

یعنی اللہ پناہ دیتا ہے اور اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا زیادہ لائق ہے پھر وہ نگہبانی کرتا ہے جیسا ارشاد ہے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

حق تعالیٰ تمام حفاظت کرنے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے اور بڑے رحم والے ہیں

اور اگر تدبیر اس وجہ سے کرنا پڑتی ہے کہ قرض کی میعاد گذر گئی اور ادا کرنے کو کچھ بھی نہیں اور قرض خواہ صبر نہیں کرتے تو اس وقت یہ یقین کر کہ جس خدا نے اپنے لطف سے تجھ کو ایسا شخص میسر کر دیا جنے تجھ کو وقتِ حاجت پر

---

[۱] بارے میں

دیدیا وہی خدا اپنے لطف سے ادائیگی کا سامان بھی میسر کردے گا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔ ف

مطلب یہ کہ خدا نے جیسا تیرے ساتھ احسان کیا تو اس کے ساتھ نیک اعتقاد رکھ ت اور تف ہے ایسے شخص پر جس کو اپنے قبضے میں آئی چیز پر قرار ہو اور جو خدا کے قبضے میں ہے اس پر اطمینان نہ ہو اور اگر تدبیر اس وجہ سے ہے کہ اپنے عیال کو چھوڑ آیا ہے اور ان کی کفایت کے موافق ان کے پاس نہیں تو اس وقت یہ یقین کرنا چاہیئے کہ جو خدا مرنے کے بعد میں تیرے ان کا انتظام کرے گا تیرے سامنے اور پیچھے بھی تیری زندگی میں سامان کرے گا اور حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سنو۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَ الْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ یعنی اے اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور گھروالوں میں ہمارے بعد خبر گیراں ہے۔

پس جس سے اپنے سامنے امید رکھتا ہے اسی سے اپنی غیبت میں امید رکھ اور ایک بزرگ کی بات سن وہ کہتے ہیں جس خدا کی طرف میں اپنے کو متوجہ کرتا ہوں اسی کو اپنے گھروالوں کا محافظ چھوڑ آیا ہوں ایک دم ان کا حال اس سے پوشیدہ نہیں، اس کا فضل میرے فضل سے وسیع تر ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے زیادہ ان پر مہربان ہے تو اس کی فکر مت کر کہ جو دوسرے کی کفالت میں ہے اور اگر تیری تدبیر واہتمام کسی مرض کے باعث ہے جو تجھ کو لاحق ہے اس کے

طول اور امتداد مدت سے ڈرتا ہے تو یقین کرلے کہ ہر بلا اور بیماری کی عمر مقرر ہے جیسے کوئی جاندار نہیں مرتا جبتک اس کی عمر پوری نہ ہو اسی طرح کوئی بلا نہیں ختم ہوتی جبتک کہ اس کا وقت پورا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد خیال کرو

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

یعنی جب اُن کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو نہ پیچھے ہٹتے ہیں ایک ساعت نہ آگے بڑھتے ہیں۔

پیرزادہ کا قصہ

کسی شیخ کا ایک بیٹا تھا باپ مرگیا بیٹا رہ گیا اور فتوحات بند ہو گئیں اس کے باپ کے بہت سے یار تھے یعنی مرید وغیرہ عراق میں پھیلے ہوئے تھے اس نے فکر کی کہ اپنے باپ کے کون سے یار کے پاس جاوے پھر قصد کیا کہ جو سب سے زیادہ لوگوں میں وجاہت رکھتا ہو وہاں جانا چاہیئے ایک ایسے بھی تھے ان کے پاس آیا انھوں نے تعظیم و تکریم کی پھر کہا کہ اے سردار اور سردار کے صاحبزادے تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے انھوں نے کہا کہ میں نے اسباب دنیا پر اکتفا کیا میں چاہتا ہوں کہ حاکم شہر کے پاس میرا ذکر کردو شاید میری کوئی صورت کردے جس میں میرا گذر چلے ان بزرگ نے بڑی دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میرے امکان میں نہیں کہ سرشام کو صبح کردوں میں کہاں تم کہاں جبکہ تم اہلِ عراق کے حاکم بنائے جاؤ گے ف ان بزرگ کو مکاشفہ سے معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو چند روز میں حکومت عراق کی ملے گی مگر تقدیر الٰہی میں ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا اس واسطے انھوں نے فرمایا کہ سرشام کو صبح نہیں کر سکتا یعنی جس وقت ملنا مقدر ہے

اس وقت کو کیسے حاضر کر سکتا ہوں ت وہ لڑکا غضبناک ہو کر ان کے پاس سے چلا گیا اور ان بزرگ کی بات نہیں سمجھا اتفاقاً ایسا ہوا کہ خلیفہ کو اپنے لڑکے کے واسطے معلّم کی تلاش ہوئی کسی نے اس لڑکے کا پتہ دیا اور کہا کہ فلاں شیخ کا بیٹا ہے غرض خلیفہ زادہ کی تعلیم کے لئے مقرر ہوا چند روز اس کو تعلیم دیتا رہا پھر اس کا مصاحب ہو گیا یہاں تک کہ چالیس برس گذر گئے اس خلیفہ کا انتقال ہوا اس کا ہی لڑکا خلیفہ ہوا اس نے اپنے معلم کو حاکمِ عراق بنا دیا[۱] اور اگر فکر و تدبیر بسبب زوجہ یا کنیز کے ہے جو مر گئی کہ تجھ سے تمام حالات میں مزاج موافق آ گیا تھا اور تیری ضروریات کاروبار کو انجام دیتی تھی تو یہ یقین کر کہ جس نے تجھ کو عنایت کی تھی اس کا فضل و احسان ختم اور منقطع نہیں ہو گیا اور اس کو قدرت ہے کہ اپنی عنایت تجھ کو اس سے بڑھ کر دے دے جو حسن اور واقفیت میں اس سے زیادہ ہو پس جاہل مت بن اور جن وجوہ سے سردست[۲] فکر و تدبیر ہونے لگتی ہے وہ بیشمار ہیں[۳] ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ منضبط اور منحصر نہیں اور جب اللہ تعالیٰ فہم عنایت کر دے خود تجھ کو بتلا دے گا کہ کیا علاج کرنا چاہیئے۔

تدبیر کی اصل و بنیاد

جاننا چاہیئے کہ تدبیر جو نفس سے پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں

---

[۱] اور اس طرح اللہ نے اس کا مقدر مقررہ وقت پر پورا کیا [۲] وقتاً فوقتاً [۳] کم گنے چنے نہیں بلکہ وہ حالات بے شمار ہیں جن کی وجہ سے انسان اسباب و تدبیر کی ادھیڑ بن میں عمر بھر لگا رہتا ہے اور سرگرداں رہتا ہے۔

حجاب ہے اور اگر نفس کی ہمسائیگی اور خطرے سے قلب سالم اور محفوظ رہے تو تدبیر کا اس میں گذر نہ ہونے پاوے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباس مرسیؒ سے سنا کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پیدا کیا اس میں اضطراب تھا پہاڑوں سے اس کو ٹھہرایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا:۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا[۱]

اور پہاڑوں کو گاڑ دیا

اسی طرح جب نفس کو پیدا کیا مضطرب ہوتا تھا تو اس کو جبالِ عقل سے ٹھہرایا پورا ہوا کلام شیخ ابو العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پس جس شخص کی عقل کامل اور نور وسیع ہوتا ہے اس پر پروردگار کی جانب سے سکون نازل ہوتا ہے پس اس کا نفس اضطراب سے ساکن ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب پر وثوق ہوتا ہے پس مطمئنہ بن جاتا ہے یعنی احکامِ الٰہیہ کے روبرو[۲] دب جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے اس کی قضا کے آگے ثابت رہتا ہے تائید خداوندی اور انوارِ غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے تدبیر اور مقابلۂ تقدیر سے برطرف ہوتا ہے اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کیا کفایت[۳] نہیں کرتا تیرا رب ہر شئے پر حاضر و ناظر ہے پھر وہ نفس اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو یوں خطاب کیا جاوے

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

یعنی اے اطمینان والی جان

---

[۱] پہاڑ [۲] سامنے ....

..... [۳] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف اولم یکف بربک انہ علی کل شی شہیدا۔ ۱۲ مترجم

ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً	اپنے رب کی طرف رجوع کر تو
مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ	اس سے راضی وہ تجھ سے راضی
فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ	پس داخل ہو جا میرے بندوں
جَنَّتِیْ ۝	میں اور داخل ہو جا میری جنت میں

آیت کے ذیل میں نفس کی تشریح

اور اس آیت میں ایسے نفس کی بڑی خصوصیتیں اور اوصاف مذکور ہیں :-

اوّل یہ کہ نفس تین طرح کے ہیں امّارہ[1]، لوامہ[2]، مطمئنہ[3] حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا سوائے نفسِ مطمئنہ کے امّارہ کی شان میں فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اور لوّامہ کی شان میں فرمایا وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور اس نفس کو خطاب کر کے فرمایا۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔

دوسرا اس کا ذکر لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہلِ عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

تیسرا اطمانیت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع ہے اور متوکل۔

چوتھا اطمانیت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن کہتے ہیں پست زمین کو جب اس نے تواضع انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی مولانے اُس کی تعریف فرمائی تاکہ اس کی بڑائی ظاہر ہو۔

فرمایا[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کے واسطے بلند قدر کیا اس کو اللہ نے

پانچواں اس کو فرمایا اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۚ اس میں اشارہ ہے کہ نفس امّارہ و لوّامہ کو باعزاز رجوع ہونے کی اجازت نہیں بلکہ یہ دولت نفسِ مطمئنہ کو نصیب ہے چونکہ اس میں وصف اطمینان ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر لوٹ آ کیونکہ ہم نے تیرے لئے اپنی درگاہ میں آنا اور اپنی بہشت میں ہمیشہ رہنا مباح فرما دیا اس میں آدمی کو ترغیب ہے مقام اطمینان کی اور اس مقام تک کوئی نہیں پہونچ سکتا تاوقتیکہ اطاعت اور ترکِ تدبیر اختیار نہ کرے۔

چھٹا اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ فرمایا اِرۡجِعِیۡۤ اِلَی الرَّبِّ نہیں فرمایا نہ اِلَی اللّٰہِ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبار لطف ربوبیت کے ہے باعتبار قہر الوہیت کے نہیں اس میں اس کو مانوس کرنا ہے اور اپنا لطف و کرم و عنایت ظاہر فرمانا ہے۔

ساتواں رَاضِیَۃً فرمایا یعنی خوش ہو اللہ سے دنیا میں اس کے احکام سے اور آخرت میں جو دو[2] انعام سے اس میں بندہ کو آگاہ کرتا ہے کہ رجوع الی اللہ بدون[3] طمانیت و رضا کے میسر نہیں ہوتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جبتک کہ اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو اللہ کے نزدیک آخرت میں مرضی

---

[1] حدیث یہ ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ

[2] بخشش [3] بغیر

و پسندیدہ بھی نہیں ہو سکتا ف کیونکہ مَرْضِیَّۃً پر رَاضِیَۃً کو مقدم کیا ت اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا بندے سے خوش ہونا نتیجہ اس کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہو اور دوسری آیت سے ف رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ج ت معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا اللہ سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہو ف حاصل اعتراض یہ ہے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ت جواب ہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں کی تطبیق میں کچھ خفا نہیں وجہ یہ کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مدلول یہ ہے کہ وجود ترتیبی میں پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اسی کو مقتضٰی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اوّل ان سے راضی[۱] نہ ہو تو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں ف کیونکہ کمالات عبد کے بالعرض ہیں اور کمالات حق کے بالذات اور ما بالذات مقدم ہوتا ہے ما بالعرض پر ؎

اگر از جانب معشوق نباشد کششے

طلب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

ت اور دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکورہ بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہو گا اللہ اس سے آخرت میں خوش ہو گا اور یہ بات ظاہر ہے

---

[۱] عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع، کے پروانہ شیدا می شود

اس میں کچھ اشکال نہیں۔

آٹھواں اس کے حق میں فرمایا مَرْضِیَّۃً اور اس نفس کی بڑی تعریف سب تعریفوں سے بڑھ کر ہے کیا تو نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سُنا۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ — یعنی اللہ کی طرف سے رضامندی ہونا سب سے بڑی دولت ہے۔

یہ بعد بیان نعیم اہلِ جنت کے فرمایا ہے مطلب یہ ہوا کہ دولت رضا تمام نعمائے جنت سے بزرگ تر ہے۔

نواں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ فرمایا اس میں نفسِ مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کے لئے پکارا اور بلایا گیا اور یہ لوگ کون بندے ہیں وہ خصوصیت و نصرت کے بندے ہیں مملوکیت و قہر کے بندے نہیں وہ ایسے بندے ہیں جن کی شان میں فرمایا:۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ ؕ — یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

اور خود شیطان کے قول سے خبر دی:۔

اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ؕ — یعنی تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤں گا۔

وہ بندے نہیں جن کے حق میں فرمایا:۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی — یعنی جتنے آسمان و زمین والے ہیں سب کو رحمٰن کے پاس بندہ

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ٥ بندہ ہو کر آتا ہے۔

پس نفسِ مطمئنہ کو اس ارشاد فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کی زیادہ خوشی ہے، دوسرا ارشاد ہے وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کیونکہ پہلی نسبت اپنی طرف ہے اور دوسری نسبت جنت کی طرف۔

دسواں وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو اوصاف نفسِ مطمئنہ میں ہیں انھوں نے اس نفس کو اس قابل بنادیا کہ اس کے خاص بندوں میں داخل کیا جاوے اور جنت میں داخل کیا جاوے، دنیا میں جنت طاعت اور آخرت میں مشہور جنت میں اور اللہ خوب جانتا ہے

فائدہ یہ آیت دو صفوں کو متضمن ہے ہر ایک کا مدلول یہی ہے کہ قولِ علی تدبیر کو ترک کیا جاوے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس نفس کی کئی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائیں اس کو چند اوصاف سے موصوف فرمایا ایک طمانیت دوسری رضا اور یہ دونوں بدون ترکِ تدبیر نہیں حاصل ہوتے کیونکہ نفس جبھی مطمئن ہوگا جب اللہ کی خوبی تدبیر پر وثوق کرکے اس کے آگے تدبیر چھوڑ دے وجہ یہ کہ جب اللہ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکائے گا۔ اس کے حکم کی اطاعت بھی کرے گا اس کے فرمانے کو مانے گا پھر اس کی ربوبیت پر مطمئن ہوگا اور اس کی الوہیت پر اعتماد کرکے قرار پکڑے گا اور اضطراب نہ رہے گا کیونکہ اس کو نورِ عقل جو عطا فرمایا ہے وہ اس کو ثابت رکھے گا اور اس کو کبھی جنبش نہ ہوگی اس کے احکام کے آگے دب جائے گا اس کے توڑنے جوڑنے میں اپنے کو اس کے سپرد کردے گا۔

فائدہ کا جاننا چاہیئے کہ حکمت تدبیر و اختیار کے پیدا کرنے میں اپنی قہاریت کا ظہور کرنا ہے پس جب حق تعالیٰ سبحانہٗ نے چاہا اپنے بندوں کو صفتِ قہر سے اپنی شناخت کرلئے ان میں تدبیر و اختیار کو پیدا کیا پھر ان کو حجابوں سے وسعت دی تب کہیں تدبیر ان سے ممکن ہوئی کیونکہ اگر حضوری اور معاینہ میں رہتے تو تدبیر و اختیار ممکن نہ ہوتا جیسے ملاءِ اعلیٰ کو ممکن نہیں۔

پس جب بندوں نے تدبیر و اختیار شروع کیا اپنے قہر و غلبہ سے اس تدبیر کی طرف توجہ فرماتے ہوئے ان کے ارکان کو ہلا دیا اور ان کی عمارت کو گرا دیا جب اپنے غلبہ مراد سے بندوں کو اپنی شناخت کرائی ان کو یقین ہوا کہ بیشک وہی اپنے بندوں پر قاہر ہے سو ارادہ تیرے اندر اس واسطے پیدا نہیں کیا کہ وہ تیری چیز ہو بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اس کا ارادہ تیرے ارادے پر غالب آوے پس تجھ کو معلوم ہو جاوے کہ تیرا ارادہ کچھ نہیں اسی طرح تدبیر کو اس لئے نہیں بنایا کہ تجھ میں ہمیشہ رہا کرے بلکہ اس واسطے بنایا کہ تو بھی تدبیر کرے پھر اس کی تدبیر چلے تیری نہ چلے اسی[۱] واسطے کسی بزرگ سے جو پوچھا گیا تم نے اللہ کو کاہے سے پہچانا جواب دیا ارادے کے توڑنے سے۔

فصل رزق کی فکر اور دنیا طلبی کو شیطانی دھوکوں کی تفصیل اور علاج

ہم نے اوپر وعدہ کیا تھا کہ تدبیر رزق کے بارے میں ایک مستقل باب

[۱] حضرت عمر فاروق رضؓ کا فرمان ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ

لادیں گے۔ ف یعنی وہ باب یہی ہے ت کیونکہ اکثر قلوب میں جو تدبیریں آتی ہیں وہ رزق کے لئے ہوتی ہیں ت یعنی تقریر گذشتہ میں تو مطلق تدبیر کی بحث تھی اور یہاں خاص تدبیر رزق کی ہے ت جاننا چاہیئے کہ تدبیر رزق سے قلوب کا سالم رہنا بڑی عنایت ہے یہ انھیں کو میسر ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ خوبی و وثوق میں سچا معاملہ کیا ہے پس اُن کے دلوں کو چین ہو گئی اور توکّل کو محقق کر لیا یہاں تک کہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ رزق کے قضیّہ کو میرے لئے مضبوط کر لاؤ اور مقامات کو جانے دو ف یعنی اپنے مریدوں سے فرمایا کہ رزق کے معاملے میں توکل ٹھیک کر لو اور مقامات میں چنداں ریاضت کی حاجت نہیں ت اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے بھاری فکر یہ ہے کہ کھلانے کا تقاضہ ہوتا ہے اور شیخ موصوف نے جو فرمایا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آدمی کو ایسی مدد کا محتاج بنایا ہے کہ اس کی ترکیب کو قایم رکھے اور اس کی قوت کو بڑھا دے کیونکہ اس میں جو حرارت غریزی ہے وہ اجزائے بدن کو تحلیل کر دیتی ہے اور جب غذا پہنچتی ہے اس کو معدہ طبخ[1] دے کر اس کا خلاصہ قبول کر لیتا ہے وہ جزو بدن اور تحلیل شدہ کا بدل ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انسانوں کو مدد حسی[2] اور غذا کھلانے سے مستغنی کر دیتا مگر اللہ کو منظور ہوا کہ جاندار کا محتاجِ غذا ہونا اور اس کی طرف مضطر ہونا اور اپنا ان حاجات سے غنی ہونا ظاہر فرما دے اسی واسطے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ یعنی کہہ دو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] پکا کر اور ہضم کر کے [2] ظاہری

وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

کیا خدا کے سوا کسی کو مددگار بناؤں اور خدا بھی کیسا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور وہ اوروں کو کھلاتا ہے۔ اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح دو وصفوں سے فرمائی ایک یہ کہ اوروں کو کھلاتا ہے کیونکہ جتنے بندے ہیں سب اس کے احسان سے لے رہے ہیں اور اس کے رزق و منّت سے کھا رہے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ کھاتا نہیں کیونکہ حاجتِ غذا سے مقدّس ہے بلکہ وہ صمد ہے اور صمد اسی کو کہتے ہیں جس کو کھانے کی حاجت نہ ہو اور یہ کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان ہی کو محتاجِ غذا بنایا اور موجودات کو نہیں بنایا وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اپنی صفات سے اس قدر عنایت فرمایا کہ اگر اس کو بھوک نہ لگے تو خدا جانے کیا دعویٰ کر بیٹھے یا کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کرنے لگے اللہ تو بڑی حکمت والا خبردار ہے اس کو منظور ہوا کہ اس کو کھانے پینے کا محتاج بنا دیں تاکہ بار بار کا محتاج ہونا سبب ہو جاوے اس کا کہ نہ خود دعویٰ کرے نہ کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کر سکے۔

حیوانات کو ضروریات اور حاجات کا محتاج بنانے کا فائدہ

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نوع حیوان کو خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی محتاج بنا دیں تاکہ اس کو اللہ کی معرفت ہو یا اس کے ذریعے سے اللہ کی معرفت ہو ف اگر آدمی اپنے نفس میں غور کرے تو اس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اگر اس کے بھی حالات میں کوئی دوسرا

غور کرے تو اس کے ذریعے سے اس غور کنندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تو دیکھتا نہیں کہ محتاج ہونا بڑا ذریعہ ہے اللہ تک پہونچنے کا اور بڑا وسیلہ ہے جو تجھ کو خدا تک پہونچا دے تو نے اللہ کا ارشاد نہیں سُنا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝	یعنی اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کے قابل ہے۔

پس محتاجی کو سبب بنایا اللہ تک پہونچنے کا اور اس کے روبرو ہمیشہ حاضر رہنے کا اور شاید اس مقام میں سمجھ گیا ہوگا معنی اس حدیث کے جو کہ فرمایا[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو یعنی جس نے اپنے کو پہچانا ساتھ محتاجی اور فقر اور ذلت اور فاقہ اور مسکینی کے پہچانا اس نے اپنے رب کو ساتھ عزت اور غلبہ اور کرم اور احسان وغیرہ اوصافِ کمال کے خصوصاً نوع آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اسباب حاجت کو مکرر فرمایا اور انواع احتیاج کو متعدد کیا کیونکہ یہ محتاج ہے اپنے معاش و معاد کی اصلاح کا اس مقام میں اس آیت کو سمجھو۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝	یعنی ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا۔

یعنی دنیا و آخرت کے کاروبار میں چونکہ اللہ کے نزدیک یہ مکرّم ہے اس لئے اسبابِ حاجت کو اس میں مکرر فرمایا دیکھو کہ اقسامِ حیوانات بسبب

[1] حدیث یہ ہے من عرف نفسہ عرف ربہ

اون اور بال کے لباس کے محتاج نہیں اور اپنے بھان اور گھونسلہ کے سبب گھر سے مستغنی ہیں۔

فائدہ دوم وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو انسان کا امتحان مقصود ہے اس لئے متفرق چیزوں کا اس کو محتاج بنا دیا تاکہ دیکھیں کہ اپنی عقل و تدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے یا اللہ کی تقسیم و تقدیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فائدہ سوم اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندہ کا محبوب بنے، پس جس وقت اسباب حاجت کے اس پر وارد کر کے وہ حاجت رفع فرماتا ہے اس وقت اس کے نفس میں ایک حلاوت اور قلب میں ایک راحت پیدا ہوتی ہے، یہ تجدید محبت کا موجب[1] ہوتا ہے۔

فرمایا[2] پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے محبت کرو چونکہ اپنی نعمتوں سے تم کو غذا دیتا ہے پس جس قدر نعمتیں تازہ ہوتی جاتی ہیں ویسے ہی محبت تازہ ہوتی ہے۔

فائدہ چہارم اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ شکر کیا جاوے پس بندوں پر اوّل حاجت وارد فرمائیں پھر اس کو پورا کیا تاکہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کو احسان و ساوک کے ساتھ پہچانیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○	یعنی کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور شکر بجالاؤ اس کا، شہر ہے ستھرا اور رب ہے

---

[1] سبب [2] حدیث یہ ہے احبوا اللّٰہ لما یغذوکم بہ ۱۲ تنویر

ہے نخشے والا۔

فائدہ پنجم حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندوں پر دروازۂ مناجات یعنی رازداری کا کشادہ فرماوے جب وہ کھانوں کے اور دوسری نعمتوں کے محتاج ہوتے ہیں بلند ہمتی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس کی مناجات سے مشرف ہوتے ہیں اور اس کے عطایا سے دیئے جاتے ہیں اور اگر محتاجی ان کو مناجات کی طرف نہ لاوے تو عام لوگ ہرگز اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور اگر حاجت نہ ہوتی تو بجز اہلِ عشق کے بابِ مناجات کو کوئی نہ کھلواتا پس حاجت کا وارد ہونا سبب مناجات کا ہوا اور مناجات بڑی بزرگی ہے اور عزت کا بڑا رتبہ ہے تم خیال نہیں کرتے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر اس ارشاد میں فرمائی ہے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ؎

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں لڑکیوں کی خاطر سے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف پھرے۔ پھر دعا کی کہ اے پروردگار بیشک میں اس رزق کا جو میرے واسطے اتارا ہے محتاج ہوں۔

حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں قسم اللہ کی اور کچھ نہیں مانگا بجز ایک روٹی کے جس کو کھاویں اور لاغری سے یہ حال ہو گیا تھا کہ پیٹ کی جھلی کے اندر سے ساگ کی سبزی نظر آتی تھی پس غور کر تجھ پہ اللہ کی مہر ہو کہ کس طرح خدا تعالیٰ سے سوال

؎ یہ سوال بے صبری سے نہ تھا بلکہ بہانہ مناجات تھا۔ ۱۲ ملفوظ شریف

کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ بجز خدا کے کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اور مومن کو ایسا ہی ہونا زیبا ہے اللہ سے چھوٹی بڑی سب چیزیں مانگنی چاہیئں یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ میں نماز میں[1] اللہ سے مانگا کرتا ہوں، یہاں تک کہ آٹے کا نمک بھی، اور اے ایمان والے جس چیز کی حاجت ہو اس کے قلیل ہونے کے خیال سے مانگنے سے مت رہ، اگر قلیل اس سے نہ مانگے گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہ ملے گا جو وہ چیز عنایت کرے اور مطلوب اگرچہ قلیل ہی ہو لیکن چونکہ ذریعہ مناجات بن گیا اس اعتبار سے تو جلیل ہے

دعا کی حقیقت

یہاں تک کہ شیخ ابو الحسن رح فرماتے ہیں کہ دعا میں اس کی فکر نہ ہونا چاہیئے کہ وہ کام پورا ہو جاوے اس میں تو اپنے رب سے حجاب ہو جاتا ہے بڑا قصد مناجات مولیٰ ہونا چاہیئے

تشریح آیت

اور اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ یہ کہ مومن کو اپنے رب سے تھوڑا بہت سب مانگنا چاہیئے اور اس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا فائدہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اسم ربوبیت سے پکارا کیونکہ اس مقام کے مناسب یہی ہے کیونکہ رب اس کو کہتے ہیں جس نے تجھ کو اپنے احسان سے پالا ہو اپنی منت سے تجھ کو غذا دی ہو۔ اس اسم میں اپنے مالک کو مہربان بنانا ہے کہ اس کو اسم ربوبیت سے ندا کی جس کے آثار فوائد

[1] یعنی نماز کے بعد دعا میں، اور حدیث شریف میں حکم ہے کہ جوتہ کے تسمہ کی بھی ضرورت پڑے تو اللہ سے مانگو۔

کبھی ان سے بند و موقوف نہیں ہوتے۔

تیسرا فائدہ یوں کہا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ یوں نہیں کہا اِنِّیْ اِلَی الْخَیْرِ فَقِیْرٌ اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر اِلٰی خَیْرِکَ فَقِیْر یا اِلَی الْخَیْرِ فَقِیْر کہتے تو یہ بات نہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ رزق اُتار چکا ہے اور ان کو مہمل نہیں چھوڑا اس لئے یوں کہا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ تاکہ معلوم ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے وثوق ہے اس کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھولے گا نہیں گویا اس طرح کہا کہ اے پروردگار یہ مجھ کو یقین ہے کہ تو نہ مجھ کو اور نہ کسی دوسری مخلوق کو مہمل چھوڑے گا اور تو میرا رزق نازل فرما چکا ہے اب اس نازل کئے ہوئے رزق کو میرے پاس جس طرح چاہے جس طور سے چاہے اپنے احسان و امتنان کے ساتھ مقرون کر کے بھیج دے سو اس میں دو فائدے ہو گئے۔ ایک طلب، دوسرا اقرار اس امر کا کہ حق تعالیٰ شانہ ان کا رزق نازل فرما چکا ہے مگر وقت اور سبب اور واسطہ معیّن نہیں فرمایا تاکہ بندے کو اضطرار ہو اور اضطرار کے ساتھ قبولیت ہوتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ	آیا کون ہے کہ دعا قبول کرتا ہے
اِذَا دَعَاہُ	مضطر کی

اور اگر سبب اور وقت اور واسطے کو معیّن فرما دیتے تو بندوں کو اضطرار نہ ہوتا جو کہ ابہام کے وقت حاصل ہے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا، قدرت والا علم والا۔

چوتھا فائدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبودیت

کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقامِ عبودیت میں کمال حاصل تھا پھر
بھی اللہ سے مانگا اس سے معلوم ہوا کہ طلب کرنا مقامِ عبودیت کے منافی نہیں

ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر طلب کرنا مقامِ عبودیت کے خلاف نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں طلب کیا جب ان کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا اور جبرئیل علیہ السلام نے آکر پوچھا کہ آپکو کچھ حاجت ہے اور آپ نے جواب دیا کہ تم سے تو نہیں ہاں اللہ سے ہے پھر جبرئیل علیہ السلام بولے اللہ ہی سے دعا کرو اور آپ نے فرمایا میرے مانگنے سے اس کا جاننا بس کرتا ہے سو علم الٰہی پر اظہار طلب سے اکتفا کیا جواب اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر وہی معاملہ کرتے ہیں جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مناسب ہے سو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس مقام پر یہی مقصود ہے کہ طلب نہ کروں اور اس کے جاننے پر اکتفا کروں سو یہ اسی کے موافق تھا جو اللہ کی طرف سے سمجھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنا راز وعنایت جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھی ملاءِ اعلیٰ پر ظاہر کردوں جنسے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا تھا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور انھوں نے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو مقرر فرماتے ہیں جو زمین میں فساد وخونریزی کریگا اور ہم تو تسبیح وتحمید وتقدیس آپ کی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ..
بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے پس جس روز ابراہیم علیہ السلام منجنیق میں پھینکے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس ارشاد کا بھید ظاہر کرنا منظور ہوا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے گویا اس طرح فرمایا کہ اے وہ لوگو جو یوں کہتے تھے کہ آپ مفسد اور

خونریز کو زمین میں خلیفہ بناتے ہیں تم نے میرے خلیل کو کیسا دیکھا زمین میں اہل فنا سے جو خرابیاں ہونے والی ہیں جیسے نمرود اور اس کے امثال سے ہوئیں تم نے اُن پر تو نظر کی اور اہلِ اصلاح اور رشد سے جو خیر ہونے والی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اور جو اہل عشق میں سے اُن کے پیرو ہیں ان سے ہوئیں اس پر نظر نہیں کی، رہے موسیٰ علیہ السلام ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی مقصود ہے کہ احتیاج ظاہر کریں اور نہ ہانِ سوال کھولیں سو مقتضائے وقت کا حق بجا لائے اور ہر ایک شے کی ایک جہت ہے جس طرف اس کا رُخ ہے اور سب کے پاس دلیل روشن اور ہدایت اور توفیق من اللہ اور رعایت ہے۔

پانچواں فائدہ غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کس طرح رزق طلب کرتے ہیں کہ صراحۃً نہیں مانگا، بلکہ اللہ کے روبرو اپنے فقر و حاجت کا اقرار کیا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے غنی ہونے کی گواہی دی کیونکہ انھوں نے جب اپنے کو فقر و فاقہ سے پہچانا اس وقت اپنے رب کو غنا اور بھرپوری کے ساتھ پہچانا اور یہ مناجات کے بساطوں میں سے ایک بساط ہے۔ ف یعنی طریق مناجات سے ایک طریقہ ہے ت اور یہ بساط بہت ہیں کبھی اللہ تعالیٰ تجھ کو بساط فقر پر بٹھلاتا ہے اس وقت تو پکارے گا یا غنی کبھی بساط ذلت پر بٹھلاتا ہے اس وقت پکارے گا یا عزیز کبھی بساط عجز پر بٹھلاتا ہے تو پھر پکارے گا یا قوی اسی طرح باقی اسماء ہیں سو موسیٰ علیہ السلام نے فقر و فاقہ کا اقرار کیا اس میں تعریض و اشارہ ہو گیا طلب کا اگرچہ صاف طلب نہیں

لہ یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولکل وجھۃ ھو مولیھا ۱۲ مترجم

ہوئی اور تعریض طلب کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ بندہ اپنے اوصافِ فقر و حاجت کو ذکر کرتا ہے اور کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے مالک کے اوصافِ جہات یکتائی بیان کرتا ہے جیسا حدیث میں آیا ہے میری اور انبیاء سابقین کی سب دعاؤں میں افضل یہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ سوا اللہ کی ثنا کو بھی دعا فرمایا کیونکہ اپنے غنی مالک کے اوصافِ کمال ذکر کر کے تعریف کرنا اس کے فضل و عطا کا تعریضاً مانگنا ہے جیسا شاعر کا قول ہے ؎

اسقدر ہے صاحبِ خُلق کریم	خُلق یکساں اس کا ہے صبح و مسا
گر کرے اس کی ثنا کوئی کبھی	مانگنے سے اس کو کافی ہے ثنا

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا ہے۔

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ	یعنی یونس علیہ السلام نے اندھیروں
لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ	میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود
اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ	نہیں تو پاک ہے میں بے موقعہ

کام کرنے والوں میں ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ بیان فرمایا!

فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ	یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کرلی
مِنَ الْغَمِّ ط وَکَذٰلِکَ	اور ان کو غم سے نجات دی اور
نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ٥	اسی طرح ایمان والوں کو نجات

دیا کرتے ہیں۔

اور یونس علیہ السلام نے صراحتاً سوال نہیں کیا لیکن چونکہ اپنے رب عزوجل

کی ثنا کی اور اس کے روبرو اپنی خطا کا اقرار کیا تو اس کی طرف اپنا محتاج ہونا ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو طلب قرار دیا ف کیونکہ جواب میں فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فرمایا جس کے معنی ہیں سوال پورا کرنا

چھٹا فائدہ اور یہ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے ساتھ سلوک کر دیا اور ان سے اُجرت وجزا طلب نہیں کی بلکہ جب اُنکی بکریوں کو پانی پلا چکے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے مانگا اُن دونوں سے نہیں مانگا بلکہ اپنے مالک سے مانگا جس کی یہ شان ہے کہ جب اُس سے مانگا اس نے عطا کیا اور صوفی وہی ہے کہ اوروں کے حقوق جو اس کے ذمّے ہیں پورے کر دے اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں ؎

عمر شکوہ خلق میں ضائع نہ کر — وقت کم ہے اور جاتا ہے چلا
کیوں شکایت ہے تجھے جب ہے یقین — ہوتا ہے جو کچھ وہ سب لکھا گیا
جب خدا کا حق نہیں کرتے وفا — کیا وفا تجھ سے کریں گے یہ تو کیا
دیکھ جو کچھ تجھ پہ ہیں ان کے حقوق — صبر سے ان کو تو پورا کر ادا
جب کرے کچھ کام کر اس کا خیال — ہے خدا تیری نیت کو جانتا

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حق ادا کیا اور اپنا حق نہیں مانگا ان کے لئے اللہ کے پاس پوری جزا ہوئی اور دُنیا میں بھی سرِ دست عنایت فرمائی، علاوہ اس کے جو آخرت میں جمع ہے یعنی ایک لڑکی سے انکا نکاح کر دیا اپنے نبی شعیب علیہ السلام کا داماد بنایا اور ان کے ساتھ مانوس کر دیا یہاں تک کہ

پیغمبری کا وقت آگیا سو اے بندے اپنا معاملہ اللہ ہی سے رکھ نفع والوں میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ تیری وہی خاطر کرے گا جیسی متقی بندوں کی فرمائی۔

ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دیکھو۔
فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰىٓ
اِلَى الظِّلِّ (ترجمہ اوپر گذر گیا)

اِس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو جائز ہے کہ سایہ کو دھوپ پر اور سرد پانی کو گرم پانی پر اور سہل طریق کو دشوار طریق پر اختیار کریں اور مقدم رکھیں اور اس امر سے مقام زہد سے خارج نہیں ہوتا دیکھو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا کہ تَوَلّٰىٓ اِلَى الظِّلِّ یعنی سایہ کا قصد کیا۔

ایک شبہ کا جواب اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس گیا اور دیکھا کہ جس گھڑے کا پانی پیتے ہیں اس پر دھوپ پھیل رہی ہے اس مقدمے میں ان سے کہا گیا اُن بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جب یہ گھڑا رکھا تھا تو دھوپ نہ تھی اب مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے حظِ نفس کے لئے چلوں۔ جواب میں جاننا چاہیے کہ یہ اُس شخص کی حالت ہے جو صدق کو بتکلف طلب کر رہا ہے اور اپنے نفس کو اس کی آرزوؤں سے روک رہا ہے تاکہ اس کو غفلت عن اللہ سے باز رکھے اور اگر اس کا مقام کامل ہو چکتا تو پانی کو دھوپ سے اٹھا لیتا اور قصد یہ ہوتا کہ اپنے نفس کا حق اس لئے ادا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے نہ اس کی لذت حاصل کرنے کو بلکہ اس لئے کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا

کروں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ
وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ آسانی چاہتا ہے دشواری
نہیں چاہتا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ یعنی اللہ کو منظور ہے کہ تم سے
عَنۡکُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ بوجھ ہلکا کردے اور انسان
ضَعِیۡفًا ۝ پیدا ہوا ہے کمزور۔

اسی واسطے فقہاء کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی منّت ملنے کہ مکہ معظمہ تک ننگے پاؤں جاؤں گا تو اس کو جوتہ پہن لینا جائز ہے برہنہ پا جانا واجب نہیں کیونکہ شریعت کا خاص یہ مقصود نہیں کہ لوگ سختی میں پڑیں اور شریعت لوگوں کو لذات حاصل کرنے سے نہیں روکتی اور کیونکر روکے آخر یہ لذّات تو انھیں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

نفس کی لذتیں حاصل کرنے کا ایک واقعہ

الربیع بن زیاد حارثی رحمہ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ میرے بھائی عاصم کے مقدمے میں میری مدد فرمائیے، آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے عرض کیا کمل اوڑھا ہے فقیر بننا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ غرض وہ اس ہیئت سے حاضر کئے گئے کہ ایک کملی باندھے ہوئے تھے اور دوسری کملی اوڑھے ہوئے تھے سر

اور داڑھی کے بال میلے پریشان تھے آپ ان کو دیکھ کر چیں بہ جبیں[۱] ہوئے اور
فرمایا تیرے حال پر افسوس ہے تجھ کو اپنی بیوی سے شرم نہ آئی تجھ کو اپنے بچے پر ترس
نہ آیا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ستھری چیزیں مباح کر کے پسند نہیں کرتا کہ تو اس میں سے
کچھ کھائے تیری قدر اللہ کے یہاں اتنی کہاں ہے کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں
سنا۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اِلٰی قَوْلِهٖ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ ...
وَالْمَرْجَانُ ہ تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اسی واسطے مباح کی ہیں
کہ برتیں اور اللہ کی تعریف کریں پھر اللہ ثواب دے اور اللہ کی نعمتوں کا ابتذال[۲]
فعلی قولی ابتذال سے بہتر ہے ف یعنی کھانے پینے برتنے میں تو فعلاً ابتذال ہے
اور انکار میں قولاً ابتذال ہے کہ اس کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دیا تو برتنا ترک سے
بہتر ٹھیرا ات عاصم رح بولے پھر آپ کی کیا حالت ہے کہ موٹا کھاتے ہیں اور موٹا
پہنتے ہیں حضرت علی رض نے جواب دیا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق[۳]
پر اسی بات کو فرض کیا ہے کہ اپنے کو غریب لوگوں کے برابر رکھیں ف تاکہ غرباء
کو ان تک رسائی ہو اور ان کی حالت دیکھ کر تسکین ہو اور بہت مصلحتیں ہیں،
ت حضرت علی رض کی تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے یہ نہیں
طلب کیا کہ لذات کو چھوڑ دیں بلکہ ان کو شکر ادا کرنے کا حکم کیا ہے پس فرمایا ہے

---

[۱] ناراض و خفا [۲] ان آیتوں میں بیان ہے نعمتوں کا سورہ رحمٰن ۱۲ مترجم

[۳] چھوڑ دینا دنیاوی لذت و آرام کو یہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری اور نعمتوں
کو ٹھکرا کر ان کو حقیر کرنا ہے

[۴] یعنی مسلم بادشاہوں اور ذمہ دار لوگوں پر۔

اللہ تعالیٰ نے :-

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ	یعنی اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو،

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ	یعنی اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور شکر و اللہ کا

اور فرمایا :-

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا	یعنی اے پیغمبرو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو اچھے،

اور یوں نہیں فرمایا کہ کھاؤ مذمت بلکہ یوں فرمایا کہ کھاؤ اور عمل کرو اگر کوئی اعتراض کرے کہ دونوں آیتوں میں طیّبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ شریعت کی نظر میں تو طیّب وہی ہیں تو جواب سمجھو کہ یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ وہ اس وجہ سے طیب ہیں کہ ان کے ساتھ گناہ یا مذمت یا حجاب متعلق نہیں ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ طیّبات سے مراد لذیذ کھانے ہوں اور حکمت ان کی اباحت اور کھانے کی اجازت کی یہ ہے کہ ان کا کھانے والا لذت پانے پھر اس کی ہمت شکر کے لئے بڑھے اور خدمت بجا لائے اور حق حرمت[1] کی رعایت

[1] نعمتوں کا شکر بجا لانے میں کوتاہی نہ کرے اور حرام چیزوں بچنا بھی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔

رعایت کرے۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹا پانی ٹھنڈا پیا کرو کیونکہ بندہ جب گرم پانی پیتا ہے تو الحمدللہ جی اُترے سے کہتا ہے اور جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو ہر ہر عضو الحمدللہ کہنے میں ساتھ دیتا ہے پھر فرمایا وہ جو گھڑی والے کا قصہ ہے (جو اوپر گذرا) وہ صاحبِ حال ہے اس کا اقتدا نہیں کیا جاوے گا۔

حق تعالیٰ ہی رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہے

اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حیوان کو خصوصاً آدمی کو غذا کے محتاج بنانے میں (جو اس کو مدد پہونچاتی ہے) کیا حکمت ہے اب اس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غذا دینے اور اس کے پہونچانے کی کفالت فرمائی ہے۔

سو جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے جب حیوان کو ایک مدد کا محتاج بنایا جو اس کی امداد کرے اور غذا کا محتاج بنایا جس سے اس کا وجود قایم رہے اور ان دونوں جنس یعنی انسان و جن کی خلقت اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو عبادت کا حکم ہووے اور ان سے اپنی طاعت کا مطالبہ ہو اس لئے ان کو بے فکر کرنے کے لئے یہ فرما دیا:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ

یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق

رِزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ۝

نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو کھلادیں بیشک اللہ رزق دینے والا قدرت والا زور دار ہے۔

سو اللہ تعالیٰ نے بیان کردیا کہ ان دونوں جنس کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا یعنی اس واسطے پیدا کیا کہ ان کو عبادت کا حکم کریں جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اے غلام میں نے تجھ کو صرف اس لئے خریدا ہے کہ تجھ کو خدمت کا حکم کروں اور تو اس کو بجالائے ف یہ تاویل اس واسطے کی کہ معتزلہ کا مذہب ٹوٹ جائے چنانچہ آگے آتا ہے ت اور کبھی غلام مخالفت اور سرکشی کرتا ہے اور تیرا خریدنا اس واسطے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیری مہمات[1] بجالانے اور تیرے کام پورے کرے

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید

اور معتزلی لوگ اس آیت کو ظاہر پر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو صرف اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور کفر و معصیت کے خالق خود بندے ہیں اور ہم اس مذہب کو اوپر باطل کر چکے ہیں ف حاصل جواب کا اہل سنت کی طرف سے یہ ہے کہ قصد دو ہیں ایک[1] قصد تشریعی، دوسرا قصد[2] تکوینی سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ صرف عبادت کے قصد سے ان کو پیدا کیا یہ قصد تشریعی ہے کہ وہ معصیت کے ساتھ متعلق نہیں کیونکہ شرع میں اس سے ممانعت ہے اور قصد تکوینی یعنی تخلیق طاعت و معصیت دونوں کے

---

[1] مشکل کام

ساتھ متعلق ہے لقولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ سو معتزلہ نے اس آیت میں قصد تکوینی مراد لیا ہے حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ فوائد و ت اور حکمت تخلیق ایجاد کے بیان کر دینے میں لوگوں کو بتلا دینا اور آگاہ کرنا ہے کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا جو ان کے مقدمہ میں مقصود ہے اس سے ناواقف نہیں اور طریق ہدایت سے بھٹک نہ جائیں اور رعایت حقوق کو چھوڑ نہ دیں اور بعض اخبار میں آیا ہے کہ ہر روز چار فرشتے آپس میں سوال جواب کرتے ہیں ایک کہتا ہے کاش! یہ خلقت پیدا نہ ہوتی دوسرا کہتا ہے کہ اگر پیدا ہو چکے تھے تو یہی جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تیسرا کہتا ہے کہ جب جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تو علم کے موافق عمل کرتے چوتھا کہتا ہے کہ اگر عمل نہیں کیا تھا تو بُرے اعمال سے توبہ ہی کرتے۔ پس حق تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ بندوں کو ان کی ذات کے لئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت اور توحید میں مشغول ہوں کیونکہ تو غلام اس لئے نہیں خریدتا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے بلکہ اس لئے خریدتا ہے کہ تیری خدمت کرے پس یہ آیت ایسے لوگوں پر حجت ہے کہ اپنے حظوظ نفس میں رب کے حقوق سے اور اپنی ہوائے نفسانی میں مولیٰ کی طاعت سے غافل ہیں۔

ابراہیمؒ بن ادہم کی توبہ

اسی واسطے ابراہیم بن ادہم جب شکار کو نکلے تو گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہاتف کی آواز سُنی اور یہی ان کی توبہ کا باعث ہوا وہ ہاتف۔ کہتا ہے اے ابراہیم کیا اسی لئے تو پیدا کیا گیا ہے یا تجھ کو یہی حکم ہوا ہے؟ پھر دوسری آواز سُنی اے ابراہیم نہ اس لئے تو پیدا ہوا ہے نہ تجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سو سمجھ دار وہ شخص ہے جو حکمت

ایجاد کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور فقہ حقیقی یہی ہے جس کو یہ عنایت ہوا اس کو بڑی نعمت ملی۔

امام مالکؒ کا فرمان اور فقہ کی تعریف

اور اسی کے حق میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ فقہ ایک نور ہے جس کو اللہ جل شانہٗ قلب میں رکھ دیتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ فقیہ وہ شخص ہے جس کے دیدۂ دل سے حجاب ہٹ جاوے، پس جس کو اللہ کی طرف سے حکمت ایجاد کی سمجھ عنایت ہوگی کہ صرف اس کو اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور صرف خدمت کے لئے بنایا اس کا یہ سمجھنا سبب ہو جائے گا دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف رخ کرنے کا اور حظوظ نفسانیہ کو چھوڑ کر فکر معاد و آمادگی کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جانے کا یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر مجھے خبر دی جاوے کہ تو کل کو مر جاوے گا تو اپنے نفس میں کچھ تغیر نہ پاؤں گا کیونکہ آخرت کے لئے تو تیار ہی بیٹھا ہوں۔

اور کسی بزرگ سے ان کی ماں نے کہا اے بیٹا تو روٹی کیوں نہیں کھاتا جواب دیا کہ روٹی چبانے اور چبے ہوئے کھانے میں پچاس آیتیں پڑھی جاتی ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلوں کو انتظار ہول قیامت اور ملاقات جبار نے اس دنیا سے غافل کر دیا ہے اور اس خیال نے دنیا کی لذت کی آگاہی اور مسرت کی خواہش سے دور ڈال دیا۔

یادِ الٰہی میں غرق انسانوں کے قصّے

یہاں تک کہ

ایک عارف کہتے ہیں میں ملک مغرب میں کسی شیخ کے پاس ان کے گھر گیا اور وضو کے لئے پانی بھرنے اٹھا وہ شیخ اُٹھ کر بھرنے لگے میں نے منع کیا انھوں نے نہ مانا، اور رسّی کا سرا اپنے ہاتھ میں باندھا تاکہ ڈول چھوٹ نہ جاوے ت اور گھر میں ان کے قریب کنوئیں کے کنارے پر زیتون کا درخت تھا کہ گھر پر مثل شامیانہ پھیلا ہوا تھا میں نے کہا اے حضرت رسّی کا سرا اس درخت سے کیوں نہیں باندھ دیتے فرمانے لگے آیا یہاں درخت بھی ہے مجھ کو اس گھر میں ساٹھ برس ہوئے مگر مجھ کو خبر نہیں کہ اس گھر میں درخت بھی ہے سو اے طالب ذرا یہ حکایات اور اس کے مثل کان کھول کر سن تجھ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے سب سے غافل کر دیا ہے اور کوئی شے ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، ان کی عقلوں کو اس کی عظمت نے از خود رفتہ کر دیا ہے ان کی نفسوں کو اس کی ہیبت نے متحیّر بنا دیا ان کے دلوں میں اس کی محبّت بیٹھ گئی، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کے زمرے میں شامل کر لے اور ان سی جُدا نہ کرے۔

اسی طرح کی اور حکایت ہو کہ صعید[1] میں کوئی ولی کسی مسجد میں رہتے تھے کسی خادم نے اجازت چاہی کہ جو مسجد میں جو کھجور کے دو[2] درخت کھڑے ہیں ایک میں سے ایک شاخ توڑلوں انھوں نے اجازت دے دی اُس شخص نے پوچھا کہ حضرت کون سے درخت سے زرد سے یا سُرخ سے فرمایا اے بیٹا مجھ کو اس مسجد میں چالیس برس ہوئے مجھ کو زرد سُرخ کا حال معلوم نہیں،

---

[1] ایک مقام کا نام ہے ۱۲ مترجم

اور ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے بچے ان کے گھر میں پھرا کرتے پوچھتے تھے کہ یہ کس کے لڑکے ہیں جب تک بتلانے نہ جانتے تھے پہچانتے نہ تھے اللہ کے ساتھ ایسے مشغول رہتے ایک بزرگ اپنی اولاد کو دیکھ کر کہتے کہ اگرچہ ان کا باپ جیتا ہے مگر یتیم ہیں، اور اس جھلک[1] کے آثار میں کلام بڑھانا مقصود کتاب سے علیحدہ کر دے گا۔

فوائد آیت اور مقصود کا بیان

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے جن و انس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ ان کو حوائج بشریہ پیش آویں گے کہ اپنے مقتضا کے موافق ان سے مطالبہ کریں گے اور اخلاص توجہ عبودیت کو مشوش کریں گے اس واسطے ان کے لئے رزق کی کفالت فرمائی تاکہ خدمت خداوندی فراغت سے کریں اور طلب رزق میں لگ کر عبادت سے غافل نہ ہو جاویں سو فرمایا:-

مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ — یعنی میں ان سے یہ نہیں چاہتا کہ اپنے کو رزق دیں۔

کیونکہ میں اپنی کفایت و کفالت سے اس میں کافی ہو چکا ہوں:-

وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۝ — یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ مجھے کھلائیں۔

کیونکہ میں قوی ہوں صمد ہوں جس کو کھانے کی حاجت نہیں ہے اسی واسطے اس کے

[1] یعنی فنا فی اللہ بزرگوں کے واقعات اگر سنائے جائیں۔

بعد یہ ارشاد فرمایا :۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

یعنی چونکہ میں ان کا رزق دینے والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے لئے سامان رزق کریں اور چونکہ میں قوت والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں۔

کیونکہ جس کی ذاتی قوت ہوگی وہ کھلائے جانے سے غنی ہوگا پس یہ آیت اس مضمون کو مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا کفیل ہے خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ اور ایمانداروں پر یہ بات لازم ٹھہرادی کہ رزق رسانی میں اس کو یگانہ سمجھیں اور اس کا شمہ بھی مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں اور اسباب[1] اور اکتساب کی جانب مستند نہ کریں۔

علم نجوم کا اثر ایمان پر

اور راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جس کی رات کو بارش ہوچکی تھی فرمانے لگے تم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو تو کچھ خبر نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ آج صبح کو میرے بندوں میں سے بعضے مومن ہوئے بعضے کافر۔ سو جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ شخص تو مجھ پر ایمان لایا اور

[1] یعنی یوں نہ دل سے سمجھیں نہ زبان سے کہیں کہ ہم نے ایسا کیا تو روزی حاصل ہوئی بلکہ اپنے کرنے یا اپنی عقل و خرد کو بیکار محض جان کر یقین کریں کہ جو کچھ ملا ہے صرف مرضی حق سے ملا ہے، آج کل ہمارے یقین اس کے خلاف ہیں ۱۲ نعیمیہ

ستارے کے ساتھ انکار کیا اور جس نے کہا چاند کی فلاں منزل یا فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لایا پس اس حدیث میں اہل ایمان کو بڑا فائدہ اور اہل یقین کو بڑی بینائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی تعلیم ہے اور امید ہے کہ یہ حدیث مومن کو علم نجوم اور ان کی تاثیرات کے قائل ہونے سے رد کرنے کے لئے کافی ہو اور جاننا چاہیئے کہ قضائے الٰہی تیرے مقدمے میں مقدر ہے کہ ضرور اس کو نافذ فرمائے گا اور اس کا حکم مقرر ہے کہ اس کو ظاہر فرما دے گا پھر علام الغیوب کے علم کی جستجو کرنے سے کیا فائدہ ہے حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں کے احوال جستجو کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے لَا تَجَسَّسُوْا تو غیب خداوندی کو جستجو کرنا ہم کو کیسے زیبا ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

میری جانب سے نجومی کو کہو حکم کوکب کو نہیں میں مانتا
جو خدا چاہے وہی ہوگا ضرور بالیقیں اس امر کو ہوں جانتا

فائدہ جاننا چاہیئے کہ صیغہ رزّاق کا فعّال کے وزن[1] پر آنا مبالغہ معنی رزق کو مقتضی ہے سو رزاق زیادہ بلیغ ہے رازق سے کیونکہ فعّال مبالغہ میں فاعل سے زیادہ بلیغ ہے۔ سو ممکن ہے کہ یہ مبالغہ اس وجہ سے ہو کہ جن کو رزق دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود چونکہ رزق بھی بہت ہے اس لئے مبالغہ ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں امر مقصود ہوں۔

دوسرا فائدہ جاننا چاہیئے کہ جس مضمون سے ثنا مقصود ہو اس پر

---

[1] ع. بی گرامر کے لحاظ سے۔ نعیمیہ

صفت کی دلالت فعل کی دلالت سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے سو تیرا یہ کہنا کہ زَیْدٌ محسنٌ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ زَیْدٌ یُحْسِنُ یا قل؟ ہٰذا وجہ اس کی یہ کہ صفت تو ثبوت اور استقرار پر دلالت کرتی ہے اور فعل اپنی اصل وضع میں تجدد اور انقراض کے لئے ہے اسی جہت سے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہنا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَرْزُقُ سے زیادہ بلیغ ہے اور اگر اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَرْزُقُ فرماتے تو صرف اثبات رزاقیت کو مفید ہوتا حصر حاصل نہ ہوتا جب اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو اس نے انحصار کا بھی فائدہ دیا تو جب اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو گویا یوں کہا کہ لَا رَازِقَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔

دوسری آیت رزق اور اس کے فائدے

دوسری آیت رزق کے باب میں یہ ہے:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ

یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو وفات دے گا پھر تم کو جلائے گا۔

یہ آیت دو فائدوں کو متضمن ہے۔

پہلا فائدہ یہ کہ خلق و رزق دونوں ساتھ ساتھ ہیں یعنی جیسا تم نے اللہ کی خالقیت کو تسلیم کر لیا خود دعویٰ خالقیت نہیں کرتے اسی طرح رازقیت

بھی تسلیم کرلو اور رزاقی کے مدعی مت بنو یعنی اللہ تعالیٰ جیسا تخلیق و ایجاد میں یگانہ ہے ایسا ہی رزاقی اور مدد پہونچانے میں یکتا ہے اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور ان کو اس سے ممانعت ہو کہ اس کے رزق کو دوسرے کی طرف سے سمجھیں اور اس کے احسان کو مخلوق کی طرف سے خیال کریں اور اللہ تعالیٰ جیسا بلا واسطہ و بلا سبب و اسباب خالق ہے اسی طرح بے واسطہ بے سبب رزاق بھی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلادی کہ رزق کا قصہ گذر چکا اور اسکی بات پختہ ہو چکی اب قضا کسی وقت اس میں کوئی نئی بات نہیں کرتی اور زمانے کے آنے پر اس کے آنے کا انتظار نہیں البتہ اس کا ظہور تازہ ہوتا ہے نہ کہ ثبوت اور رزق کا لفظ دو قسم کے رزق پر بولا جاتا ہے ایک وہ جو ازل میں مقدر ہو چکا دوسرا وہ جو بندہ کے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس آیت میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ پس اگر مراد وہ رزق ہے جو مقدر ہو چکا اس وقت ثم محض ترتیب ذکری کے لئے ہے ف اور ترتیب وقوع کے لئے نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ بعد پیدا کرنے کے رزق مقدر فرمایا حالانکہ تقدیر سابق ہے ایجاد سے حت اور اگر مراد اس سے وہ رزق ہے جو بعد وجود ظاہر کیا سو یہ آگاہ کرنا ہے تاکہ عبرت حاصل ہو ف یعنی تخلیق کے بعد جو رزق دیا جاتا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے پھر بتلا دینے سے کیا فائدہ جواب دیدیا کہ اہل غفلت کو آگاہ کرنا مقصود ہے حت اور مقصود اس آیت سے جس کے لئے یہ بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت کا ثابت کرنا ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ اے غیر اللہ کے پرستش کرنے والو اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی پہنچائی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو جلائے گا، آیا یہ اوصاف غیر اللہ میں پاتے ہو؟ یا کسی مخلوق میں ان اوصاف کا ہونا ممکن ہے؟ سو جو ذات ان اوصاف میں یگانہ ہے اُسی کی الوہیت کا اقرار کرنا چاہیئے اور اسی کو ربوبیت میں واحد سمجھنا چاہیئے اسی واسطے اس کے بعد فرمایا:۔

هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

یعنی آیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے پاک ہے وہ اور برتر ہے اُس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں

تیسری آیت رزق اور اس کے فوائد

تیسری آیت رزق کے مقدمے میں یہ ہے:۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا .... لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۝ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

یعنی حکم کر واسطے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے، ہم تم کو خود روزی دیں گے، اور نیک انجام

تقوی کا ہے۔

اور اس آیت میں چند فوائد ہیں :۔

پہلا فائدہ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ مخاطب اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر اس کا حکم اور وعدہ آپ کی امت کے ساتھ بھی متعلق ہے پس ہر بندے کو یہی کہا جاتا ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو جاننا چاہیئے کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر کیونکہ جیسا اسباب دنیا وی سے ان کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کی حاجت کا خیال رکھنا تجھ پر واجب ہے اسی طرح یہ سلوک کرنا بھی تجھ پر واجب ہے کہ ان کو اطاعت الٰہی کی طرف لاوے[1] اور اس کی نافرمانی سے بچاوے اور جیسا تیرے گھر والے دنیاوی سلوک کے مستحق ہیں اسی طرح اخروی کے بھی مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ تیری رعیت ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ — یعنی تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حال پوچھا جاوے گا۔

اور دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ — یعنی اپنے قرابت والے کنبے

---

[1] اس تدبیر کو تدبیر محمود کہتے ہیں اور جو تدبیر آخرت کے لئے ہو وہ بھی محمود ہے ۱۲ ملفوظ شریف

کو ڈرا ؤ جیسا۔ یہاں فرمایا وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ

دوسرا فائدہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں اوّل یہ فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو پھر حکم کیا کہ تم بھی دوام کرو تاکہ یہ بات جتلا دیوے کہ یہ آیت خاص اسی مضمون کے لئے بیان کی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز پڑھاؤ اور دوسرا مضمون طبعاً ضمناً آگیا ہے اگرچہ بذات خود وہ بھی مقصود ہو لیکن چونکہ بندہ یقیناً جانتا ہے کہ مجھ کو تو نماز کا حکم ہے ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو ایسے امر سے آگاہ فرما دے جس کا مہمل چھوڑ دینا ممکن ہے ف یعنی گھر والوں کو نماز پڑھوانا ۔ اس لئے اپنے رسول کو حکم فرمایا تاکہ وہ لوگ بھی سنیں اور پیروی کریں پھر اس کی طرف دوڑیں اور اس کی بجا آوری پر دوام کریں۔

تنبیہ جاننا چاہیئے کہ تجھ پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرے جیسے بیوی، لونڈی بیٹی اور ان کے سوائے جو اپنے متعلق ہوں اور نماز چھوڑنے پر اُن کو مارنا بھی جائز ہے اور اللہ کے پاس تیرا یہ عذر قبول نہیں کریں گے نے تو کہا تھا انھوں نے سنا ہی نہیں اگر گھر والوں کو یقین ہو جاوے کہ تجھ پر اُن کا نماز چھوڑنا اس قدر شاق ہے جیسے کھانا بگڑ جانا یا ضروری کام کا رہ جانا تو ہرگز نماز نہ چھوڑیں مگر اُن کو تو عادت ہو گئی ہے کہ تو اُن سے اپنے حظوظ نفسانیہ[1] میں مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا اسی واسطے وہ لوگ ان حقوق کی رعایت نہیں رکھتے اور جو شخص خود نماز کا پابند ہو اور اس کے

---

[1] اپنی خواہشات کا ۱۲ نعیمیہ

گھر والے نماز نہ پڑھتے ہوں اور وہ ان کو تاکید بھی نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز ان ہی لوگوں کی جماعت میں اٹھے گا جو نماز کو ضائع کرنے والے تھے اور اگر کوئی کہے کہ میں نے تو ان سے کہا تھا مگر انھوں نے نہیں کیا اور ان کو نصیحت کی تھی مگر انھوں نے نہیں مانا اور مار پیٹ کی بھی سزا دی مگر وہ کسی طرح سے سیدھے ہی نہیں ہوتے اب میں کیا کروں جواب یہ ہے کہ تجھ کو چاہیئے کہ جس کی مفارقت طلاق و بیع[1] سے ممکن ہے اس سے مفارقت کر اور جس سے مفارقت[2] ممکن نہیں اُس سے اعراض کر اور اللہ کے لئے اُن سے بولنا چھوڑ دے کیونکہ اللہ کے لئے کسی سے جدا ہونا اللہ سے وصل کرنا ہے۔

فضائلِ نماز و فائدہ سوم

یہ جو فرمایا کہ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا یعنی نماز پر صبر کرو اور قائم رہو اس میں اشارہ ہے کہ نماز میں نفس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے جو نفس پر شاق ہے کیونکہ نمازیں لوگوں کے لذّات و اشغال کے وقت میں آتی ہیں اور تقاضہ کرتی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑا ہو اور غیر اللہ سے بالکل فارغ ہو جا دیکھو صبح کی نماز کیسے نیند کے مزیدار وقت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اپنے حظوظ میرے حقوق کے لئے اور اپنی مراد میری مراد کے لئے چھوڑ دے، اسی واسطے صبح کی اذان میں خاص کر کے دوبارہ یہ پڑھا گیا اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یہی ظہر کی نماز وہ بھی قیلولے کے اور محنت و مشقت سے رجوع کرنے

---

[1] مثلاً غلام یا باندی ہو تو اس کو فروخت کر دے بیوی ہو تو طلاق دے دے
[2] مثلاً ماں باپ یا اولاد بہن بھائی وغیرہ۔ نعیمیہ

کے وقت آتی ہے رہی عصر کی نماز وہ بھی ایسے وقت آتی ہے کہ لوگ اپنی تجارتوں اور پیشوں میں غرقاب ہوتے ہیں اور اسباب دنیوی پر متوجہ ہوتے ہیں رہی مغرب کی نماز وہ بھی کھانا کھانے کے اور اپنے بدن کی اصلاح کا اہتمام کے وقت آتی ہے رہ گئی عشار کی نماز وہ بھی ایسے وقت میں آتی ہے کہ دن بھر کا تکان ہوتا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اور فرمایا :۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ یعنی چوکسی کرو سب نمازوں کی اور خصوصًا نماز عصر کی۔

اور فرمایا :۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۔ یعنی نماز اہلِ ایمان پر لکھی ہوئی اور وقت مقرر کی ہوئی ہے۔

اور فرمایا :۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ یعنی نماز قایم کرو۔

اور دلیل اس کی کہ نماز کے اہتمام رکھنے میں تکلیف عبودیت ہے اور اس کا اہتمام خلاف مقتضائے بشریت ہے یہ ارشادِ خداوندی بھی ہے :۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا[1] لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى ۔ یعنی سہارا چاہو صبر اور نماز کا۔ نماز بیشک بھاری ہے مگر عاجزی کرنے

---

[1] ای انھا لکبیرۃ علی العبادۃ دون الخاشعین ای المطمئنۃ ۱۲ ملفوظ شریف

الْخَاشِعِیْنَ ؕ والوں پر۔

پس صبر اور نماز کو ایک ساتھ لانا اشارہ ہے کہ نماز میں کئی طرح کے صبر کی حاجت ہے ایک صبر کرنا اس کی پابندی اوقات پر دوسرے بجا آوری واجبات وسنن پر تیسرے دفع غفلت کے اسباب پر اسی واسطے اس کے بعد یوں فرمایا وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِیْنَ ؕ سو نماز کو علیحدہ کر کے بیان کیا، اور صبر کو جدا بیان نہیں کیا کیونکہ اگر صبر کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے وَاِنَّهٗ لَكَبِیْرٌ ف کیونکہ صلوٰۃ مونث ہے اور صبر مذکر ت پس اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں گویا دونوں ایک ہی چیز ہیں جیسے دوسری آیت میں ہے :۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ — یعنی اللہ اور رسول کا راضی رکھنا زیادہ لائق ہے۔

اور فرمایا :۔

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ — یعنی جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور صرف نہیں کرتے اُس کو اللہ کی راہ میں

اور فرمایا :۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاﰳ انْفَضُّوْٓا — یعنی جب دیکھتے ہیں وہ لوگ تجارت یا کھیل کو چلے جاتے

اِلَیۡھَا ہیں اس کی طرف۔

پس اچھی طرح سمجھ لو کہ مقصود ان سب مثالوں سے یہ ہے کہ جیسے ان آیتوں میں دو دو چیزوں کا ذکر فرما کر ضمیر مفرد کی لائے اور مقصود دونوں چیزیں ہیں مگر تلازم کی وجہ سے ضمیر واحد پر اکتفا کیا مثلاً یُرۡضُوۡہُ کی ضمیر میں اللہ اور رسول دونوں مقصود ہیں اور یُنۡفِقُوۡنَھَا کی ضمیر میں ذہب و فضہ دونوں مقصود ہیں اِنۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡھَا کی تفسیر میں لہو و تجارت دونوں مقصود ہیں اسی طرح آیت مافیہ البحث میں بھی اِنَّھَا لَکَبِیۡرَۃٌ ضمیر مفرد کی لائے جو بوجہ تانیث کے صلوٰۃ کی طرف راجع ہے مگر مقصود صبر و صلوٰۃ دونوں ہیں باہم ان دونوں کا تلازم موجب اکتفائے ضمیر واحد ہو گیا فافہمت اور نماز کی بڑی شان ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ؕ — یعنی بیشک نماز باز رکھتی ہے بے حیائی اور بری بات سے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے[۱] جب پوچھا گیا کہ سب اعمال میں افضل عمل کون ہے آپ نے فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بندے کو سب سے زیادہ قرب خداوندی

[۱] یہ تین حدیثیں ہیں ۱ اول سئل ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لوقتہا [۲] ثانی قال صلی اللہ علیہ وسلم المصلی نیاجی ربہ [۳] ثالث قال صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یکون العبد من ربہ فی السجود ۱۲ تنویر

سجدے میں میسر ہوتا ہے۔

نماز مجموعہ عبادات اور ہم نے غور کرکے دیکھا تو نماز میں اتنی عبادتیں جمع ہیں کہ دوسرے عمل میں نہیں مثلاً پاک ہونا خاموش رہنا کلام دنیا سے قبلے کی طرف رُخ کرنا، تکبیر کے ساتھ شروع کرنا، قرآن کا پڑھنا، کھڑا ہونا جھکنا، سجدہ کرنا رکوع وسجود میں اللہ کی پاکی بیان کرنا سجدے[1] میں دعا کرنا اور بہت سی عبادتیں ہیں پس نماز متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے کیونکہ صرف ذکر کرنا ایک مستقل عبادت ہے، صرف قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے اسی طرح تسبیح ودعا ورکوع وسجود وقیام ان میں ہر عمل جداگانہ عبادت ہے اور اگر اندیشہ تطویل کا نہ ہوتا تو نماز کے اسرار وانوار میں ہم تفصیلی گفتگو کرتے، اس مقام پر اتنی ہی جھلک کافی ہے۔ الحمد للہ

چوتھا فائدہ:۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ

یعنی ہم تم سے یہ نہیں سوال کرتے کہ تم اپنے کو یا اپنے گھر والوں کو رزق دو بلکہ رزق ہم تم کو دیں گے اور ہم تم کو یہ حکم کیسے کریں اور یہ تکلیف کس طرح دیں کہ تم انکو رزق دو۔

حالانکہ تم کو اس کی قدرت نہیں اور ہماری شان کے کب لائق ہے کہ تم کو خدمت کرنے کو کہیں اور تمہاری روزی کا سرانجام نہ کریں گویا جب خدائے تعالیٰ نے جانا کہ لوگوں کو رزق طلب کرنا دوام طاعت میں خلل انداز ہوگا

[1] جب سجدہ میں قرب مکشوف ہوتا ہے اس وقت دعا کی جاتی ہے ۱۲ ملفوظ شریف

اور یہ فکر فراغ طاعت سے مانع ہوگی اس لئے نبی رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا تاکہ اور لوگ سُنیں پس فرمایا

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ — یعنی تم ہماری خدمت بجالاؤ تاکہ ہم اپنی روزی کا تمہارے لئے سرانجام کریں۔

بندہ اور خدا میں تقسیم کار

اور یہ دو چیزیں ہیں ایک چیز کا تو اللہ کفیل ہوگیا اس سے بدگمانی مت کر یعنی رزق، دوسری چیز تجھ سے طلب کی ہے اس کو مت چھوڑ یعنی عبادت پس جو شخص اللہ کے ذمے کی ہوئی چیز کی تحصیل میں لگ کر اس کی طلب کی ہوئی چیز کو چھوڑ بیٹھا یعنی رزق کے پیچھے عبادت چھوڑ دی اس کی بڑی جہالت اور غفلت ہے اور جگانے سے بھی نہیں جاگتا بلکہ بندے کو سزاوار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اس میں لگ جاوے اور جس کی اس نے خود ذمہ داری کرلی ہے اس سے بے فکر رہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ جب منکرین کو رزق دیتا ہے تو مومنین کو کیسے نہ دے گا اور اہلِ کفر پر جب رزق جاری کر رکھا ہے تو اہلِ ایمان پر کیسے جاری نہ فرماوے گا پس اے بندے تجھ کو معلوم ہوگیا کہ دنیا کا تو ذمہ ہوگیا اس قدر کہ تیری کجی کو سیدھا کردے یعنی بقدر کفایت اور آخرت کی تجھ سے طلب ہے یعنی آخرت کے لئے سفر کرنا فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى — یعنی توشہ لے لو بیشک اچھا توشہ تقویٰ ہے۔

پس تیری عقل بصیرت کس طرح ثابت ہو حالانکہ تجھ کو مضمون کے اہتمام نے مطلوب کے اہتمام سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کی کفالت کی اور آخرت کو طلب فرمایا کاش آخرت کی کفالت فرما لیتے اور دنیا طلب کرتے اور نَحْنُ نَرْزُقُكَ صیغہ مضارع سے اس لئے لائے تاکہ استمرار و دوام پر دلالت کرے کیونکہ اَنَا اُكْرِمُكَ صیغہ مضارع کے ساتھ اور اَكْرَمْتُكَ ماضی کے ساتھ برابر نہیں کیوں کہ اَنَا اُكْرِمُكَ کے معنی تو یہ ہیں کہ بار بار اکرام ہوتا ہے اور اَنَا اَكْرَمْتُكَ ماضی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اکرام ہو چکا تکرار و دوام پر دلالت نہیں پس نَحْنُ نَرْزُقُكَ کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بار بار ہمیشہ رزق دیتے رہتے ہیں اپنی منت تم سے معطل نہیں کرتے اپنی نعمت تم سے منقطع نہیں کرتے اور جیسا ہم نے بندوں پر ایجاد سے احسان کیا اسی طرح دوام امداد کا سرانجام کیا اس کے بعد فرمایا :-

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی انجام کی بھلائی تقوے کے لئے ہے۔

گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ جب تم اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اور اس کے اشغال کو چھوڑ کر ہماری خدمت میں لگے رہو گے اور ہمارے طاعت کی طرف متوجہ رہو گے تو تمہارا رزق امیروں کا سا اور تمہارا عیش فراغت والوں کا سا نہ ہوگا۔ لیکن اس حالت پر صبر کیجیو کیونکہ عافیت کی خوبی اہل تقویٰ[1]

[1] اس کی شرح اوپر اچھی طرح آچکی ہے ۱۲ مترجم

ہی کے لئے ہے جیسا اِس آیت سے اول فرمایا:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ ○

یعنی اپنی آنکھیں مت بڑھاؤ اس چیز کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے اس سے کفار کی جماعتوں کو وہ رونق ہے زندگی دنیا کی تاکہ ہم اس میں ان کو فتنے میں ڈالیں اور روزی تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تقوے کے ساتھ عاقبت ہی کو کیوں مخصوص فرمایا کیونکہ اہلِ تقوے کو تو حُسنِ عافیت کے ساتھ دنیا میں بھی مزے کا عیش ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً

یعنی جو شخص نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت مگر مومن ہو زندگی دیں گے ہم اس کو اچھی زندگی۔

جواب سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کی عقل کے موافق خطاب فرماتا ہے گویا یہ معنی ہوئے کہ اے بندو اگر تم کو یہ خیال ہے کہ اہلِ غفلت و عدوان کے لئے دُنیا ہے تو اہلِ تقوے کے لئے عقبیٰ ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ پس لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے موافق خطاب فرمایا جیسا آیا ہے اللہ اکبر

اگرچہ کوئی اس کے سوا بڑائی نہیں رکھتا جو اس کہنے کی ضرورت ہو کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے لیکن چونکہ نفوس آثار قدرت کی بڑائی مشاہدہ کر رہے ہیں جیسا خود فرمایا :-

لَخَلْقُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ	یعنی البتہ پیدائش آسمانوں
اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ	اور زمین کی بہت بڑی ہے۔
وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ	پیدائش سے آدمیوں کی لیکن
لَا یَعْلَمُوْنَ ہ	اکثر لوگ نہیں جانتے۔

پس گویا یوں کہا گیا کہ اگر تم کو کسی شے میں خواہ مخواہ بڑائی نظر ہی آتی ہے تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے۔ اور ہر بڑے سے بڑا ہی چلے آیا ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ	یعنی نماز زیادہ بہتر ہے
النَّوْمِ	سونے سے۔

بجائے اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ سونے میں بالکل بہتری نہیں تو نفوس یوں کہتے کہ ہم تو اس کی لذت اور راحت دیکھ چکے ہیں اس لئے ان کے علم کو تسلیم کر کے کہا گیا کہ جس کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں یعنی نماز سونے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ جس سونے کی طرف تم مائل ہو رہی ہو وہ بے بقا ہے اور جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کی جزا ہمیشہ باقی رہے گی کبھی فنا نہ ہو گی اور اللہ کے پاس[1] کی چیزیں زیادہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۱۲ مترجم

فائدہ جلیلہ جاننا چاہیئے کہ جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کو اس آیت سنے یہ بتلا دیا کہ اللہ کے رزق کو کیونکر ڈھونڈیں بموجب ان کے اسباب معاشت تنگ ہونگے وہ زیادہ خدمت و اطاعت کریں گے۔

تنگیٔ معاش کا علاج

وجہ یہ ہے کہ اس آیت سنے یہ بات ان کو بتلائی ہے کہ تم خیال نہیں کرتے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ یوں فرماتا ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ج نَحْنُ نَرْزُقُكَ ج پس وعدہ رزق کا دو امر کے بعد فرمایا ایک گھر والوں کو نماز پڑھوانا دوسرے خود اس کی پابندی کرنا ان دونوں امر کے بعد فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُكَ پس اہل معرفت سمجھ گئے جب روزی کی راہیں بند ہوں دروازہ رزق کو اس طرح کھولنا شروع کریں کہ رزاق سے معاملہ اچھا رکھیں یہ نہیں کہ جیسے اندھے غافلوں کی عادت ہے کہ جب اسباب دنیا تنگ ہونے انھوں سنے اور زیادہ مشقت شروع کی اور غفلت والے دل اور بھولی ہوئی عقل سے اور بھی دنیا پر پڑ گئے اور اہل معرفت ایسا معاملہ کیوں نہ کرتے جب اللہ کا حکم سن چکے کہ فرماتا ہے۔

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔

ان کو یقین ہوا کہ رزق کا دروازہ رزق دینے والے کی اطاعت ہے پھر نافرمانی سے رزق کیسے طلب کیا جاوے اور اس کی مخالفت سے کیونکر باران فضل کی درخواست کیجاوے حالانکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے[له] اللہ کی نعمتیں اس کو ناراض کر کے نہیں ملتیں یعنی بدونِ اطاعت روزی نہیں مانگی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک جگہ اور واضح فرما دیا:-

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ	یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے،
لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ	اللہ اس کے لئے کوئی راہ نکال
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ	دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس

کو روزی دیتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہ تھا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ	یعنی اگر وہ لوگ سیدھی راہ پر
لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا	مستقیم رہتے تو ہم ان کو فراغت

کا پانی دیتے۔

اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دونوں رزق کی کنجی ہے دنیا کے رزق کی بھی اور آخرت کے رزق کی بھی جیسے فرمایا:-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ	یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا	اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَ	کی برائیاں دور کرتے اور ان
دْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ	کو نعمت کی بہشتوں میں داخل
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا	کرتے اور اگر وہ لوگ قائم

له حدیث یہ ہے لا ینال ما عند اللہ بالسخط ۱۲ تنویر

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

رکھتے توراۃ کو اور انجیل کو اور اُس کتاب کو جو اب اتاری گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے یعنی قرآن تو البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے۔

یعنی اوپر سے تو بارش ہوتی اور نیچے سے پیداوار پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ لوگ توریت وانجیل کو قائم رکھتے یعنی ان کے احکام پر عمل کرتے تو اوپر نیچے سے ان کو کھانے کو ملتا یعنی ہم ان پر روزی کو فراخ کرتے اور ہمیشہ ان پر خرچ کرتے رہتے مگر انھوں نے تو جو ہم چاہتے تھے وہ نہیں کیا اس لئے ہم نے بھی جو وہ چاہتے تھے نہیں کیا یعنی انھوں نے طاعت نہ کی اور ہم نے وسعت نہ کی۔

چوتھی آیت

مقدمۂ رزق میں یہ ہے :۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ؁

یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمے ہے اس کی روزی اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرار کی جگہ اور سپردگی کی جگہ سب موجود ہے کھلی کتاب میں۔

اس آیت نے حق تعالیٰ کا کفیلِ رزق[۱] ہونا صاف بتلا دیا اور تمام ہی وسوسوں اور خطروں کو اہلِ ایمان کے قلوب سے مٹا دیا اگر کبھی خطرات آنا چاہتے ہیں تو لشکرِ ایمان اور توکّل کے اُن پر حملہ کر کے بھگا دیتے ہیں جیسا اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ	یعنی ہم پھینک مارتے ہیں حق
عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ	کو باطل پر وہ اس کا بھیجا نکال
فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ	دیتا ہے پس یکایک جاتا رہتا ہے

پس اپنے اس ارشاد سے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ج اپنے بندوں کی کفالت فرمائی تاکہ صفتِ مودّت کے ساتھ اس کی معرفت ہو اگرچہ یہ اس کے ذمّہ واجب نہیں بلکہ اپنی ذات پر بطور کرم و احسان کے لازم ٹھیرا لیا پھر یہ کہ اس کفالت کو عام فرما دیا گویا معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے شخص میری کفالت اور رزّاقی کچھ تیرے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ زمین پر جتنے جاندار ہیں میں سب کا ذمہ دار اور روزی رساں ہوں، اس سے میری کفالت کی وسعت اور استغنائے ربوبیت اور احاطۂ قدرت کو قیاس کر لے اور میرے کفیل ہونے پر وثوق کر اور مجھ کو کارساز سمجھ سو ہر گاہ تو میری تدبیر و رعایت و کفالت کو اور حیوانات کے لئے دیکھتا ہے سو تو تو اشرف الانواع ہے اور زیادہ مستحق ہے کہ میری کفالت پر وثوق کرے اور میرے فضل پر نظر رکھے دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا ہے۔

---

[۱] یہ رزق مضمون کہلاتا ہے اور دوسرا رزق موعود ہے تیسیر المبسوط اور حیوۃ المعلوم ۱۲ ملفوظ زہیر تلطیف

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ ؁[1] یعنی ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی دوسرے حیوانات پر۔

اس طرح پر کہ ان کو اپنی خدمت کے لئے حکم کیا اور اپنی بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اپنی درگاہ میں بلایا اور انسان کا مکرم ہونا بہ نسبت دوسری مخلوقات کے یوں واضح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس کے لئے پیدا ہوئی اور یہ درگاہِ خداوندی کے لئے پیدا ہوا۔

شیخ کا ارشاد میں نے شیخ ابو العباسؒ سے سُنا ہے کہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ابن آدم میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے پیدا کیا اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا سو اپنی مملوک میں لگ کر مالک کو مت بھول اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ یعنی زمین کو مخلوق کے لئے پیدا کیا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ یعنی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

اور میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ تمام کائنات

[1] ای بالمعرفۃ والعقل ۱۲ ملفوظ شریف

تیرے غلام ہیں کہ ان کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے اور تو غلام درگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ٥

یعنی اللہ ایسا ہے کہ جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین سے بھی اتنی ہی نازل ہوتا ہے حکم ان سب میں تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو علم سے۔

سو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ تمام آسمان و زمین اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ تجھ کو علم حاصل ہو جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمام کائنات تیرے ہی لئے پیدا ہوئے ہیں خواہ برتنے کو یا نظر و فکر کرنے کو کہ یہ بھی ایک نفع ہے تو اب یہ جاننا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تیری خاطر پیدا کیا جب ان کو رزق دیتا ہے تو تجھ کو کیسے نہ دے گا تم نے یہ آیت نہیں سنی :-

وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ

یعنی تمہارے لئے پیدا کیا میوہ اور گھاس تمہارے فائدہ اور تمہارے چار پایوں کے فائدے کو۔

اور جملہ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کفیل ہونے کی تاکید ہے یعنی کسی جانور کا مقام اور حال اس پر مخفی نہیں بلکہ سب جانتا ہے اور ہر

ایک کے پاس اس کا حصہ پہونچاتا ہے۔

پانچویں آیت مقدمۂ رزق

پانچویں آیتِ رزق اور اس کے فائدے

میں یہ ہے:۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ[۱] وَمَا تُوعَدُونَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ

یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ ہے پس قسم ہے پروردگار آسمان وزمین کی کہ یہ بات سچی ہے جیسے تم بول رہے ہو۔

اور یہ وہ آیت ہے جس نے شکوک کو اہل ایمان کے قلوب سے دھو ڈالا اور ان کے قلوب میں انوار یقین کو روشن کردیا پس اُن قلوب پر اصل مقصود کے علاوہ بہت سے زائد مضامین وارد کئے چونکہ اس میں فوائد تھے کیونکہ یہ آیت اتنی چیزوں کو شامل ہے ذکر رزق محل رزق قسم کھانا اس پر تشبیہ دینا ایسے امر سے جس میں ذرا خفا نہیں اب ہم کو چاہیئے کہ سب فوائد ایک ایک کر کے بیان کریں۔

پہلا فائدہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ معلوم ہے کہ نفس کو

---

[۱] ای فِی السماء الصوری رزقکم الحسّی وفی السماء المعنوی رزقکم المعنوی مِن الحقائق والمعارف ۱۲ ملفوظ شریف

مقدمہ رزق میں بڑا اضطراب[1] ہوتا ہے اس لئے بار بار اس کا ذکر فرمایا چونکہ اس کے عوارض قلوب پر بار بار وارد ہوتے ہیں جیسے جب معلوم ہو کہ شبہ جانب مقابل کے دل میں بہت جما ہوا ہے دلیل کو بار بار بیان کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حق ہونے پر متعدد آیتوں میں استدلال فرمایا چونکہ ملحدین اس میں بہت اضطراب کرتے ہیں اور اس کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ جب آدمی کے جوڑ علیحدہ ہو گئے اس کی ترتیب مضمحل ہو گئی اور مٹی ہو گیا یا درندوں اور کیڑے مکوڑوں نے کھا لیا پھر وہ زندہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے دلائل بیان کئے ایک ان میں سے یہ آیت ہے:-

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ

یعنی بیان کی انسان نے ہمارے لئے کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کو کہتا ہے کون جلاوے گا ہڈیوں کو جب وہ گل گئی ہوں اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم جواب دیدو کہ ان کو وہی جلاویگا جس نے پہلی بار پیدا کیا۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:-

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ

یعنی دوبارہ پیدا کرنا تو اللہ کو اور بھی آسان ہے۔

اور فرمایا:-

[1] وجہ اضطراب ما قال اللہ تعالیٰ الشیطان یعدکم الفقر ۱۲ ملفوظ شریف

اِنَّ الَّذِیٓ اَحۡیَاھَا — یعنی جس نے زمین کو زندہ کیا
لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی — وہی مُردوں کو زندہ کریگا۔

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ مقدمۂ رزق میں نفس کا اضطراب بہت بڑھا ہوا ہے اس لئے اس کی دلیل کو کئی آیتوں میں مؤکد فرمایا بعض آیتیں تو گذر چکیں اور بعض ہم نے ذکر نہیں کیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات لوگوں کے نفوس کی معلوم تھی کبھی یوں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کبھی یوں فرمایا اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ کبھی یوں فرمایا نَحۡنُ نَرۡزُقُکَ ؕ کبھی یوں فرمایا۔

اَمَّنۡ ھٰذَا الَّذِیۡ — یعنی بھلا جو تم کو روزی دیتا
یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ — ہے اگر اپنی روزی بند کرلے
رِزۡقَہٗ ۚ — تو تم کیا کرو۔

اور اس مقام پر فرمایا وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ ہ تاکہ رزق کا مقام معلوم ہوجاوے پھر قلوب کو تسکین ہوجاوے اور مقام مبہم رکھنے کے ساتھ جو ذمہ داری ہے وہ اس مرتبہ کی نہیں جو مقام بیان کردینے کے ساتھ ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ ہم پر واجب تو نہیں کہ تمہارے رزق کا مقام بیان کردیں بلکہ تمہارا رزق ہمارے پاس ہے جب اس کا وقت آئے گا تمہارے پاس پہونچا دینگے اور ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا ضرور نہیں مگر پھر بھی اپنے لطف ورحمت وفضل ومنت سے مقام رزق کا بیان فرمادیا تاکہ بھروسہ زیادہ ہو اور شک بالکل دفع ہوجاوے اور اس میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ مقام جو بیان کردیا اس میں طالب کی توجہ مخلوق سے بالکل اٹھ

گئی اور یہ بجز بادشاہ حقیقی کے کسی سے طلب نہ کریں کیونکہ جب تیرے قلب میں کسی مخلوق کی طرف سے طمع آئی یا کسی سبب پر حوالہ آیا تب ہی ارشاد ہوا،

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝

یعنی اے روزی ڈھونڈھنے والے زمین میں مخلوق سے کہ جو خود ضعیف عاجز ہے تیرا رزق اس کے پاس نہیں وہ تو میرے پاس ہے اور میں حکومت والا قدرت والا ہوں۔

ایک دیہاتی کا یقین

اسی وجہ سے کسی اعرابی نے جو یہ آیت سُنی تو اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگا اور کہتا تھا سبحان اللہ میرا رزق تو آسمان میں ہے، اور میں اُس کو زمین میں ڈھونڈھتا ہوں سو خیال کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ وہ اللہ کی بات کو کیسے سمجھا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا یہی ہے کہ اپنے بندوں کی ہمتیں اپنی طرف متوجہ کرے اور ان کی رغبت اسی چیز میں ہو جو خدا کے پاس ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

یعنی کوئی ایسی چیز نہیں جو ہمارے یہاں ڈھیر کے ڈھیر نہ ہوں اور ہم ایک معین انداز سے زیادہ نازل نہیں کرتے،

یہ بھی اسی لئے فرمادیا تاکہ ہمتیں اس کے دروازے کی طرف بڑھیں، اور تاکہ قلوب اس کی درگاہ کی طرف جھکیں سو خدا کی تجھ پر عنایت ہو آسمان والا

باندی والا بن زمین والا پستی والا مت ہو اسی واسطے کسی نے کہا ہے ؎

جب تجھے پانی نہ دے دستِ لئیم | رکھ قناعت سے شکم کو تو بھرا
ہو اگرچہ جسم تیرا خاک پر! | رہ مگر ہمت سے بالائے سما
جان دینا سہل ہے لیکن سخت | آبرو کھو کر کے کرنا التجا

اور میں نے اپنے شیخ ابو العباس رح سے سُنا فرماتے تھے کہ واللہ میں نے کسی بات میں عزت نہ دیکھی فرماتے تھے مگر اس میں کہ مخلوق سے امید اٹھائی جاوے اور اس مقام پر اللہ کا ارشاد یاد کرو:۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ | یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ | رسول کی اور مومنین کی

پس اللہ تعالیٰ نے جو عزت مومنین کو دی ہے اس سے اُس نے اپنا قصد مولیٰ کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ پر وثوق کیا نہ اور کسی پر اور اللہ سے شرم کر کہ اس نے تجھ کو خلعتِ ایمان پہنایا اور زینتِ معرفت سے آرائش دی اس کے بعد بھی تجھ پر غفلت ونسیان غالب ہے کہ مخلوق کی طرف راغب ہے اور غیر اللہ سے جود و احسان کا طالب ہے اسی واسطے کسی نے کہا ہے ؎

مجھے اس نے حکم حقائق دیا! | کرم مجھ پہ خالق نے کیا کیا کیا
کیا مطلع مجھ کو ملکوت پر | میں اس پر بھی اوروں سے مانگوں گا کیا

اگر تجھ کو نفسِ غافل کہے کہ اپنی حاجت مخلوق کی طرف لیجا سو تو اس کی طرف لیجا جس کی طرف وہ مخلوق بھی اپنی حاجت لے جاتی ہے اور نفس کو یہ بات بڑی سہل ہے کہ تو اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنے ایمان کی بیقدری

کرے[1] اور اس کی آرزو حاصل کرنے کے لئے اپنے کو خوار کرے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

نفس نے بس اپنی عزت کے لئے — میری ذلت کو گوارا کر لیا
کتنا ہی یحییٰ بن اکثم سے تو مانگ — میں کہا کر رب یحییٰ سے دعا

اور مومن کے لئے یہ امر نہایت زشت[2] ہے کہ باوجود یقین وحدانیت اور یگانگی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے پھر اوروں کے روبرو اپنی حاجت پیش کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سُن رہا ہے :۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ج — یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اور یہ امر یوں تو ہر شخص سے زشت ہے مگر مومن سے ہو تو زشت تر ہے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہیئے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط — یعنی اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

اور جو عہد تو نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی حوائج اور کسی سے پیش نہ کرے گا اور اسی پر توکل کرے گا اور یہ عہد اُس اقرار ربوبیت سے لازم آتا ہے جو یوم میثاق میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ہوا تھا یہ کیسی بات ہے کہ یہاں تو اس کی معرفت اور توحید حاصل

[1] اسی واسطے بزرگوں نے الحزم سوء الظن کو حق نفس میں فرمایا ہے ۱۲ ملفوظ آشر لف

[2] بُرا اور نامناسب ۱۲ نعیمیہ

بھی یہاں آکر بھلا دیا حالانکہ اس کے احسانات تجھ پر پیاپے ہورہے ہیں اور اس کے فضل و منّت نے تجھ کو گھیر رکھا ہے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

دل میں میرے گھر تمہارا ہو گیا — اب نہ لیلیٰ اور نہ شیریں کی ہے جا
آپ کو جانا تھا میں پیثاق میں — کیا بڑھاپے میں تمہیں دونگا بھلا

اور خلق سے ہمت کو بلند رکھنا ہی فقرا کی میزان اور مردوں کی پہچان ہے اور جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے ایسے ہی احوال و صفات کا وزن کیا جاتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

وَاَقِیْمُوْا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ — یعنی وزن کو عدل[1] کے ساتھ قائم رکھو۔

تاکہ سچّا اپنی راستی سے اور مدعی[2] اپنی آمیزش سے ظاہر ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ[3] اہلِ ایمان کو اس حالت پر نہ چھوڑیگا جس میں اب ہے یہاں تک کہ گندے کو پاک سے الگ کر دے۔

مکّار دین داروں کا حال

اور حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و منّت سے مدعی فقیروں کو اس طرح جانچا کہ جو کچھ ان کے اندر حُبِّ دنیا و شہوت پوشیدہ تھی اس کو ظاہر کر دیا، پھر انھوں نے اپنے کو دنیا داروں کے روبرو بے قدر کر دیا ان سے بے تکلفی کرتے ہیں ان سے نرمی کرتے ہیں اُن کی خواہشوں پر ان کی موافقت کرتے ہیں

[1] انصاف [2] یعنی جھوٹے دعوے کرنا [3] یہ مضمون ہے آیت کا۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ۱۲ مترجم

ان کے دروازوں "ڈھکے" کھلتے ہوئے ملتے ہیں بعضوں کو تو دیکھے گا کہ دلہن کی طرح بناؤ سنگار کرتے ہیں ظاہر کی اصلاح میں پھنس رہے ہیں باطن کی اصلاح سے غافل ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں پر ایک دھبہ لگا دیا جس سے ان کا عیب ظاہر ہو گیا اور سب اترا پترا کھل گیا سو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا کرتے۔ تو ان کی نسبت کہا جاتا ہے عبد الکبیر یعنی خدا کا بندہ اور اللہ والا اب نا راستی کے وبال میں اس نسبت سے نکل کر یوں کہا جاتا ہے شیخ الامیر یعنی فلاں امیر کا شیخ اور استاد ف وہ دھبہ یہی ہے کہ پہلے خدا کی طرف نسبت ہوتی اب امیر کی طرف ہونے لگی ہے۔

یہ ہیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

ت یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں لوگوں کو اولیاء اللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں کیونکہ عوام لوگ جو ان کی حالت دیکھتے ہیں، وہ سب اللہ والوں کو اسی پر قیاس کر لیتے ہیں، خواہ سچا ہو یا جھوٹا سو یہ مدعی لوگ اہلِ تحقیق کی آڑ ہیں اور آفتاب توفیق کے بادل ہیں ف یعنی جیسا آڑ اور

لہ چھپے ہوئے اور جھوٹی نیکی کے پردے میں ڈھکے ہوتے اصلی عیب۔ اللّٰھم احفظنا من سوء الدنیا ۱۲ نعیمیہ۔

ےہ ایک جیسے لباس، ایک جیسی داڑھیاں اور پورا حلیہ، لمبی تسبیحات، غرضیکہ تقویٰ وطہارت کی ظاہری طور پر تمام نمائش اور دل کے اندھے، جیسے آجکل کہ بہت سے علماءِ ظاہر ہیں جن کو عوام مولوی مولانا صوفی اور بزرگ کہتے ہیں۔

۱۲ "نعیمیہ"

بادل میں اشیا و انوار چھپ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لوگ ان جھوٹوں میں چھپ جاتے ہیں ت یہ لوگ ان کے نقارے بجا رہے ہیں اور ان کے نشان کھوے کھڑے ہیں اور ان کی ندہیں بہن رکھی ہیں ف مطلب یہ کہ ان کی ہی وضع بنانے ہوئے ہیں ت جب حملہ ہوگا الٹے پاؤں بھاگیں گے ف یعنی امتحان کے وقت جھوٹے نکلیں گے ت زبانیں دعوی میں چلتی ہیں دل تقوے سے بالکل خالی ہیں کیا انھوں نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِيْنَ	یعنی اللہ تعالیٰ صادقین سے
عَنْ صِدْقِهِمْ	ان کے صدق کی تحقیق کرے گا

کیا تو سمجھ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صادقین سے پوچھے گا ان مدعیوں کو بے پوچھے چھوڑ دے گا کیا انھوں نے یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى	یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ	ان منافقوں سے کہدو کہ تم اپنے
وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْ	کام کیے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے
اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	عمل دیکھ رہا ہے اور پیغمبر اور
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ	اہل ایمان بھی دیکھ رہے اور قریب
تَعْمَلُوْنَ ٥	ہے کہ لوٹائے جاؤ گے طرف جاننے

والے چھپے اور کھلے کے پھر تم کو خبر دے گا۔ اس چیز کی جو تم کرتے تھے۔

پس یہ لوگ وضع تو سچے لوگوں کی ظاہر کرتے ہیں اور عمل اعراض والوں کا سا ہے جیسا کہا گیا ہے ؎

خیمے تو ایسے ہیں جیسے ان کو تکے عورتیں اُن عورتوں کے ہیں سوا
میں قسم کھاتا ہوں ذاتِ پاک کی لوگ کرتے ہیں حج جس کے بیت کا
آ گیا جب کوئی خیمہ بھی نظر سامنے ہو کر کھڑا روتا رہا

پس تجھ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اپنی ہمت مخلوق سے بلند رکھنا یہ اہلِ طریقت کی زینت اور اہلِ حقیقت کی علامت ہے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں ؎

وہ لگی کرنے جو شکوہ دہر کا پھیر کر رُخ اس سے میں یوں کہا
شکوہ کیوں لاتی ہے ایسے دہر کا جس سے مطلق ہو نہ امیدِ وفا
مجھ کو گمنامی سے کیا نقصان ہے بدر کو کیا ہو چھپا ہو یا کھُلا
کیوں نہ لوگوں سے بچاؤں آبرو کیوں نہ دیکھیں ٹھاٹھ شاہوں کا بھلا
کیوں کروں ظاہر میں الٹی اپنا فقر سب کے سب عاجز ہیں جب پیشِ قضا
مانگوں کیوں مخلوق سے خالق کا رزق گر کروں ایسا تو ہے پوری جفا
ہے بڑی کم ہمتی عاجز سے گر دوسرا عاجز کرے شکوہ گلا
مانگ رزق اللہ سے جس کا کرم ہے تمامی خلق کو شامل ہوا
التجا کر اس سے پائے گا مراد اس کے دروازے سے مت تو ہٹا

دوسرا فائدہ یہ جو فرمایا وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد اثبات رزق ہو یعنی لوحِ محفوظ میں تمہارا رزق ثبت کر دیا ہے اگر یہ مراد ہے تو اس میں لوگوں کو مطمئن کر دینا ہے اور ان کو جتلا دینا ہے کہ تمہارا رزق یعنی جس چیز سے تم کو رزق دیا

جاوے گا ہم اپنے پاس لکھ چکے ہیں اور اپنی کتاب میں ثبت کر چکے ہیں اور اپنی آیات میں اس کو تمہارے ہونے سے پہلے مقدر کر چکے ہیں اور تمہارے ظہور سے پہلے معین کر چکے ہیں پھر تم کس لئے مضطرب ہوتے ہو اور تم کو کیا ہوا کہ میری طرف قرار نہیں پکڑتے اور میرے وعدہ پر وثوق نہیں کرتے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد سبب رزق ہو یعنی پانی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ	یعنی ہم نے سب زندہ چیزیں
كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ج اَفَلَا	پانی سے بنائی ہیں کیا ان کو
يُؤْمِنُوْنَ ۝	یقین نہیں۔

ابن عباسؓ نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے اس صورت میں رِزْقُكُمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ جو چیز تمہارے رزق کی اصل ہے دوسرے یہ کہ خود پانی بھی رزق ہے۔

تیسرا فائدہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت سے مقصود حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا لوگوں کو عاجز کرنا ہو اس دعویٰ سے کہ ہم کو اس بات پر قدرت ہے وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر نازل ہونے سے روک لے تو تمام سبب والوں کے سبب بیکار ہو جائیں خواہ کھیتی والا ہو یا تاجر ہو یا درزی یا منشی یا اور کوئی پیشے کا ہو۔

ف کیونکہ سب صنعتوں میں بواسطہ یا بلا واسطہ پانی کی حاجت ہے، ف پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے اسباب تم کو رزق نہیں دیتے، بلکہ میں رزق دینے والا ہوں اور اسباب میسر کرنا میرے قبضہ میں ہے کیونکہ جس چیز کی بدولت تمہارے اسباب درست ہوتے ہیں اور صنعتیں کامل ہوتی

اُس چیز کو میں نازل کرتا ہوں یعنی پانی۔

چوتھا فائدہ:۔ رزق کو مآتُوعَدُون کے ساتھ لانے میں بڑا فائدہ ہے وجہ یہ کہ چونکہ مومنین کو یقین ہے کہ اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوتا ہے اور یہ لوگ اس کے جلدی یا دیر میں ہونے پر قدرت نہیں رکھتے نہ اُس کی تحصیل کی کوئی تدبیر ان کے پاس ہے گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے تم کو اِس امر میں شک نہیں کہ ہمارا وعدہ کی ہوئی چیز ہمارے پاس ہے اسی طرح اس میں بھی تم کو شک نہ ہونا چاہیئے کہ تمہارا رزق بھی ہمارے پاس ہے اور جس طرح تم ہمارے وعدے کے جلدی حاصل کرنے سے قبلِ وقت عاجز ہو اسی طرح تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جس رزق کو ہماری ربوبیت والوہیت نے ایک خاص وقت پر مقرر کیا ہے تم اس کو جلدی حاصل کر سکو۔

پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ اس میں لوگوں پر بڑی بھاری حجت ہے کہ ایسا سچّے وعدے والا جس کا ایسا وعدہ بھی کبھی خلاف نہیں کرتا وہ لوگوں کے واسطے اس چیز پر قسم کھاتا ہے جس کا ان کے لئے ذمّہ لیا ہے چونکہ اس کو علم ہے کہ نفس میں کیسا شک و اضطراب ہے اسی لئے فرشتوں نے جب یہ آیت سُنی کہنے لگے یہ آدمی برباد ہو جاویں جنھوں نے اپنے ربّ جلیل کو غضبناک کر دیا یہاں تک کہ قسم کھائی کسی نے یہ آیت سن کر کہا سبحان اللہ کس شخص نے ایسے کریم کو قسم کی ضرورت دلوائی اور جس شخص کی نسبت تم کو یقین ہوتا ہے کہ یہ میرے وعدے پر وثوق کرے گا اس کے سامنے تجھ کو قسم کھانے

کی حاجت نہ ہوگی اور جب یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کو میرے وعدے میں بے اطمینانی ہے اس کے سامنے قسم کھاؤ گے۔

پس اس آیت نے بہتوں کو خوش کیا اور بہتوں کو شرمندہ کیا پہلے وہ لوگ جن کو خوش کیا وہ تو وہ لوگ ہیں جو پہلے مقام میں ہیں کیونکہ اس قسم سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور یقین پکا ہو گیا وسوسۂ شیطانی اور شکوک نفسانی میں انھوں نے اس سے مدد لی رہے وہ لوگ جن کو اس آیت نے شرمندہ کیا ان کو خیال ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہماری بے اطمینانی اور اضطراب دیکھ کر ہم کو قائم مقام شک کے ٹھیرا کر قسم کھائی اس خیال نے ان کو اللہ سے شرمندہ کر دیا اور یہ خجالت مقتضائے فہم ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے بعضوں کے لئے باعثِ مسرّت ہوتی ہے بعضوں کے لئے باعثِ حزن و خجالت جیسی کسی کی فہم ہو اور جیسے واردات الہامی ہوں دیکھو جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ	یعنی آج کامل کر دیا میں نے
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ	تمہارے لئے دین تمہارا اور
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ	پوری کر دی میں نے تم پر اپنی
الْاِسْلَامَ دِيْنًا	نعمت اور پسند کیا میں نے
	تمہارے لئے اسلام کو دین

تو تمام صحابہ رضؓ خوش ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ مغموم ہوئے کیونکہ وہ اس آیت سے خبرِ وفات پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سمجھے اور رونے لگے اور اسی مقام سے ماخوذ ہے کہ کوئی چیز جب کامل ہو جاتی ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ

نقصان کی طرف رجوع کرے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

جب کمال آیا ہوا نقصان قریب ۔۔۔ بس ہوا زائل جونہی کامل ہوا
گر تو ہو انعام میں رکھ اس کا پاس ۔۔۔ معصیت کی تو نے اور زائل ہوا

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جانا کہ جب تک پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا نقصان ہو نہیں سکتا ف یعنی خبر کمال سے اندیشۂ نقصان ہوا اور نقصان حیات میں ہو نہیں سکتا، اس سے خبر وفات سمجھے ت اور دوسرے صحابہ ظاہر بشارت پر خوش ہوئے، اور جہاں تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہونچے تھے وہاں تک نہ پہونچے اس سے ظاہر ہو گیا بھید اس حدیث کا کہ ابو بکر تم سے روزہ نماز میں نہیں بڑھے بلکہ ان کے دل میں ایک چیز بیٹھ گئی ہے بس جس چیز سے ان کو اوروں پر سبقت تھی وہی اس کی موجب ہوئی کہ ایسی بات سمجھے کہ جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور اسی کے مثل یہ آیت ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ	یعنی اللہ نے مول لے لیا مومنین
الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ	سے ان کی جانوں کو اور ان
اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	کے مالوں کو اس معاوضہ میں
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے
فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۝	ہیں وہ اللہ کی راہ میں، پس

قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔

اور میں نے شیخ ابو محمد مرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک قوم نے

لہ الفاظ یہ ہیں:۔ مَا سَبَقَكُمْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَوْمٍ وَلَا صَلٰوةٍ وَلٰكِنْ بِشَيْءٍ وَقَرَ فِيْ صَدْرِهٖ ۱۲ تنویر

جو اس آیت کو سُنا تو اس معاملہ سے بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کے چہرے گورے ہو گئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس لائق کیا کہ ان سے خریداری فرمائی اور ان کا بڑا مرتبہ بڑھایا کہ انکو خریداری کے لئے پسند کیا اور نیز بھاری قیمت اور بڑی اجرت سے خوش ہوئے اور ایک قوم نے جو سُنا تو ان کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے کہ ان سے ایسی چیز خریدی کہ جس کا خود ہی مالک ہے، سو اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ان کی ملکیت کا پوشیدہ دعویٰ معلوم نہ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اللہ نے مول لے لیا پس جن لوگوں کے چہرے خوشی سے سفید ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں چاندی کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی چاندی کی ہونگیں اور جن کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں سونے کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی سونے کی ہونگی ختم ہوا کلام شیخ کا وجہ مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چاندی سفید ہوتی ہے اور سونا زرد ت سو اگر اہلِ ایمان میں کچھ بقیہ منازعت کا نہ ہوتا تو ان پر یہ خرید و فروخت واقع نہ ہوتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی کے بعد مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا اور مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ نہیں فرمایا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ نفس تین قسم کے ہیں، ایک وہ جس کی خریداری نہیں کی جاتی بوجہ بیقدر ہونے کے دوسرا وہ جس کی خریداری ہوتی ہے بوجہ ذی قدر ہونے کے تیسرا وہ جس پہ خریداری واقع نہیں ہوتی بوجہ آزاد ہونے کے، قسم اوّل کا فروں کا نفس ہے کہ بوجہ بے قدر ہونے کے خریدا نہیں جاتا قسم دوم اہلِ ایمان کا نفس ہے کہ بوجہ ذی قدر ہونے کے اس کی خریداری ہوتی، قسم سوم انبیاء

و مرسلین کا نفس ہے کہ بوجہ آزاد ہونے کے ان پر خریداری نہیں واقع ہوئی۔

چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی ربوبیت کی قسم کھائی جو کہ آسمان و زمین کی کفیل ہے اور کسی اسم کی قسم نہیں کھائی وجہ یہ کہ ایسی ربوبیت جو آسمان و زمین کی کفالت کئے ہوئے ہے اس پر وثوق کرنے میں کسی ایمان دار کو شک نہیں ہوسکتا اور اس کی شان ہی ہے کہ اتنے بڑے عالم کی کفالت کرتی ہے اور جب تجھ کو اس عالم سے نسبت کرکے دیکھیں تو بالکل ایک ناچیز اور بے نمود معلوم ہوتا ہے سو رب کہنا افادۂ وثوق میں زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت دوسرے اسما سمیع و علیم و رحمن کے خوب سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اور حق ضد باطل کی ہے اور باطل کہتے ہیں اس معدوم کو جس کا بالکل ثبوت نہ ہو اور رزق حق ہے جیسا رزق دینے والا حق ہے اور رزق میں شک کرنا گویا رزاق میں شک کرنا ہے

ہمارے آج کی یقین پر دردناک قصۂ عبرت!

یہاں تک کہ ایک شخص نے حکایت ہے کہ قبروں سے کفن چرایا کرتا تھا پھر توبہ کرلی اس نے ایک عارف سے کہا کہ میں نے ایک ہزار قبریں ادھیڑی ہیں مگر میں نے سب مُردوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے پائے اس عارف نے کہا کہ بدگمانی رزق نے ان کے منہ کو قبلہ سے پھیر دیا ف یعنی چونکہ رزاق پر بدگمانی کرکے کہ دے گا یا نہیں دوسرے اسباب کی طرف رُخ توجہ کرتے تھے اس کی سزا میں یہ رُخِ ظاہری

بیت اللہ سے بھر گیا۔

آٹھواں فائدہ :- فرمایا اللہ تعالیٰ نے مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنطِقُوْنَ اس سے اثبات رزق میں تاکید ہو گئی اور اس کی حقیقت کو ذہن نشین کر دیا اور یہ بات بتلا دی کہ کسی صاحبِ ایمان اور اہلِ ایقان کو اس میں شک و تردد نہ ہونا چاہیئے اور اس کا ثبوت دل کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہے جیسے ظاہری گویائی ان آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے اس لئے معنی کو صورت کی طرف نقل کر دیا اور غیبت کو شہادت سے تشبیہ دی اور مقدمۂ رزق میں لوگوں کا شک قطع کر دیا یعنی جیسا تم باتیں کرتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ معائنہ سے معلوم ہوتا ہے ایسے ہی تم لوگ مقدمۂ رزق میں شک مت کرو کیونکہ نورِ ایمان سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے سو خیال کر اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے قصّے میں کس قدر اہتمام فرمایا اور بار بار اس کا ذکر کیا اور اس کے مقامات بتلاتے اس کی نظیر اور مثال محسوسات سے لائے جس میں دیکھنے والے کو ذرا بھی شک نہیں اور صفت ربوبیت کی قسم کھائی جو آسمان و زمین کو محیط ہے :-

احادیثِ رزق اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلامِ مبارک میں بھی اس کا ذکر مکرر آیا ہے، ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ	یعنی جبرئیل نے میرے قلب میں
نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ	یہ بات پھونکدی کہ کوئی جان
نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ	نہیں مریگی یہاں تک کہ اپنا

ف بولتے ہو۔

حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا	رزق پورا کرے سو اللہ سے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا	ڈرو اور رزق کو طریقِ جمیل
فِی الطَّلَبِ	سے ڈھونڈو۔

اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے :-

لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ	یعنی تم کو اگر اللہ پر پورا بھروسہ
حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ	ہوتا جیسا ہونا چاہیئے تو تم کو
كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا	اس طرح رزق دیتا جیسا کہ
خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا	پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ

صبح کو بھوکے آشیانوں سے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر جاتے ہیں

اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے :-

طَالِبُ الْعِلْمِ تَكَفَّلَ	یعنی طالب علم کے رزق کا
اللّٰهُ بِرِزْقِهٖ	اللہ کفیل ہے۔

اور بہت حدیثیں ہیں جو اس بارے میں آئی ہیں

فائدہ جاننا چاہیئے کہ سبب کا ہونا مقدمہ[1] رزق میں توکل علی اللہ کے خلاف نہیں جیسا رسول اللہ صلے نے اشارہ فرمایا کیونکہ آپ نے یوں فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ سو طلب کو مباح فرمایا پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ جب طلب کرو تو طریق جمیل سے طلب کرو، یعنی طلب میں اللہ کے ساتھ تعلق و تفویض رکھو سو پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ....

[1] رزق حاصل کرنے کے لئے ذرائع اور اسبابِ دنیوی حاصل کرنا۔ "نعیمہ"

وجوہ[۱] طلب کو مباح فرمادیا اور طلب منجملہ اسباب ہے اور یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ آدمی جو کھاتا ہے اس میں بڑی حلال چیز وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائے[۲] اور بہت حدیثیں ہیں جو اسباب کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اسباب پر ترغیب اور استحسان معلوم ہوتا ہے۔

دنیاوی ذریعہ معاش کرنا اور اسکی فائدے!

اور اسباب میں بہت فائدے ہیں:۔

پہلا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب کا ضعیف ہونا اور مشاہدہ قسمت[۳] سے قاصر ہونا اور سچے بھروسے سے عاجز ہونا معلوم ہے، اس لئے اسباب کو ان کے لئے مباح کردیا تاکہ ان کے دلوں کو سہارا رہے اور ان کے نفس ثابت رہیں سو یہ اللہ کا ان پر احسان ہے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ اسباب میں آبرو و ذلت سوال[۴] سے اور رونق ایمان زوال سے محفوظ رہتی ہے جس کا اندیشہ خلقت سے طلب کرنے میں ہے سو جو کچھ اللہ تعالیٰ اسباب سے عطا فرماتا ہے اس میں کسی مخلوق کی منت[۵] نہیں

---

[۱] ذریعہ معاش، ۱۲ [۲] اس کے یہ الفاظ ہیں احل ما اکل المرء من کسب یمینہ ۱۲ تنویر [۳] تقدیر کے لکھے کو اپنی آنکھوں دیکھ لینا [۴] کسی ذریعہ معاش پر عمل کریگا تو بھیک مانگ کر لوگوں میں ذلیل نہیں ہوسکے گا، بخلاف اس شخص جو اسباب دنیوی چھوڑ بیٹھے اور لوگوں سے مانگتا پھرے [۵] احسان ۱۲ نعیمہ - ۴ - ۳ شریعت کی ناپسندیدگی ۱۲

کیونکہ کوئی یوں احسان نہیں رکھتا کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز خریدلی یا کسی کام پر تجھ کو نوکر رکھا کیونکہ اُس نے اپنے حظ نفس میں سعی کی ہے اور اپنی ذات کو نفع پہونچانے کا قصد کیا ہے پس سبب سے بے منت حاصل ہو گیا

تیسرا فائدہ یہ کہ لوگوں کو اسباب میں لگا دینے سے گناہ اور یا فراغت مخالفت کرنے سے بچا دیا دیکھو عید[1] وغیرہ میں جب اسباب معطل ہو جاتے ہیں یعنی کوئی کام نہیں رہتا تو غافلین کیسے فرصت میں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی میں غرقاب ہو جاتے ہیں سو انکو کام میں لگا دینا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

چوتھا فائدہ یہ کہ اسباب کے سرانجام دینے میں تارکین دنیا پر رحمت ہے اور طالبانِ طاعت اور فارغین عبادت پر اللہ کا بڑا احسان ہے اگر اہلِ اسباب سرانجام اسباب نہ کرتے تو خلوت والے کو خلوت اور مجاہدہ والے کو مجاہدہ کیسے بن آیا پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسباب کو ان لوگوں کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا جو اس کی طرف متوجہ ہیں اور اُدھر رُخ کئے ہوئے ہیں

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہلِ ایمان آپس میں مل جل کر رہیں چنانچہ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سو اسباب تعارف باہمی کا باعث اور محبّت باہمی کا موجب ہو گئے اور اسباب کا انکار وہی کرے گا جو جاہل ہو یا جو شخص کہ اللہ سے غافل ہو اور ہم کو یہ خبر نہیں پہونچی کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو خدا کی طرف بلایا تو اسباب چھوڑ دینے

[1] تہوار کے دن دنیا کا کوئی کام نہیں رہتا تو کس طرح غل غپاڑہ ہستی اور کھیل کود میں وقت لگا دیتے ہیں۔

کا ان کو حکم کیا بلکہ ان کو ایسے اسباب پر قائم رکھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ہدایت کی طرف ان کو بلایا اور قرآن و حدیث دونوں ثبوتِ اسباب پر ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

دیکھو مریمؑ کو ہوا حکم خدا! نخل بن کو تو ہلا اور کھا رطب
چاہتا گر شاخ کر دیتا قریب ہے مگر عالم میں ہر شیٔ کا سبب

اِس شاعر نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝

مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ ہلا اپنی طرف کو شاخ کھجور کی بکھیرے گی تیرے اوپر تازہ چھوارے پکے ہوئے

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی لڑائی میں دو زرہیں اوپر تلے پہنیں اور نیز آپ نے ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھایا اور فرمایا یہ اس کی دافع ضرر ہے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو پرندوں کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ صبح کو بھوکے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹ جاتے ہیں اس میں بھی اسباب کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ صبح و شام کی آمد و رفت بھی ایک سبب ہے کہ پرندوں کے حق میں قائم کیا گیا یہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی صبح و شام اپنے پیشوں کی طرف جاتے ہیں۔

کسبِ معاش اور رضائے حق میں قولِ فیصل

اور قولِ فیصل اس

مقدمے میں یہ ہے کہ اسباب کا وجود تو ضرور ہونا چاہیئے مگر ان پر نظر[۱] نہ ہونا چاہئے پس اسباب کو ثابت کر چونکہ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو ثابت کیا مگر اس کا سہارا نہ کر چونکہ اُس کی احدیت[۲] کا یقین رکھتا ہے۔

روزی کمانے والوں کی قسمیں اور طلب رزق میں اجمال کے معنی

اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث میں جو آیا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ سو اس اجمال سے کیا مراد ہے تو جواب جاننا چاہیئے کہ اجمال فِي الطلب کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں ہم پر اللہ نے جس قدر کھولا ہے وہ ہم تجھ کو بتلاتے ہیں سو جان تو اللہ کی تجھ پر عنایت ہو کہ روزی ڈھونڈنے والے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو اس میں غرق ہو کر اور تمامی ہمت کو اس میں متوجہ کر کے اس کو طلب کرتا ہے اس میں تو ضرور اس کا رُخ اللہ سے پھر جاتا ہے کیونکہ ہمت جب ایک طرف متوجہ ہو گی تو دوسری جانب سے ہٹ جاویگی۔

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب ایک طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرف پھیروگے دوسری طرف سے پھر جاوے گا۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے جوف میں دو دل نہیں بنائے

یعنی ایک وقت میں دو[۲] طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس کا باعث ضعف بشریت ہے کہ دو طرف توجہ ممکن نہیں پس انسان جب کبھی دو طرف متوجہ ہو گا

---

[۱] اعتماد و بھروسہ [۲] یکتائی بقیہ

ایک جہت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور تمام جہات کا ایک وقت میں سرانجام کرنا اس طرح کہ کسی میں خلل واقع نہ ہو یہ اللہ ہی کی شان ہے اسی واسطے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ	یعنی وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے

اِس سے یہ بات بتلادی کہ وہ اہلِ آسمان کی طرف بھی متوجہ ہے اور اہلِ زمین کی طرف بھی، اہلِ آسمان کی طرف متوجہ ہونا اہلِ زمین کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اہلِ زمین کی طرف متوجہ ہونا اہلِ آسمان کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اسی طرح کوئی چیز کسی چیز سے اس کو غافل نہیں کرتی اسی وجہ سے الٰہ کے لفظ کو اس آیت میں مکرر لائے اور اگر اس لفظ کو مکرر نہ لاتے تو یہ فائدہ لفظ سے حاصل نہ ہوتا ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مقتضیٰ تو ہے ہی اس سے واضح ہو گیا کہ جو شخص رزق کو اس طرح ڈھونڈھے کہ اس پر اوندھا ہو کر اللہ سے غافل ہو جاوے وہ شخص طلب میں اجمال نہیں کرتا اور جو ایسا نہ ہو وہ اجمال کرتا ہے دوسرے معنی اجمال کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے روزی طلب کرے اور کوئی مقدار اور سبب اور وقت مقرر نہ کرے پس حق تعالیٰ اس کو جو چاہے اور جس طرح چاہے جس وقت چاہے روزی دے اور یہ ادب طلب ہے اور جو شخص روزی طلب کرے اور یا مقدار یا سبب یا وقت معین کرے وہ اللہ تعالیٰ پر حکومت جتلاتا ہے اور غفلت نے اس کے قلب کو گھیر لیا ہے۔

ایک حکایت

کسی کی حکایت ہے یوں کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان اسباب کو چھوڑ دوں، اور مجھ کو دو روٹی روزانہ کہیں سے ملجایا کریں مقصود یہ تھا کہ کلفت اسباب سے راحت ملے ف دیکھو مقدار جو معین کی اس کا وبال آتا ہے ت وہ شخص کہتا ہے کہ میں اتفاقاً قید ہوگیا اور مجھ کو قید خانے میں ہر روز دو روٹیاں ملا کرتیں اسی حالت میں ایک زمانہ دراز گذر گیا یہاں تک کہ تنگ دل ہونے لگا ایک روز کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے ہم سے دو روٹیاں مانگی تھیں اور عافیت نہیں مانگی تھی سو جو تو نے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دیا میں نے استغفار کیا اور رجوع الی اللہ کیا یکایک کوئی شخص دروازہ قید خانے کا کھٹکھٹاتا ہے۔ پس میں چھوٹ کر باہر نکلا سوائے ایمان والے اس قصے سے ادب حاصل کر اور یہ مت طلب کر کہ ایک امر سے نکال کر دوسرے امر میں تجھ کو داخل کیا جاوے بشرطیکہ تو جس حالت میں ہے وہ[1] شریعت کے موافق ہو کہ اس طرح طلب کرنا اللہ کے ساتھ بے ادبی ہے پس صبر اختیار کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تو از خود کسی امر سے نکلنا چاہے اور تیرا مطلب تجھ کو مل جاوے اور راحت نصیب نہ ہو بلکہ کیونکہ بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب میں داخل ہوئے تاکہ ثروت و راحت ملے اور وہ اور تعب میں پڑ گئے اور آسانی کی

---

[1] یعنی وہ پیشہ یا ذریعہ جس کے ذریعہ حق تعالیٰ تجھ کو رزق دے رہا ہے اگر شریعت کے موافق ہو تو اس پر صبر کر اور دوسرا ذریعہ تلاش نہ کر ہاں اگر شریعت کے خلاف ہو تو بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے رزق پہونچنے کی خدا سے مدد مانگ۔ ۱۲ نعیمہ

عوض سختی بڑھ گئی اس سزا میں کہ اپنے لئے یہ صورت تجویز کی تھی اور ہماری ایک دوسری کتاب میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو اسبابؔ میں رکھے اس وقت تجرید طلب کرنا شہوت خفیہ ہے اور اگر تجھ کو تجرید میں رکھے اس وقت اسباب طلب کرنا خلاف ہمت علیہ ہے

شیطان کی ایک بڑی مکاری کا انکشاف

پس خوب سمجھ لے کہ اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اس دشمن کی یعنی شیطان کی یہ حالت ہے کہ جس کام میں تو لگا ہے اسی راہ سے تیرے پاس آتا ہے اور تیری نظر میں اس کی تحقیر کرتا ہے تاکہ جس شغل میں تجھ کو اللہ نے رکھا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے میں لگ جاوے پھر تیرا دل مشوش اور وقت مکدر ہو اور یہ یوں ہوتا ہے کہ اہل اسبابؔ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اسبابؔ چھوڑ دو اور مجرد ہو جاؤ تو تمہارے انوار روشن ہوں گے اور تمہارے قلوب و اسرار صاف ہوں اور یوں کہتا ہے کہ دیکھ فلاں فلاں نے ایسا ہی کیا اور حالانکہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے تجریدؔ کی امید ہو نہ اس کو اس قدر طاقت ہے بلکہ اس کی خیریت اسباب ہی میں ہے پس وہ اسباب کو چھوڑ بیٹھتا ہے پھر اس کا ایمان ڈگمگ

ؔ یعنی وہ پیشہ یا ذریعہ جس کے ذریعے حق تعالیٰ تجھ کو رزق دے رہا ہے اگر شریعت کے موافق ہو تو اس پر صبر کر اور دوسرے ذریعے تلاش نہ کر، ہاں اگر شریعت کے خلاف ہو تو بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے رزق پہنچنے کی خدا سے مدد مانگ۔ ۱۲ نعیمیہ

ہونے لگتا ہے اور یقین جاتا رہتا ہے اور خالق سے طلب کرنے کی طرف اور رزق کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس دریائے دوری میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس دشمنِ ایمان کا یہی مقصود تھا کیونکہ وہ تیرے پاس خیر خواہ کے پیرایہ میں آتا ہے اس لئے کہ اگر دوسری صورت میں آوے تو تو اس کی بات کیسے مانے جیسے آدم و حوا علیہما السلام کے پاس ناصح بنکر آیا اور کہا مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ جیسا اوپر بیان ہو چکا اسی طرح تارکینِ اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کب تک ان اسباب کو چھوڑے رہو گے تم کو معلوم نہیں کہ ترک اسباب میں قلوب کی توجہ لوگوں کے مال میں ہونے لگتی ہے اور دروازہ طمع کا کشادہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں تجھ سے نہ کسی کی حاجت روائی ممکن ہے نہ سخاوت کر سکتا ہے نہ حقوق ادا کر سکتا ہے۔ اور ہمیشہ تو منتظر بیٹھا رہتا ہے کہ کچھ مخلوق سے فتوح ہو اگر تو اسباب اختیار کرے تو پھر اور لوگ منتظر رہا کریں گے کہ ان کو تجھ سے کچھ فتوح ہو اور بہت سی باتیں سمجھاتا ہے اور حالانکہ اس شخص کا وقت خوش تھا اور نورکشادہ تھا اور انقطاع خلائق میں راحت ملی تھی ہمیشہ اس کے سر رہتا ہے یہانتک کہ اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسباب کی کدورت اس کو پہنچتی ہے اور اس کی ظلمت گھیر لیتی ہے اور جو شخص ہمیشہ اسباب میں رہتا ہے اس کی حالت اس شخص سے اچھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اسباب والا راہ میں چلکر نہیں لوٹا اور مقصود کی طرف متوجہ ہو کر نہیں مڑا۔ بخلاف اس شخص کے کہ راہ مولا میں

قدم اٹھا کر لوٹ آیا اور اعتراض کیا نعوذ باللہ تو خوب سمجھ لے اور اللہ کی پناہ میں آجا اللہ کی پناہ میں آیا وہ سیدھی راہ[1] چلایا گیا صرف مقصود شیطان کا یہ ہے کہ لوگوں کو جو اپنے اپنے حال میں اللہ تعالیٰ سے رضا نصیب ہے اس سے باز رکھے اور یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حالت ان کے لئے پسند فرمائی ہے اس سے جدا کر کے ایسی حالت میں پھنسا دیوے جس کو یہ لوگ خود اپنے لئے پسند کریں اور اللہ تعالیٰ جس حالت میں داخل فرماتا ہے اس میں مدد فرماتا ہے اور جس میں تو خود داخل ہو تیرے ہی حوالے کر دیتا ہے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ	یعنی دعا کر کہ اے پروردگار داخل
صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ	کر مجھ کو داخل کرنا اچھا اور نکال
مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ	مجھ کو نکالنا اچھا اور کر میرے
لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا	واسطے اپنے پاس سے غلبہ حمایت
نَّصِیْرًا ۝	کرنے والا۔

سو مدخل صدق کے یہی معنی ہیں کہ تو اس میں داخل کیا جاوے خود داخل نہ ہو علیٰ ہذا القیاس مخرج صدق کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ کو جو امر تجھ سے مطلوب ہے یہ ہے کہ تجھ کو جس حالت میں قائم کر دے وہاں ہی ٹھہر جاوے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرے نکلنے کا سامان کر دے جیسا داخل کرنے کا کیا تھا اور یوں کام نہیں چلتا کہ تو سبب کو چھوڑ دے بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ سبب تجھ کو چھوڑ دے[2] کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے اتنے اتنے مرتبہ سبب کو چھوڑا مگر پھر لوٹ

---

[1] یہ مضمون اس آیت کا ہے۔ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
[2] صفحہ ۲۱۲ پر

پھر کر اُدھر ہی آیا۔ پھر مجھ کو سبب نے چھوڑ دیا، پھر میں ادھر نہیں آیا۔

شیخ کا واقعہ میں ایک بار شیخ ابو العباس مرسیؒ کے پاس آیا اور میرے دل میں تجرید کا پختہ ارادہ تھا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ میری جو حالت اب ہے کہ علم ظاہری میں مشغول ہوں لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے اس حالت میں تو وصول الی اللہ بہت بعید ہے میں پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ فرمانے لگے کہ ایک شخص نے میری صحبت اختیار کی جو علوم ظاہری میں مشغول تھا اور اس میں صدر نشین تھا اس کو کچھ اس طریق کا مذاق ہوا تو میرے پاس آکر کہنے لگا کہ یا حضرت جس شغل میں میں ہوں اس کو چھوڑ کر فراغت سے آپ کی صحبت میں رہوں، میں نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تم اپنی حالت میں رہو جو کچھ اللہ نے تمہاری قسمت میں ہمارے ہاتھ سے لکھا ہے وہ تم کو پہونچ رہے گا، پھر شیخ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ صدیقین کی یہی شان ہے کہ کسی حالت سے خود نہیں نکلتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو نکالے پس میں شیخ کی خدمت سے آیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ خطرات میرے دل سے دھو ڈالے تھے اور مجھ راحت تسلیم میسر ہوئی، فی الحقیقت ایسوں ہی کے حق میں

علے تو سبب کا محتاج اور اسبا کا غلام بنتا نہ پھرے بلکہ اسبا تیرے غلام اور تیرے اشاروں پہ چلنے والے بنجائیں یہ اس طرح ہوتا ہے کہ تو یوں نہ کہنے لگے کہ اس طرح کیا تو اس طرح ہوگیا بلکہ یوں کہا کرے کہ میرے مولیٰ نے یہ چاہا تو یوں ہوگیا، اور وثوق دل سے یہ قول نکلے کہ اسباب کو اس طرح ہونے میں کوئی دخل نہیں بلکہ منشاءِ خداوندی کو ہی دخل ہے۔ تیمیہ (یہ حاشیہ ص۲۱۱ کا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا، تیسرے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ سے مانگے مگر قصد یہ ہو کہ اللہ سے مناجات کرتا ہوں خود وہ چیز مطلوب نہ ہو صرف طلب کرنا بہانہ مناجات ہو اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں یہ قصد نہ ہونا چاہیئے کہ مراد مل جاوے کہ اس قصد میں تو اپنے رب سے محجوب ہو جاوے گا بلکہ مقصود اعظم مناجاتِ مولیٰ ہو اور منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پوچھتے پھرا کرتے تھے کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کو کچھ پیغام دیتا ہے؟ یہ صرف اسی واسطے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا زیادہ باتیں ہوں چوتھے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ طلب کرنے کے وقت یہ مشاہدہ کر کہ جو کچھ بھی تیری قسمت میں ہے وہ خود تجھ کو ڈھونڈتا آوے گا اور تیرا طلب کرنا اس تک نہ پہونچا وے گا پس تیری طلب اس حال میں ہونی چاہیئے کہ تو دریائے عجز میں غرق ہو احتیاج میں غوطہ زن ہو اور کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ حظوظ بشریہ کے لئے طلب نہ ہو بلکہ اظہار عبودیت کے لئے ہو جیسا حکایت ہے کہ حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ کبھی ذوق و شوق میں یوں کہتے ؎

جز ترے مجھ کو کوئی بھاتا نہیں ... آزمالے جس طرح چاہے مجھے

پس حبس البول کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، پس صبر کیا اور مستقل رہے یہاں تک کہ ان کا ایک شاگرد آ کر کہنے لگا کہ اے استاد میں نے گذشتہ شب تمہاری آواز

لہ حدیث یہ ہے ھم القوم لا یشقی جلیسھم ۱۲ تنویر

سہ یعنی پیشاب کا بند ہو جانا

سُنی کہ اللہ سے شفا و عافیت مانگ رہے تھے حالانکہ انھوں نے دعا نہیں کی تھی پھر دوسرا شاگرد آیا پھر تیسرا شاگرد آیا پھر چوتھا آیا ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ اپنی محتاجی اور ضرورت عافیت ظاہر کروں پھر اللہ سے شفا چاہی پھر مکتب کے بچوں میں گھومتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے اپنے چھوٹے چچا کے لئے دعا کرو۔ پانچویں معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ اللہ سے اتنا مانگے جو کافی ہو اور اتنا نہ مانگے جس میں حد سے نکلنے لگے، قدر کفایت سے جو زائد ہو اس کی طرف حرص کے ساتھ توجہ نہ ہو نہ رغبت کے ساتھ اس کی طرف دل کھلنا چاہیئے اور یہ بات ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے کہ دعا مانگتے۔ اللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا یعنی اے اللہ محمد کے گھر والوں کو اتنا دے کہ برابر سرا بر ہو جاوے اور کفایت سے زیادہ طلب کرنے والا قابل نکوہش[1] ہے اور طالب کفایت پر کچھ ملامت نہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وَلَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ یعنی قدرے کفایت پر تجھے ملامت نہیں کی جاتی۔

ثعلبہ کا قصہ

اور اس مضمون میں تیرے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو ثعلبہ بن حاطب کو فرمایا تھا کافی ہے جب اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے آپ نے فرمایا اے ثعلبہ بن حاطب وہ قلیل جس کا تو شکر ادا کرتا رہے اس کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے اٹھایا جاوے، ثعلبہ نے مکرر

[1] برا کام کرتا ہے

عرض کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ جس قلیل کا شکر ادا کرے وہ اس سے اچھا جو تجھ سے اُٹھ نہ سکے وہ برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے اس کی مرضی کے موافق دعا فرما دی پس اس نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کی ہوئی حالت کی مخالفت کر کے اپنی پسند کی ہوئی حالت کو اختیار کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے بچھڑ جاتا^۱ پھر مال اور بڑھا یہاں تک کہ بجز جمعہ کے کوئی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ پڑھتا، پھر بکریاں مواشی اس قدر بڑھیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہ ہو سکی پھر اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ لینے والا آیا کہنے لگا کہ میری رائے میں تو یہ جزیہ ہے یا مشابہ جزیہ کے اور زکوٰۃ نہ دی اور اس کا قصہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں یہ نازل فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اِلٰی قولہ یَكْذِبُوْنَ یعنی ان منافقوں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا کرے تو ہم خوب خیرات کریں اور بھلائی والوں میں سے ہو جاویں، پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا وہ بخل کرنے لگے اور منہ موڑا اعراض کرتے ہوئے، پس بدلہ دیا اللہ نے ان کو کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جو اس سے ملنے کے دن تک رہے گا بسبب اس کے کہ اللہ سے انھوں نے وعدہ خلافی کی اور بسبب اس کے کہ جھوٹ بولتے تھے، چھٹے معنی اور اجمال فی الطلب کبھی دُنیا مانگنے میں ہو سکتا ہے۔ ف یعنی اس طرح کہ اس پر بس نہ کرے

---

۱ پیچھے رہ جاتا۔

بلکہ دعائے آخرت کو بھی ملالے مت فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اِلٰى هٰذَابَ النَّار یعنی بعضے تو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملتا اور بعضے یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی[1] دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے۔ ساتویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ اس طرح طلب کرے کہ ملنے میں شک نہ ہو اور رحمت کا پاس کبھی

دعا قبول ہونے کی مدت

آٹھویں معنی ایک اجمال فی الطلب یہ ہے کہ طلب کرتا رہے اور یہ تقاضہ نہ ہو کہ جلدی قبول ہو اور غیر اجمال یہ ہے کہ جلدی کا تقاضہ ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد ہوا[2] ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے جبتک یہ تقاضہ نہو کہ میں نے تو دعا کی مگر قبول ہی نہیں ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی جیسا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ اِلٰى قَوْلِهٖ اَلِيْم یعنی اے ہمارے رب مٹادے ان کے مال اور سختی کردے ان کے دلوں پر بس یہ ایمان نہ لانے پاویں یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا قَدْ اُجِيْبَتْ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی پس دونوں مستقیم رہو اور راہ مت چلو ان لوگوں کی جو جانتے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانے میں کہ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اور فرعون

[1] یعنی عمل نیک۔ ملفوظ شریف۔ [2] حدیث یہ ہے یستجاب لاحد کم ما لم یقل دعوت فلم یستجب لی ۱۲ تنویر

کے ہلاک ہونے میں چالیس سال کی مدت تھی شیخ ابوالحسنؒ نے فاستقیما کی تفسیر میں فرمایا کہ مستقیم رہو جلدی مراد نہ مانگنے پر اور الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبولیت دعا میں جلدی مچاتے ہیں تو یہی معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کرے پھر اگر ملجاوے شکر کرے اور اگر نہ ملے تو اس کی خوبی اختیار او رعدہ پسند کو مشاہدہ کرے کیونکہ بہت سے طالب ملنے پر شکر نہیں کرتے اور نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مصلحت دانی پر نظر نہیں رکھتے بلکہ جو طلب کرتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میرے مصلحت ملنے ہی میں ہے حالانکہ اس نادان کو کہاں پہونچتا ہے کہ علم الٰہی کے مقابلے میں حکم لگا دے اور اللہ کے غیب پر واقف ہو جاوے اور بندے کی یہی حالت بس ہے کہ اپنے مولیٰ کے مقابلے میں تجویز نہ لگانے۔

دعا کا مقبول طریقہ پس جب اس سے سوال کرنا ہو تو ایسی طرح سوال کر کہ اسی کو تفویض کر دے اور اس کے آگے نہ تدبیر چلاوے نہ تجویز ٹھہراوے خود ارشاد فرمایا وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ الخ یہ حکم تو اس امر میں ہے جس کا خیر و شر ہونا معلوم نہ ہو اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ آدمی جس چیز کے لئے دعا کرتا ہے وہ تین قسم ہے ایک وہ جو یقیناً خیر ہو اس کو تو بے استثناء اللہ سے مانگنا چاہیئے جیسے ایمان اور سب طاعتیں، دوسرے وہ جو یقیناً شر ہو اس سے بلا استثنا بچنے کی دعا کرنا چاہیئے جیسے کفر اور سب گناہ، تیسرے وہ جس کا حال معلوم نہ ہو جیسے غنی ہونا معزز ہونا، بلند مرتبہ ہونا اس کو اللہ سے یہ کہہ کر

لہ کیسے مناسب ہے

مانگنا چاہیئے کہ یا اللہ اگر یہ میرے حق میں بہتر ہو تو عنایت فرما ورنہ خیر۔ ایسا ہی سنا ہی میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دسویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کے وقت اس کی تقسیم ازلی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی دعا کی طرف نسبت نہیں کرتے، کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہی کہ طلب کر رہی ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم مستحق نہیں یہ لوگ سزاوار ہیں کہ منت خداوندی کے مستحق ہوں۔ شیخ ابوالحسن رح فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سے کوئی چیز مانگی ہے اپنی تمام برائیاں پیش نظر کرلی ہیں، مقصود شیخ رحمۃ اللہ کا اس مراقبے سے یہ تھا کہ اللہ تعالے سے ایسے وصف کے ساتھ سوال نہ ہو جس میں استحقاق عطاؔ ہو بلکہ اس کا فضل اس کے فضل ہی کے ذریعہ سے مانگا جاوے، پس یہ دس توجیہیں اجمال فی الطلب کی ہیں اور انحصار مقصود نہیں کیونکہ اس میں اس سے کہیں زیادہ وسعت ہے لیکن ہم نے اس قدر بیان کیا ہے جتنا غیب سے مولی سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت کیا اور یہ حدیث کلام حضور کا انوذ محیط کا ہے ف مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں مت سو لینے والا اپنی نوسائیت کے موافق اس سے لے سکتا ہی اور آپ کے دریا نے جواہر سے اسی قدر لے گا جسقدر غوطہ لگائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کے موافق سمجھتا ہے ایسی مثال ہے جیسے بہت طرح کے درخت ہوں

لہ اپنی ذات کو اس مراد کا حق دار جانے، یعنی یوں سمجھے کہ میری یہ مراد پوری ہی ہونی چاہیئے میں اس کا حقدار ہوں، بلکہ اللہ کے فضل پر نظر رکھے اور سمجھے کہ وہ اگر میرے لئے اس چیز کو مناسب جانے گا تو میرے مانگنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے فضل وکرم سے ضرور عنایت فرمادے گا۔ نعیمیہ

کہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں پھر بعضوں کو بعضوں پر میوے میں بزرگی دی ہوف یعنی فیاض ایک ہے اختلاف فیوض اختلاف استعداد مستفیضین سے ہے دت اور جو چیز لوگوں نے نہیں لی وہ لئے ہوئے سے زیادہ ہے اور یہ ارشاد نبوی سُن[ف] کہ مجھ کو جامع کلمات عنایت ہوئے اور میرے لئے کلام مختصر کیا گیا ہے سو اگر علمائے الہٰی ابدالآباد تک آپ کے کلام مبارک کے ایک کلمے کے اسرار بیان کریں تب بھی علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور فہم سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستر برس تک اس حدیث پر عمل کیا اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا حدیث یہ ہے۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر مفید چیزوں کو ترک کردے اور اُس بزرگ نے سچ کہا اللہ اس سے خوش رہے اور اگر وہ بزرگ بقائے دنیا تک زندہ رہتے بلکہ ابدالآباد[۲] تک تب بھی اس حدیث کے حقوق سے اور جو کچھ اس میں عجائب علوم اور اسرار نجوم رکھے ہیں ان سے فارغ نہ ہوتے۔

مضمون اصلی شروع

دیکھو یہ ارشاد نبوی کہ اگر تم کو اللہ پر بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہیئے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر جاتے ہیں۔ اس حدیث کو دیکھتے ہو کہ امر بالتوکل[۳] پر دلالت کرتی ہے نفی اسباب پر

---

[۱] حدیث یہ ہے اوتیت جوامع الکلم واختصر لی الکلام اختصاراً ۱۲ تنویر
[۲] جب تک دنیا رہتی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ ۱۲ [۳] توکل کا حکم دیتی ہے ۱۲ " تعمیہ "

دلالت نہیں کرتی بلکہ اسباب کے اثبات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یوں فرمایا ہے کہ صبح کو آتے ہیں شام کو جاتے ہیں سو ان کے لئے صبح کا آنا شام کا جانا ثابت کیا کہ ان کے حق میں یہی سبب ہے البتہ جمع کر کے رکھنے کی نفی فرمائی پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو پورا توکل ہوتا تو تم ذخیرہ نہ کیا کرتے اور تم کو توکل کرنا ذخیرہ رکھنے سے بے نیاز رکھتا اور تم کو اس طرح سے رزق ملتا جیسے پرندوں کو ملتا ہے کہ ایک دن کی روزی مل گئی دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے بجز ان کو وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا، سوائے ایمان والو تم تو اس کے زیادہ مستحق ہو پس آپ نے یہ بات بتلادی کہ ذخیرہ کرنے کا باعث ضعفِ یقین ہے۔

مال جمع کرنیوالوں کی قسمیں

اگر کوئی دریافت کرے کہ ہر ذخیرہ کا یہی حکم ہے یا حالت مختلف ہے تو جاننا چاہیئے کہ ذخیرہ رکھنا تین قسم پر ہے[1] ذخیرہ رکھنا ظالمین کا ذخیرہ رکھنا مقتصدین کا، ذخیرہ رکھنا سابقین کا۔

قسم اوّل

یعنی ظالمین وہ لوگ ہیں جو ذخیرہ کرتے ہیں بخل سے اور دولت بڑھانے کو[2] امساک کرتے ہیں۔ شیخی بگھارنے کو اور فخر کرنے کو سو ان لوگوں کے قلوب میں غفلت خوب جم گئی اور ان کے نفوس پر حرص غالب ہو گئی ان کی حرص دنیا سے فراغت نہ پاوے گی ان کی ہمت دنیا کے سوا

---

[1] یہ تینوں قسمیں لوگوں کی اس آیت میں مذکور ہیں منهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات باذن اللہ ۱۲ مترجم [2] دولت کو روکتے ہیں

کسی طرف نہ جاوے گی ان کی محتاجی ثابت ہے اگرچہ ظاہر میں غنی ہوں ان کی ذلت ظاہر ہے اگرچہ دیکھنے میں معزز ہوں یہ لوگ دنیا سے سیر نہ ہوں گے اور اس کی طلب سے سست نہ ہوں گے اسباب دنیا ان کے ساتھ بازی گر رہے ہیں ان کے متفرق رب ہو رہے ہیں یہ لوگ[1] چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ ہیں غافل ان کے دلوں میں علم کے یاد رکھنے کی اور نصیحت سننے کی جگہ نہیں پس بہت ہی کم ان کے اعمال مقبول ہوتے اور ان کے احوال صاف ہوتے ہیں کیونکہ اندیشۂ فقر ان کے دلوں میں بس رہا ہے اور[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کے دل میں اندیشۂ فقر جا گزیں ہو اس کا عمل بہت ہی کم مقبول ہوتا ہے پس جو ایماندار اس بلا سے عافیت میں ہو جس میں وہ پھنسے ہیں اور اس آفت سے سالم ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اور اس کدورت سے پاک ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اس فضل پر جس کے ساتھ اس کو مخصوص کیا اور اپنے عطا سے اس پر انعام کیا اور جب ایسے لوگوں کو دیکھے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا جیسا جب کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس پر مصیبت ہوتی ہو تو اللہ کی حمد کرتا ہے جس نے تجھ کو عافیت دی اور اس وقت اپنے مولا کے انعام کا مشاہدہ کرتا ہے اسی

[1] یہ مضمون ہے آیت کا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغافلون ۱۲ مترجم

[2] حدیث یہ ہے من سکن خوف الفقر قلبہ قل ما یرفع لہ عمل ۱۲ تنویر

طرح تجھ پر واجب ہے اور سزاوار ہے کہ اللہ کا شکر کرے جب تجھ کو اسباب دنیا اور اس میں پھنسنے سے عافیت عنایت فرماوے اور دوسروں کو مبتلا کرے اور ان کو حقیر نہ سمجھ بلکہ بجائے حقیر سمجھنے کے ان پر رحم کر اور بجائے بد دعا کے ان کے لئے دعا کر۔

حضرت معروف کرخیؒ کی دُعا

اور عارف باللہ حضرت معروف کرخیؒ کے فعل کا اتباع کر کہ جو سراپا معروف یعنی نیکی تھے قصہ یہ ہے کہ ایکبار حضرت معروف کرخیؒ اپنے یاروں کے ساتھ دجلہ پر گذرے اُن کے یاروں نے دجلہ پر ایک جلسہ دیکھا جو کہ اہل لہو وفسق ونشاط تھے سب نے عرض کیا کہ اے استاد ان کے لئے بددعا کیجئے آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا یا اللہ تو نے جیسا ان کو دنیا میں خوش کیا ہے آخرت میں بھی ان کو خوش رکھ یاروں نے عرض کیا کہ اے اُستاد ہم نے تو بد دعا کو کہا تھا آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کو آخرت میں خوش رکھنا منظور ہوگا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا تمہارا اس میں کیا نقصان ہے اسی وقت اُس جلسہ کے لوگ خشکی میں آئے اور مرد ایک طرف اُترے عورتیں ایک طرف دونوں پاک صاف ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے بڑے بڑے عابد وزاہد ہوئے پس جب گناہ گاروں پر نظر پڑے تو یہ سمجھ کہ علم ازلی اور مشیت قطعی میں ان پر یوں ہی حکم ہو چکا ہے اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تجھ پر اندیشہ ہے کہ ایسے ہی امتحان میں تو نہ پھنس جاوے اور ان کی طرح تو بھی دور ڈال دیا جاوے۔

مومن کا مرتبہ شیخ ابوالحسن رح کا ارشاد سُن کہ فرماتے ہیں ایمان والوں کی تعظیم کر اگرچہ وہ عاصی فاسق ہوں اور ان کو نیک بات بتلا اور بُری بات سے منع کر اور اُن سے ملنا اگر چھوڑے تو وہ بھی شفقت سے ہو نہ اپنی بڑائی جتلانے کو شفقت یہ کہ ہمارے ملنا چھوڑنے سے اس کو تنبیہ ہو گی اور راہِ راست پر آجاوے گا ت اور یہ بھی شیخ رح کا قول ہے کہ اگر مومن عاصی کا نور ظاہر ہو جاوے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فضا کو بھر دیوے تو مومنِ مطیع کی کیا کیفیت سمجھتے ہو اور اہلِ ایمان اگرچہ اللہ سے غافل ہوں ان کی تعظیم کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بس ہے

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ — یعنی پھر وارث کیا ہم نے کتاب
الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا اِلیٰ — کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے برگزیدہ
قَوْلِہٖ بِاِذْنِ اللّٰہِ — کیا اپنے بندوں سے سو بعض تو

ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض بیچ کی چال چلتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بڑھے ہوتے ہیں اللہ کے حکم سے۔

سو خیال کر کہ با وجود ظالم ہونے کے ان کے لئے اصطفا[1] کس طرح ثابت فرمایا اور ظلم کو اس کا سبب قرار نہیں دیا کہ ان کو برگزیدگی سے یا وراثت کتاب سے نکال دے اور ان کو ایمان سے پسند کیا اگرچہ گناہ سے ظالم ہوں پس پاک ہے وسیع رحمت والا بڑی منت والا اور جاننا چاہیئے کہ اس کے ملک میں ضرور ایسے بندے بھی ہونے چاہئیں جو مستحق حلم اور مظہر رحمت و مغفرت و وقوع

---

[1] نیکی اور

شفاعت ہوں اور اس حدیث کو سمجھ کہ فرمایا[۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو البتہ اللہ تعالیٰ تم کو نا پید کر کے دوسری قوم کو ظاہر کرتا جو گناہ کرتے پھر استغفار کرتے پھر اللہ ان کو بخشتا اور فرمایا[۲] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری شفاعت اہل کبائر کے لئے ہے میری امت میں سے ف ان حدیثوں میں وسعت رحمت اور حکمت[۳] وقوع معاصی کا بیان کرنا مقصود ہے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ گناہ سے اللہ و رسول خوش ہوتے ہیں حاشا وکلاّ اور ایک شخص شیخ ابو الحسن رح کے پاس آکر کہنے لگا اے حضرت گذشتہ شب ہمارے پڑوس میں ایسی ایسی باتیں ہوئیں اور اس شخص سے آثار استبعاد کے ظاہر ہوتے آپ نے فرمایا اے شخص شاید تو یوں چاہتا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کی معصیت نہ ہو جو شخص یوں چاہتا ہے کہ معصیت نہ ہو وہ یوں چاہتا ہے کہ اس کی مغفرت ظاہر نہ ہو اور حضرت صلعم کی شفاعت نہ ہو ختم ہوا کلام شیخ کا اور بہت سے ایسے گنہگار ہیں کہ ان کی کثرت گناہ اور لغزش موجب رحمت پروردگار ہو جاتی ہے پس تو اس پر رحم کر اور اس کے ایمان کی عزت سمجھ اگرچہ گناہ کرتا ہے۔

---

[۱] حدیث یہ ہے والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم تذنبون فیستغفرون اللہ فیغفر لھم ۱۲ تنویر

[۲] حدیث یہ ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی ۱۲ تنویر

[۳] یعنی اوپر کے مضمون میں گناہ گار مسلمانوں کی تعظیم اور ان کے مرتبہ کے بیان سے کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ پھر تو گناہ خوب کرنے چاہییں بلکہ مقصد گناہ کی پیدائش کا بیان کرنا ہے یعنی اظہار مغفرت جس طرح آگ کی پیدائش کی حکمت الٰہی اظہار جلال و غضب ہے ۱۲ نعیم

قسم دوم ذخیرہ جمع کرنا مقتصدین یعنی بیچ کی چال چلنے والوں کا ہے اور وہ لوگ وہ ہیں کہ دولت بڑھانے اور شیخی بگھارنے اور بڑائی جتلانے کے لئے ذخیرہ نہیں کیا بلکہ محتاجی میں اپنے اضطراب کا حال معلوم کیا پس سمجھے کہ اگر ذخیرہ نہیں کرتے تو ان کا ایمان ڈھل مل ہوتا ہے اور یقین ڈگمگ ہوتا ہے پس انھوں نے اس لئے ذخیرہ کر لیا کہ متوکلین کے حال کی ان میں ہمت نہیں اور جانتے ہیں کہ ہم مقام یقین سے عاجز ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۱] ہے کہ مومن قوی اللہ کے نزدیک مومن ضعیف سے اچھا ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں پس مومن قوی وہ ہے کہ اس کا نور یقین روشن ہو پس اس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا رزق ضرور میرے پاس پہونچاویگا خواہ ذخیرہ کرے یا نہ کرے اور اگر میں ذخیرہ نہ کروں گا تو اللہ میرے لئے ذخیرہ کرے گا اور ذخیرہ[۲] والے اپنے ذخیروں کے حوالے کئے جاتے ہیں اور توکل والے اللہ کے حوالے ہیں اور کسی شئی کے حوالے نہیں کئے گئے سو مومن قوی وہ شخص ہے جو اسباب کا سہارا نہ کرتا ہو خواہ اسباب میں ہو یا نہ ہو اور جو مومن ضعیف ہے وہ اگر اسباب میں داخل ہے تو ان کا کچھ سہارا سمجھتا ہے اور اگر اسباب سے خارج ہے تو ان کی طرف نگراں ہے۔

---

[۱] حدیث یہ ہے المومن القوی خیر عند اللہ من المومنین الضعیف وفی کل خیر ۱۲ تنویر [۲] جو شخص دولت جمع نہیں کرتا اور اللہ کی رزاقیت پر یقین کرتا ہے وہ اس کا بھی یقین کرتا ہے کہ جمع کرنے والوں کا بھروسہ چونکہ اپنے مال پر ہے اس لئے اللہ نے ان کو ان کے مال کے سپرد کر دیا ہے اور ہم اللہ کے بھروسہ پر ہیں اس لئے اسی کے سپرد ہیں۔ " نعیمیہ "

قسم سوم ذخیرہ رکھنے نہ رکھنے کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جو سابقین ہیں یعنی مراتب میں بڑھے ہوئے وہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کی طرف بڑھ گئے کیونکہ ان کے دل اس کے ماسوا سے خالص ہو گئے پس ان کو موانع اللہ سے نہ روک سکے اور علائق اللہ سے غافل نہ کر سکے پس اللہ کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ ان کو کوئی امر مانع نہ تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے صرف غیر اللہ کے تعلق کی کشش نے روک رکھا ہے جب ان کے قلوب اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں وہ تعلق اسی چیز کی طرف کھینچتا ہے جس کی طرف تعلق ہے پس وہ واپس لوٹ آتے اور اسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں سو درگاہِ بے نیاز ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جس کی یہ حالت ہو بعض عارفین کا قول ہے کہ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تجھ کو پیچھے سے کوئی چیز کھینچ رہی ہو اور تو خدا کی درگاہ میں پہنچ جاوے اس مقام پر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد سمجھو۔

يَوْمَ لَا تَنفَعُ مَالٌ وَّلَا	یعنی نہ نفع دے گا مال اور
بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ	اولاد اس دن مگر جو لایا اللہ
بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ٥	کے پاس قلب سلیم۔

اور قلب سلیم وہ ہے جس کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے تعلق نہ ہو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ	یعنی تم ہمارے پاس اکیلے آئے
كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ	جیسا ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا

لہ دنیاوی تمنائیں، مصروفیات، بکھیڑے "نعیمیہ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس آنا اور وہاں تک رسائی ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ کل ماسوا[1] سے جدا ہوجاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْماً فَاٰوٰى ٥ — یعنی کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس جب ہی ٹھکانا دیتا ہے جب ماسوا[1] سے یتیم ہوجاؤ اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ — یعنی اللہ طاق ہے دوست رکھتا ہے طاق کو،

یعنی اس قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوقات کی آمیزش کے ساتھ جفت نہ ہو پس یہ قلوب اللہ کے ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں انھوں نے اللہ کو تصرف کرنے دیا پس اس نے ان کو ان کے نفوس کی طرف نہیں حوالے کیا اور ان کو ان کی تدبیر پر نہیں چھوڑا سو یہ لوگ دربار والے ہیں جن کے ساتھ احسان سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ مخلوقات ان کو اللہ سے جدا نہیں کرتی اور حسن عاریتی[2] ان کو اللہ سے غافل نہیں کرسکتا اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں ؎

کیا حقیقت ہے تری اے مست ناز — ہو اگرچہ حسن میں تو بے نظیر
لیک تجھ میں ایک سا ہی گنج نہاں — اس نے مجھ کو کرلیا اپنا اسیر

---

[1] ہر چیز سے بے غرض، بے پرواہ اور بے خیال ہوجاؤ حتیٰ کہ اپنی جان کا بھی خیال محبت اور عزت دل میں اپنی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس لئے ہو کہ جان کی حفاظت کا حکم شرعی ہے
[2] دنیا جو عارضی اور ایک امانت اور مانگی ہوئی چیز کے طور پر ہمارے پاس...

نظر ثانی شدہ

بعضوں کا قول ہے کہ اگر مجھ کو غیر کی طرف نظر کرنے کا حکم ہو تو مجھ سے نہ ہو سکے کیونکہ غیر تو ہی ہی نہیں جس کو دیکھ سکوں اور یہ ان لوگوں کا حال ہے کہ حفاظت الٰہی جن کی ذمہ دار اور عنایت الٰہی ان کی نگہبان ہے بھلا ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ رکھیں وہ تو حاضر باش درگاہ ہیں اور اگر ذخیرہ کرتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا سہارا تکیں وہ تو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں شیخ ابوالحسن شاذلی نے فرمایا ہے کہ ایک بار مجھ پر شہود غالب ہوا میں نے دعا کی کہ اس کو مجھ سے چھپا لیا جاوے حکم ہوا کہ جو جو دعائیں موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور محمد حبیب اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں اگر سب جمع کر کے بھی دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی مگر یہ دعا کرو کہ تم کو اس کے برداشت کی قوت ہو جاوے، میں نے دعا کی اللہ نے مجھ کو قوت بخشی سو جس شخص کا یہ حال ہو وہ ذخیرہ رکھنے کا محتاج کیوں ہونے لگا یا اس سے کیسے ہو سکتا ہے کہ غیروں کا سہارا ڈھونڈے اور ایماندار کو یہی بہت ہے کہ اپنے ایمان و توکل کا ذخیرہ جمع کرے اور جن کو اللہ کی طرف سے سمجھ ہے وہ اس پر توکل کرتے ہیں پس اللہ ان کے لئے ذخیرہ کرتا ہے اور انھوں نے اس کا پاس کیا وہ ان کا نگہبان ہو گیا اور وہ لوگ اللہ کے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہو بیٹھے

(بقیہ ص ۲۲۷) ہے اللہ والوں کو اس کا حسن نہ زیبائش، ٹھاٹ باٹ دھوکہ میں نہیں ڈالتے وہ اس فانی دنیا کی وجہ سے اللہ سے غافل نہیں ہوتے بلکہ وہ دنیا کی ہر لذت ہر آرام ہر زینت اور ہر حالت میں اس کی حقیقت کی طرف نگاہ جمائے رہتے ہیں وہ حقیقت کیا ہے وجود باری تعالیٰ۔ "نعیمیہ"

پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح ان کا مددگار بن گیا ان کے مہمات میں کفایت فرمائی اور ان کے غم کو اُن سے دور کیا وہ لوگ رزق کا اہتمام چھوڑ کر اس کے احکام میں یہ یقین کرکے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود ان کے حوالے نہ کریگا اور اپنے فضل سے ان کو محروم نہ رکھے گا سو یہ لوگ راحت میں داخل ہو گئے اور جنت تسلیم ولذت تفویض میں واصل ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے اُن کا مرتبہ بلند کیا اور ان کے انوار کو کامل فرمایا اور وہ لوگ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن سے حساب بھی اٹھا لیوے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ستر ہزار آدمی میری امت میں سے بے حساب جنت میں داخل ہوں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جو لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بدشگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور ایسے شخص کا کیا حساب ہو جس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو اور ایسے شخص کے فعل سے کیا سوال ہو جو مشاہدہ کرتا ہو کہ میرا کچھ فعل ہی نہیں حساب تو مدعیوں سے ہو گا اور مناقشہ غافلوں سے ہو گا جو سمجھ رہے ہیں کہ ہم مالک ہیں یا اللہ کے آگے کچھ کر سکتے ہیں اور جس شخص نے اللہ پر وثوق وتوکل کرکے ذخیرہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا رزق خوشگوار بھیجتا ہے اور اس کے دل میں

لہ حدیث یہ ہے سبعون الفا من امتی یدخلون الجنۃ بغیر حساب قیل من هم یا رسول اللہ قال هم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون ۱۲ تنویر

غنا پیدا کرتا ہے۔

ایک عارف کا قصہ معرفت

کوئی عارف مفلس ہو گیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو کچھ گھر میں ہے سب نکال کر خیرات کر دے اس نے ایسا ہی کیا مگر ایک چکی رہنے دی اور اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس کی ضرورت ہو اور پھر ایسی نہ ملے فوراً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ گیہوں شیخ کے واسطے آئے ہیں تمام صحن گیہوں سے بھر گیا جب عارف واپس آئے اور دیکھا کہنے لگے کہ تو نے سب چیزیں گھر میں سے نکال دی تھیں وہ بولی کہ ہاں عارف نے کہا ہرگز یہ بات نہیں بیوی نے کہا کہ ہاں ایک چکی رکھ لی تھی اس خیال سے کہ شاید اس کی ضرورت ہو انھوں نے فرمایا کہ اگر چکی بھی نکال دیتی تو آٹا آتا مگر تو نے چکی رہنے دی ایسی چیز آئی جس سے تو تھکے اگر یہ سالقین ذخیرہ کرتے ہیں تو اپنے لئے نہیں بلکہ امانت کے طور پر رکھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ نحویلدار امانت دار اور غلامان خاص ہیں اگر دنیا کو رکھتے ہیں تو حق سے رکھتے ہیں اگر دیتے ہیں حق سے دیتے ہیں اور جو حق سے دُنیا رکھے وہ لیتے ہیں اس سے کم نہیں جو حق سے خرچ کرے اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ اللہ کے آگے مالک ہیں بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور نیابتہً اس میں تصرّف کرتے ہیں وہ یہ حکم سُن چکے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ — یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو نائب بنایا۔

پس انھوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے آگے ان کی مِلک نہیں بلکہ صرف ایک

نسبت ہے جو تیری طرف اضافت[1] کی گئی اور ایک ضیافت احسانی ہے جس سے تجھ پر منّت رکھی تاکہ تیرا امتحان کرے حالانکہ وہ علیم خبیر ہے کہ تو کیا عقیدہ رکھتا ہے آیا اس کے ظاہر پر رہ جاتا ہے یا اس کے باطن کی طرف پہونچتا ہے اسی واسطے انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے سوا بردان کی کسی شے میں ملک نہیں ہوتی کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ تو اس چیز کی واجب ہوتی ہے جو تیری ملک میں ہو وہ حضرات تو اپنے اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں خرچ کے وقت خرچ کرتے ہیں اور بے موقع نہیں دیتے دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس واسطے ہے کہ دینے والے سے جو گناہ وغیرہ ہو گیا ہے اس سے پاکی و صفائی ہو جاوے فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لو کہ اس سے ان کو پاک و صاف کر دو اور انبیاء علیہم السلام آلودگی سے پاک ہیں بوجہ معصوم ہونے کے اور اسی واسطے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نابالغوں پر زکوٰۃ واجب نہیں بتلائی کیونکہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں جن کو تم اپنی کہتے ہو، میری بیوی، میرا مال، میرا بچہ میرا کاروبار یہ تمام تو اس اللہ کے ہیں جس کے تم خود ہو اور تم سے جو ان چیزوں کی نسبت اور تعلق قایم ہوا ہے وہ مالکانہ نہیں بلکہ مولائے کریم کے احسان کے طفیل میں ہے، بادشاہ اپنے غلام کو ایک سہرا تاج پہنا کر کہے یہ تمہارا ہے لیکن جب ہم چاہیں گے واپس لے لیں گے تو گویا بادشاہ نے غلام کو امتحان میں ڈالدیا اگر غلام اس کی حفاظت کرتا ہے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہیں خراب یا ضائع نہ ہو جائے تو وہ غلام صحیح معنوں میں وفادار ہے۔ اگر وہ اس تاج پر گھمنڈ کر بیٹھے اور اترا جائے اور دل سے اپنی ملکیت سمجھے تو نمک حرام اور بے وفا ہے "نعیمیہ"

[2] زان سلیمان خویش را مسکین بخواند ۱۲ ملفوظ شریف۔

آلودگی گناہ نہیں ہے گناہ تو بعد مکلف ہونے کے ہوتا ہے اور مکلف ہونا بعد بلوغ کے ہے اس مقام میں اس ارشاد نبوی کو سمجھو نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ یعنی ہم لوگ جو انبیا ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا جو ہم چھوڑ جاویں وہ صدقہ ہے جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو ہم نے تقریر کی ہے وہ اس سے واضح ہوتی ہے اور اہلِ معرفت جو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں جب ان کا یہ حال ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی ملک نہیں سمجھتے تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نسبت کیا سمجھنا چاہیئے کہ اہلِ توحید و معرفت انھیں کے دریاؤں سے چُلّو لیتے ہیں اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔

حکایتِ ائمہ رح حکایت ہے کہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے تھے یکایک شیبان راعی آپہونچے امام احمد رح نے امام شافعی رح سے کہا کہ ان کی بڑی شہرت ہے کچھ ان سے پوچھوں امام شافعی رح نے فرمایا ایسا مت کرو امام احمد رح نے کہا ضرور پوچھنا چاہیئے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیبان تم ایسے شخص کے حق میں کیا حکم دیتے ہو جو چار رکعت میں چار سجدہ بھول گیا فرمانے لگے اے احمد رح یہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اُس کو سزا دینا چاہیئے تاکہ وہ دوبارہ ایسا نہ کرے پس امام احمد بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا کہنے لگے کہ اس شخص کے حق میں کیا حکم لگاتے ہو جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں ان کی زکوٰۃ کس قدر ہے فرمانے لگے کہ ہمارے مذہب پر یا تمہارے مذہب پر امام احمد رح نے کہا کیا اس میں دو مذہب ہیں فرمایا ہاں دو مذہب ہیں خیر تمہارے مذہب پر تو چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب پر یہ ہے کہ غلام آقا کے ہوتے ہوئے کسی شے

کا مالک نہیں[۱] ہوتا۔

حضورؐ کے مال جمع کرنیکی وجہ

اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سال کے گذارے کے لائق ذخیرہ رکھا ہی سو یا تو وہی بات ہی جو ہم نے پہلے کہی ہے کہ انبیاءؑ کا ذخیرہ رکھنا بطور امانت کے ہوتا ہی کہ وہ ایسا وقت تجویز کیا کرتے ہیں جس میں خرچ کر دینا مناسب ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال کے واسطے ذخیرہ رکھا تھا یا یہ وجہ ہے کہ امت کے لئے ذخیرہ رکھنے کا جواز بیان فرما دیں[۲] کیونکہ جب ذخیرہ پر بھروسہ نہ ہو تو منافی توکل نہیں اور دلیل اس کی کہ مقصود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیان جواز امت کے لئے تھا یہ ہے کہ آپ کی غالب حالت یہی ہے کہ ذخیرہ نہیں رکھا تو صرف اس واسطے ذخیرہ رکھا تھا کہ امت پر وسعت اور رحمت اور ضعفائے امت پر شفقت ہو کیونکہ اگر آپ ذخیرہ نہ فرماتے تو کسی مومن کو آپ کے بعد ذخیرہ کرنا جائز نہ ہوتا سو آپ نے یہ اس لئے کیا کہ اس کا حکم بیان فرما دیں اور ارشاد فرمایا ہے[۳] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میں اس لئے بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ قاعدہ مقرر کروں سو آپ نے ظاہر فرما دیا کہ بھولنا میری شان اور صفت نہیں ہی صرف اس واسطے نسیان واقع ہوتے

---

[۱] بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسم ہیں عوام کے لئے چہارم خواص کے حق میں نصف ۱۲

[۲] کیونکہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں ۱۲ ملفوظ شریف

[۳] حدیث یہ ہے انی لانسی او انسی لاسن

ہیں کہ اُمت کے لیے اس کا حکم اور جو اس کے متعلق ہو ظاہر فرما دیں خوب سمجھ لو حدیث پاک کو۔

طالب علم کا رزق اور علم کی تعریف

یہ جو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ طالب علم کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے سو جاننا چاہیئے کہ لفظ علم جہاں کہیں قرآن و حدیث میں آیا ہے اس سے مراد علم نافع ہے جس کے ساتھ خوف و خشیت مقرون[1] ہو فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا — یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ علم کو خوف لازم ہے اور اس سے مفہوم ہوا کہ علماء وہی ہیں جو ڈرتے ہیں اسی طرح یہ آیتیں قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ اور یہ حدیثیں اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور اس مقام پر جو حدیث ہے طَالِبُ الْعِلْمِ تَکَفَّلَ اللّٰہُ بِرِزْقِہٖ ، ان سب آیات و احادیث میں علم نافع مراد ہے کیونکہ اللہ و رسولؐ کا کلام اس سے برتر ہے کہ اور کسی معنی پر محمول کیا جاوے ہم نے اس کو اور کتاب میں بیان کیا ہے اور علم نافع وہ ہے جو طاعتِ الٰہی پر معاین[2] ہو اور خشیت الٰہی اور حفظ حدود کو تجھ پر لازم کرے اور یہ علم معرفت ہے اور علم نافع علم ذات و صفات اور علم احکام کو بھی شامل ہے، جب اللہ کے لئے سیکھے، پس یہ جو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ

[1] خداوند قدوس کا خوف ضروری ہے [2] مددگار — "دو نعیمیہ"

علیہ وسلم نے کہ طالب علم کی روزی کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ کیا ہے کہ اس کو رزق پہنچائے گا خوشگواری سے اور عزت سے اور سالم رکھے گا حجاب سے اور ہم نے یہ تاویل کیوں کی اور کفالت کو ایک خاص طرح کی کفالت کیوں لیا؟ وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تو سبھی کی روزی کا ذمہ دار ہے خواہ علم طلب کریں یا نہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفالت کوئی خاص کفالت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس کو جداگانہ بیان کیا۔

شیخ کی دعا اور طلب رزق

اور اسی وجہ سے شیخ ابوالعباسؒ نے اپنی حزب میں جہاں بہت سی چیزوں کی دعا کی ہے کہ ہم کو فلاں فلاں چیز عطا فرما وہاں یہ بھی کہا۔

وَالرِّزْقَ الْهَنِيَّ الَّذِيْ لَا حِجَابَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَلَا سُؤَالَ وَلَا حِسَابَ وَلَا عِقَابَ عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى بِسَاطِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ وَالشَّرْعِ سَالِمِيْنَ مِنَ الْهَوٰى وَالشَّهْوَةِ وَالطَّبْعِ

یعنی ہم کو رزق خوشگوار عطا فرما جس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں اس پر سوال و حساب و عذاب نہ ہو اس حال میں کہ ہم مقام حقیقت و شریعت پر قائم رہیں اور حرص و شہوت و تقاضائے طبع سے سالم رہیں۔

سو انھوں نے اللہ سے رزق خوشگوار مانگا اور وہ رزق وہ ہے جس کی کفالت طالب علم کے لئے ہوئی ہے پھر اس کی تفسیر یوں کی کہ اس سے دنیا

میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں حساب نہ ہو کیونکہ جس کو دنیا میں حجاب ہو جاوے اس میں کچھ خوشگواری نہیں کیونکہ حجاب موجب دلشکنی ہے کہ حضوری سے محرومی ہے اور مواجہت[1] سے دوری نہ کہ جیسا عوام سمجھتے ہیں کہ خوشگوار رزق وہ ہے جو بے محنت بے مشقت مل جاوے سو خوشگواری غافلین[2] کے نزدیک باعتبار بدن کے ہے اور اہلِ فہم[3] کے نزدیک باعتبار قلوب کے اور حجاب جو رزق سے ہو جاتا ہے اس کی دو[4] وجہ ہیں یا تو اسباب میں پڑکر اللہ سے غفلت ہو جاتی ہے یا اس کے برتنے[5] میں یہ قصد نہیں ہوتا کہ طاعت خداوندی پر قوت حاصل کریں۔ سو اول تو حصول میں حجاب ہے اور دوسرا استعمال میں۔

نعمتوں کا حساب و سوال

اور یہ جو شیخ نے فرمایا کہ اس پر سوال و حساب و عذاب آخرت میں نہ ہو سو سوال تو نعمتوں کے حقوق سے ہوتا ہی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ — یعنی پھر تم پوچھے جاؤ گے اس روز نعمت سے

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور بعض صحابہ رضی نے کچھ کھانا نوشِ جان فرمایا پھر ارشاد ہوا واللہ تم آج کی نعمت سے سوال کئے جاؤ گے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سوال دو[2] قسم ہے ایک سوال تشریف یعنی واسطے اظہار شرف کے اور دوسرا سوال تعنیف یعنی واسطے لعنت و ملامت کرنے کے سو اہلِ طاعت و متقیان عنایت سے تو سوال تشریف ہوگا اور اہلِ غفلت و اعراض سے سوال تعنیف

[1] باری تعالیٰ کی معرفت و استحضار [2] یعنی دنیا والے [3] اللہ والے [5] مثلاً کھانا

(باقی بر صفحہ ۲۳۷)

اور اس بات کو سمجھ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اگرچہ صادقین کے اخبار اور پوشیدہ اسرار پر مطلع ہے مگر پھر بھی ان سے سوال فرماوے گا تاکہ ان کا مرتبہ صدق اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہوجاوے اور اُن کی خوبیاں قیامت میں کھول دے جیسا آقا اپنے غلام سے پوچھے تونے فلاں فلاں مقدمے میں کیا کیا اور خود واقف ہے کہ اس کو خوب عمدہ پختہ کیا ہے مگر منظور یہ ہے کہ حاضرین بھی جان لیویں کہ غلام اس مولیٰ کے حکم کو کیسے اہتمام سے بجا لایا اور مولے کو اس کے حال پر کیسی عنایت ہے اور یہ جو شیخ کا قول ہے کہ حساب نہ ہو سو حساب نتیجہ سوال کا ہے جب سوال سے سالم رہیں گے حساب سے بھی سالم رہیں گے اور جب ان دونوں سے سالم رہے تو عقوبت سے سالم رہے سو اگرچہ یہ مضامین باہم لازم وملزوم تھے مگر پھر بھی شیخ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا تاکہ معلوم ہوجاوے کہ رزق خوشگوار میں کتنی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی ہوتی تب بھی قابل طلب کرنے کے تھی۔

رزق کیسا مقام توحید یعنی دنیا کیسا دین

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ ہم توحید وحقیقت پر قائم ہوں مطلب اس کا یہ ہے کہ تیری رزق دی ہوئی چیز میں تجھ کو مشاہدہ کروں اور تیری کھلائی ہوئی چیز میں تجھ کو دیکھوں اور کسی کا تجھ کو مشاہد نہ ہو دوسرے کی طرف اس کو نسبت نہ کروں اور اہل اللہ کی یہی حالت ہے کہ اللہ ہی کے خوان پر کھاتے ہیں خواہ ظاہر میں ان کو کوئی کھلادے کیونکہ ان کو یقین ہے

(بقیہ ص۲۳۶) کھاتے وقت یہ نیت ہو کہ کھانا لذت نفس کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کھا رہا ہوں تاکہ عبادت باری کرنے میں کوتاہی اور کمزوری نہ ہونے کام ۔ ۱۲ نعیمیہ

کہ اللہ کے آگے کوئی مالک نہیں اس یقین کے باعث اُن کے قلوب سے مخلوقات کا مشاہدہ جاتا رہتا ہے پس غیر اللہ کے لئے اپنی محبّت کو صرف نہیں کرتے اور کسی کی طرف اپنی مودّت کو متوجہ نہیں کرتے کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ وہی ان کو کھلاتا ہے اور اپنے فضل سے دیتا اور خاطر کرتا ہے۔

شیخ کا ارشاد

شیخ ابو الحسن رحنے ایک روز فرمایا کہ ہم کو سوائے اللہ کے کسی سے محبت نہیں یعنی ہماری محبت مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ایک شخص بولا کہ حضرت آپ کے دادا نے اس کا انکار کیا ہے بدلیل اس حدیث کے جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا یعنی قلوب میں یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ محسن سے محبت کریں فرمانے لگے بیشک مگر ہم لوگ تو وہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کو محسن نہیں سمجھتے اسی لئے ہمارے قلوب میں اسی کی محبّت پیدا ہوئی اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے سو جس قدر نعمتیں نئی نئی ملتی جاویں گی اسی قدر اللہ کی محبت نامئہ اور روز بروز تازہ ہوتی جاوے گی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ نے اللہ کی محبت کرو چونکہ تم کو اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور اس کا بیان پہلے گزر چکا اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے یہ مراقبہ اس کو مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور غیر خدا کی طرف محبت کے ساتھ قلب کے مائل ہونے سے محفوظ رکھے گا کیا تم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قول نہیں سنا۔

وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝

یعنی ایسا اللہ کہ وہی کھلاتا ہے مجھ کو اور پلاتا ہے مجھ کو۔

سو انھوں نے اسی امر سے اللہ تعالیٰ کے منفرد ہونے کی گواہی دی اور اس کے واحد ہونے کا اقرار کیا۔

مکّار صوفی کا حال

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ توحید کے ساتھ شریعت پر بھی قائم رہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اطلاقِ[1] توحید میں چل نکلتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مالک اللہ ہی ہے اور کسی کی ملک ہی نہیں اور ظاہر شریعت کا پابند نہیں رہتا ایسا شخص اپنے کو دریائے زندیقی میں ڈال دیتا ہے اور اس کا حال اس پر وبال ہو جاتا ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ ہو نہ ہو شریعت کا مقید ہو اور محقق ایسا ہی ہوتا ہے نہ تو حقیقت کے ساتھ چپ چاپ چلا جاوے نہ صرف ظاہر نسبت شریعت کیساتھ ٹھہر جاوے اس کے درمیان میں رہے سو ظاہر نسبت جو ملک کی مخلوقات کی طرف ہے اس پر ٹھہر جانا شرک ہے۔

ف یعنی اصطلاح حقیقت میں ت اور حقیقت کے ساتھ چل نکلنا کہ شرع کی پابندی نہ رہے معطل ہو جانا ہے اور اہل ہدایت کا مقام دونوں کے ......

---

[1] توحید مطلق کو پکڑ لیتا ہے، حتیٰ کہ شریعت کے احکام ماننے کو بھی وحدانیت باری کے خلاف تصور کر کے نماز روزہ وغیرہ فرائض و اوامر سے خود کو آزاد سمجھ لیتا ہے وہ زندیق ہو جاتا ہے جیسے آج کل کے مکار صوفی فرماتے ہیں مقامِ صادق اور کمال کا منصب تو یہ ہے کہ نہ تو ظاہر پرست بن کر خدا کی معرفت سے بیگانہ ہو جائے اور نہ خدا کی معرفت میں گم ہو کر احکام ظاہری سے محروم ہو بیٹھے بلکہ درمیان کا راستہ دین حنیف کا راستہ ہے اسباب اور ظاہر پر عمل بھی کرے لیکن دل معرفت حق میں غرق بھی رہے۔

"نعیمیہ"

درمیان ہے جیسا گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکلتا ہے کہ پینے والوں کے گلے میں اُترا چلا جاتا ہے۔

رزق اور اس کے اثرات وکیفیات

اور جاننا چاہیئے کہ مقدمۂ رزق میں بہت سے امور وارد ہوتے ہیں اور بہت سے عوارض پیش آتے ہیں اور شیخ رحمۃ اللہ نے ان میں سے بہت سے اس اپنے قول میں بیان کئے ہیں اَمِّرْ هٰذَا الرِّزْقِ وَاعْصِمْنِیْ مِنَ الْحِرْصِ وَالتَّعَبِ فِیْ طَلَبِهٖ وَمِنْ شُغْلِ الْقَلْبِ وَتَعَلُّقِ الْهَمِّ بِهٖ وَمِنَ الذُّلِّ لِلْخَلْقِ بِسَبَبِهٖ وَمِنَ التَّفَکُّرِ وَالتَّدْبِیْرِ فِیْ تَحْصِیْلِهٖ وَمِنَ الشُّحِّ وَالْبُخْلِ بَعْدَ حُصُوْلِهٖ یعنی یا اللہ مسخر کردے میرے لئے قصہ اس رزق کا اور بچا مجھ کو حرص سے اور اس کی طلب میں مشقت سے اور اس کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے سے اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنے سے اور بعد حاصل ہونے کے حرص و بخل سے اور عوارض جو مقدمۂ رزق میں پیش آتے ہیں کچھ منحصر نہیں کہ پورے بیان کئے جاویں سو ہم بھی صرف شیخ

لہ جیسے، درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ئی ؛ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۔یہی وہ مقام اخلاص ہے جس کا حصول معرفت کہلاتا ہے کہ دنیا میں اپنا سارے ظاہر بعیہ تر بر عمل بیدار ہے لیکن باطن سے اس طرح باخبر ہے کہ گویا ظاہر سے غافل ہے اور پوری توجہ سے باطن کی ہی طرف متوجہ ہے "نعیم"

سلہ یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۱۲ مترجم

کے مضامین پر گفتگو شروع کرتے ہیں سو جاننا چاہیئے کہ رزق کی نسبت بندے کی تین حالت ہیں ایک تو ملنے سے پہلے یہ تو حالت سعی کی ہے دوسری حالت اس کے بعد وہ حصول کی حالت ہے تیسری حالت اس کے گذرنے کے بعد یعنی وہ رزق جب ختم ہو چکے سو جو حالت قبل حصول پیش آتی ہے وہ حرص ہے اور طلب میں مشقت اٹھانا اور اس کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا اور اس کے ساتھ فکر کا متعلق ہونا اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلت اٹھانا اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنا سو حرص کی حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل رزق سے نفس کے ساتھ ایک رغبت قائم ہو اور اس پر بالکل اوندھا ہو جاوے اس کا منشا ہے وثوق نہ ہونا اور یقین کا ضعیف ہونا اور ان دونوں کا منشار ہے نور نہ ہونا اور اس کا منشاء وجود حجاب ہے کیونکہ اگر قلب انوار مشاہدہ سے معمور ہوتا اور رحمت الٰہی اس کو گھیرے ہوتی تو اس پر وارداتِ حرص نہ آتی اور اگر نور یقین قلب پر پھیلا ہوتا تو اس کو قسمتِ سابقہ منکشوف ہو جاتی تو حرص ممکن نہ ہوتی اور یہ شخص یقین کر لیتا کہ اللہ کے پاس میری قسمت کا رزق ہے ضرور میرے پاس پہنچا دے گا اور تعب کرنا طلب رزق میں دو قسم ہے یا تو تعب جسمانی ہے یا تعبِ روحانی اگر تعبِ جسمانی ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیئے کیونکہ جب طالب رزق پر تعبِ[۱] جسمانی غالب ہوتا ہے اس کو بجا آوریٔ احکام سے باز رکھتا ہے اور راحت کے ساتھ جو رزق ملتا ہے اس میں فرصت طاعت اور بجا آوری خدمت سہل ہے اور اگر تعب روحانی ہے تو اس سے اور بھی زیادہ پناہ مانگنا چاہیئے وجہ اس کی یہ ہے کہ تعب[۲] روحانی اس سے ہوتا ہے کہ طلب رزق

---

[۱] جسمانی مشقت، دوڑ دھوپ [۲] یعنی دل سے رزق کے حصول میں منہمک ہو جائے گویا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا، یہ سخت ہلاکت ہے۔

میں کلفت اٹھاوے اس میں فکر کرے اور اس کا بوجھ اس کو گرانبار کر دے اور راحت بدن توکل میسر نہیں ہوتی کیونکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بوجھ کو اتار دیتا ہے اور اس کے عوض خود اٹھا لیتا ہے جیسا فرمایا وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ پھر شیخ نے دعا میں کہا کہ قلب کے مشغول ہونے اور اس میں فکر کے متعلق ہونے سے بچا سو قلب کا قصہ رزق کے ساتھ مشغول ہونا حجاب عظیم ہے یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن کا قول ہے کہ اکثر جس نے مخلوق کو محجوب کر رکھا ہے وہ دو چیزیں ہیں فکر رزق اور خوف خلق اور دونوں میں فکر رزق بڑا حجاب ہے کیونکہ بہت سے لوگ خوف خلق سے فارغ ہیں مگر فکر رزق سے بہت ہی کم خالی ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ احتیاج تیرے وجود کے ساتھ قائم ہے اور تو ایسی چیز کا محتاج ہے کہ تیری ترکیب کو قائم رکھے اور تیری قوت کو مضبوط کرے اور یہ جو شیخ نے کہا فکر متعلق ہونے سے بچا اس سے مراد یہ ہے کہ رزق کے ساتھ ہمت اس قدر متوجہ ہو کہ اس میں استغراق کی نوبت آجاوے یہاں تک کہ اور کسی شے کی گنجائش نہ رہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوری کی موجب ہے اور نور وصال کو تاریک کر دیتی ہے اور بآواز بلند کہتی ہے کہ اس حالت والے کا قلب نورِ یقین سے اُجڑ گیا اور قوت و تمکین سے مفلس ہوگیا اور یہ جو کہا کہ رزق کے باعث مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے بچا سو جاننا چاہیئے کہ جس شخص کا یقین ضعیف ہو اور دولت عقل سے کم نصیب ہو اس کے لئے ذلّت ضروری ہے کیونکہ اس کو مخلوق سے طمع ہوگی خالق پر وثوق نہ ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے قسمت ازلی کو نہ دیکھا اور اس کے صادق الوعدہ ہونے کا یقین اس کو نصیب نہیں ہوا اس لئے مخلوق کے آگے تملّق کر کے ذلیل ہوا اور ان کی لو لگا کر

ان کو لپٹا اور یہ سزا اس کی ہے کہ اللہ سے غافل ہوا اور آخرت میں جو سزا ہوگی وہ اور بھی سخت ہے اور اگر اس شخص کا ایمان اور توکل صحیح ہوتا تو یہ اس سے معزز ہوتا فرمایا اللہ تعالٰے نے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ؀ یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور رسول کی اور مومنین کی۔

سو مومن اپنے رب سے عزت حاصل کرتا ہے اور کسی سے عزت نہیں لیتا کیونکہ یقین رکھتا ہے کہ عزت سب اللہ ہی کی ہے اور وہی عزت والا ہے اس کے سامنے کوئی عزت والا نہیں اور وہی عزت دینے والا ہے کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں سو اس شخص کو اعتماد نے عزت دی اور توکل نے حمایت کی پس اس کو خواری نہیں کیونکہ اس کو اپنے رب پر اپنی قسمت میں سچا بھروسہ ہے اور اس کو غم نہیں کیونکہ اللہ کی منت پر اس کو پورا اعتماد ہے اور وہ اس ارشاد خداوندی کو سن رہا ہے۔

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؀ یعنی نہ ذلیل ہو نہ مغموم ہو تم ہی اونچے رہو گے اگر ایمان دار ہو۔!

سو مومن کی عزت اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ کرے اور بادشاہ حقیقی پر وثوق کرے اس کا ایمان نہیں مانتا کہ وہ اپنی حاجت غیر رب کی طرف لیجاوے یا اپنے قلب کو ماسوا کی طرف متوجہ کرے اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے ؎

ہو جو مومن اس کو قطعاً ہے حرام — رکھے اوروں سے جو امید عطا
ٹھہر جائے یار اور کر ذکرِ حق — ہو فنا اس میں اسی میں ہو بقا
ملک گیری بادشاہوں کو نصیب — یہ وہ شاہی ہے نہیں جس کو فنا

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے طمع کی غلامی سے آزاد کیا ہو اور تقویٰ کی عزت دی ہو اس پر بڑا احسان فرمایا اور اس پر کامل انعام کیا اور یوں جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو متعدد خلعت عنایت کئے خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت طاعت خلعت سنت تو مخلوق سے طمع کر کے اور غیروں کا آسرا لگا کر ان کو میلا مت کر۔

شیخ کا ایک خواب

شیخ ابو الحسن رح فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد فرمایا اے علی اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف رکھ ہر دم تجھ کو اللہ کی مدد پہنچے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے کپڑے کون سے ہیں فرمایا جان کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت توحید خلعت محبت عنایت فرمایا ہے۔ شیخ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں اس آیت کے معنی آئے وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ ؕ پس جو شخص اللہ کو پہچانے گا اس کی نظر میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہونگی اور جو اللہ سے محبت رکھے گا اس کے رو برو سب چیزیں بے قدر ہو جاویں گی اور جو شخص اللہ کو واحد سمجھے گا وہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے گا اور جو شخص اللہ پر ایمان لائیگا وہ ہر بلا سے مامون رہیگا اور جو اللہ کا مطیع ہوگا اس کی نافرمانی نہ کرے گا اور اگر نافرمانی ہو گی تو عذر کریگا اور عذر کریگا تو مقبول ہو گا۔

صوفی کے لئے ہدایت

اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ سالک آخرت کو مخلوق سے اُمید اٹھانا اور ان سے کچھ واسطہ نہ رکھنا ایسی زینت ہے کہ دُلھن کے لئے زیور بھی نہیں اور ان لوگوں کو اس امر کی اس سے بھی زیادہ حاجت ہے جیسے جان کو پانی کی اور جس شخص کو شاہی خلعت

پہنا یا جاوے اور وہ اس کو محفوظ رکھے تو زیبا ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس رہے
اور اس سے نہ چھینا جاوے اور جو خلعتِ عنایت کو میلا کر دے تو مناسب ہے
کہ اس کے پاس نہ رہنے دیں سو اے بھائی اپنے ایمان کو طمعِ مخلوق سے میلا مت
کر اور سوائے رب العالمین کے کسی پر اعتماد مت کر اگر تو اللہ سے عزت حاصل کریگا
تو اس کے دوام سے تیری عزت بھی دائم رہے گی اور اگر غیر سے عزت حاصل کی تو
چونکہ اسے دوام نہیں عزت بھی دائم نہ ہو گی ایک فاضل نے مجھ کو اپنا شعر سنایا

مُردے کی عزت ہی سب ناپائدار — مانگ عزت رب سے جس کو ہو قرار

ایک عارف کا قولِ معرفت

اور کوئی شخص کسی عارف کے پاس روتا ہوا گیا اور انھوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا میرا استاد مر گیا عارف نے فرمایا کہ تو نے ایسے کو کیوں استاد بنایا[1] جو مر گیا اور تجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تو غیر اللہ سے عزت ڈھونڈھے گا نہ پائیگا اور جب غیر کا سہارا چاہے گا نہ ملے گا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا تھا کہ اپنے معبود[2] کو دیکھ جس پر تو لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلاویں گے پھر اس کی راکھ دریا میں اُڑا دیں گے تمہارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں گھیر لیا اُس نے ہر چیز کو علم سے۔

---

[1] یعنی آدمی کو کیوں استاد بنایا حی لایموت کو بنانا تھا

۱۲ الملفوظ شریف

[2] یہ مضمون ہے آیت وانظر الی الٰھک الذی ظلت علیہ عاکفا لنحرقنہ ثم لننسفنہ فی الیم نسفا ۱۲ مترجم

حیاتِ ابراہیمؑ کا سبق

اے شخص ابراہیمی بن جا تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قول لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ○ فرمارہے ہیں یعنی میں فانی چیزوں سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے سوا سب فانی ہیں یا بالفعل یا بالامکان اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ ملّتِ ابراہیم علیہ السلام یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو سو مومن پر واجب ہے کہ ملّتِ ابراہیمی کا اتباع کرے اور ملت ابراہیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی امید خلقت سے اٹھالے کیونکہ وہ جس روز منجنیق میں بٹھلا کر دور سے آگ میں پھینکے گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کچھ ذکر چھیڑا آپ نے یہی فرمایا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے انھوں نے کہا خیر اللہ ہی سے دعا کیجئے آپ نے فرمایا اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مخلوق سے اپنی ہمت کو کس طرح بلند رکھا اور اس کو بادشاہِ حقیقی کی طرف متوجہ کیا نہ جبرئیل علیہ السلام سے مدد چاہی نہ دعا پر حوالہ رکھا بلکہ حق تعالیٰ کو جبرئیل اور دعا دونوں سے قریب تر دیکھا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نمرود اور اس کی عقوبت سے بچالیا اور اپنے عطاو فضل سے ان پر انعام کیا اور توجہ کے ساتھ ان کو مخصوص فرمایا اور منجملہ ملّت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ہے کہ جو جز اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے عداوت کرے اور ہمت کو اللہ کی طرف متوجہ کردے جیساکہ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا	یعنی سوا رب العالمین کے سب سے
رَبَّ الْعَالَمِينَ	میری عداوت ہے

لہ یہ مضمون ہے آیت کا ملّۃ ابیکم ابراہیم ۱۲ مترجم

مالدار ہونے کا مجرّب نسخہ کیمیا

اور غنا کی راہ اگر چاہتے ہو سو وہ تو اس میں ہے کہ لوگوں سے امید قطع کر دے اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ میں خود اس سے مایوس ہو چکا ہوں کہ میں اپنے کو نفع پہنچاؤں تو اس سے کیوں نہ مایوس ہونگا کہ اور کوئی مجھ کو نفع پہنچاوے اور اللہ سے اوروں کے لئے امید رکھتا ہوں تو اس سے اپنے لئے کیسے امید نہ رکھوں یہی بڑی کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو مل گئی اس کو ایسی تونگری حاصل ہو گئی جس میں محتاجگی ہی نہیں اور وہ عزت ملی جس میں ذلّت نہیں اور وہ خرچ ملا جس کا خاتمہ نہیں اور یہ ان لوگوں کی کیمیا ہے جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے۔

شیخ رح کا واقعہ

شیخ ابوالحسن رح فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے ساتھ ہوا اور مجھ کو گراں معلوم ہوتا تھا میں نے اس کو بے تکلف کیا وہ بے تکلف ہو گیا میں نے اس سے پوچھا اے صاحبزادے تم کو کیا حاجت ہے اور تم میرے ساتھ کیوں ہوئے کہنے لگا حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں، میں اس لئے ساتھ ہوا ہوں کہ اس کو سیکھوں میں نے اس سے کہا تو سچّا ہے اور جس نے تجھ سے کہا وہ بھی سچا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس کو قبول نہ کریگا کہنے لگا کیوں نہیں ضرور قبول کروں گا میں نے کہا کہ میں نے جو مخلوق کو دیکھا تو دو قسم کے لوگ پائے ایک دشمن دوسرے دوست دشمنوں کو جو خیال کیا تو یقین کیا کہ بے حکم خداوندی کے ایک کانٹا بھی نہیں چبھا سکتے، میں نے اپنی نظر ان سے ہٹالی پھر دوستوں سے تعلق کیا تو ان کو دیکھا کہ وہ بھی بے حکم خدا مجھ کو ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتے ان سے بھی قطعی ناامیدی کر لی اور اللہ کے ساتھ تعلق کیا تو مجھ سے کہا گیا کہ اس امر کی حقیقت

تک رسائی نہیں ہوگی یہاں تک کہ ہمارے معاملہ میں بالکل شک نہ رہے اور غیر سے بالکل مایوس نہ ہو جاوے کہ وہ قسمت کے علاوہ تجھ کو کچھ دے سکے۔

عملِ خیر کی کسوٹی اور اثر

اور ایک مرتبہ فرمایا اس وقت بھی کسی نے کیمیا پوچھی تھی فرمایا اپنے قلب سے طمع کو نکال دے اور اس سے قطعاً ناامید ہو جا کہ قسمت سے زائد کچھ مل سکے اور یہ جاننا ہوگی نہیں کہ عمل بہت سے ہوں وظائف پر دوام کرے بلکہ اس کی نورانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ اوروں سے غنی ہو اور اپنے قلب سے اس کا مقید ہو جائے اور غلامی طمع سے بچے اور زینتِ تقویٰ سے آراستہ ہو اور اسی سے اعمال میں خوبی اور احوال میں صفائی آتی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ	یعنی ہم نے زمین پر کی چیزیں اس کی
زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ	سجاوٹ بنائیں تاکہ ہم جانچیں
اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا	کہ ان میں کون اچھے عمل والا ہے۔

پس اعمال کی خوبی اس سے ہے کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور سمجھ وہی ہے کہ اللہ کے ساتھ غنا حاصل ہو اسی پر اکتفا کرے اسی پر بھروسہ ہو اسی سے حاجت پیش کرے اسی کے روبرو ہمیشہ رہے یہ سب ثمرے اسی کے ہیں کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور ورع[1] کو اپنے نفس میں اور اوصاف سے زیادہ ڈھونڈھا کر اور مخلوق سے طمع رکھنے سے پاک رہ کیونکہ طامعِ[2] مخلوق اگر سات دریاؤں سے پاک ہونا چاہے تو کوئی چیز اس کو پاک نہیں کر سکتی بجز اس کے کہ ان سے مایوس ہو اور ان سے اپنی ہمت بلند رکھے۔

---

[1] پرہیزگاری۔ [2] مخلوق سے امید رکھنے والا۔ "نعیمہ"

حضرت علیؓ کا وعظ

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے جامع مسجد میں آکر واعظوں کو دیکھا کہ وعظ کہہ رہے ہیں سب کو اٹھادیا یہاں تک کہ حسن بصریؒ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے نوجوان میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر جواب دیدیا تو تجھے رہنے دوں گا نہیں تو تجھے بھی اٹھادوں گا جیسا اوروں کو اٹھادیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ آثار رشد[1] دیکھے تھے حضرت حسنؒ نے عرض کیا پوچھئے جو آپ کا جی چاہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بتلاؤ دین کی جڑ کیا ہے کہا ورع[2] فرمایا دین کی خرابی کیا چیز ہے کہا طمع فرمایا تو بیٹھا رہ[3] تجھ جیسا شخص لوگوں کو وعظ کہہ سکتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں اوائل زمانے میں حدود اسکندریہ میں تھا کسی شناسا کے پاس جاکر کوئی چیز آدھے درہم کو خریدی پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید یہ شخص مجھ سے دام نہ لے اسی وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ دین کی سلامتی اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ رکھی جاوے اور میں نے ان سے سنا ہے کہ طمع والا کبھی سیر نہیں ہوتا طمع کے حرفوں کو دیکھو سب خالی ہیں طا میم عین ف شیخ سعدی کا قول مشہور ہے ۔

طمع را سہ حرفست ہر سہ تہی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ازیں نیست مرطامعاں را بہی

ت سوائے مرید تجھ کو لازم ہے کہ مخلوق سے اپنی ہمت کو بلند رکھ اور مقدمہ

---

۱ بزرگی کی نورانیت ۲ پرہیزگاری ۳ تحقیق اس سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت امام بصری کو اپنا خلیفہ بنایا۔

۱۲ ملفوظ شریف

رزق میں ان کے سامنے خوار مت بن کیونکہ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیرے وجود سے پہلے قسمت میں لکھا گیا اور تیرے ظہور سے پہلے ثابت ہو چکا

ایک بزرگ کا قول

اور ایک بزرگ کا مقولہ سُن کہ اے مرد آدمی جو چیز تیری ڈاڑھوں کے چبانے کے لئے مقدر ہو چکی ہے وہ ڈاڑھیں ضرور اس کو چبا دینگی سو کمبختی مارے اس کو عزت سے کھا ذلت سے مت کھا جانا چاہیئے کہ جو اللہ کو پہچانے گا اس کی ضمانت و کفالت پر وثوق رکھے گا اور جب تک کہ اللہ کے پاس کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے زیادہ وثوق نہ ہو جتنا مخلوق کی ذمہ داری پر ہو جاتا ہے اس وقت تک بندے کی سمجھ کامل نہیں ہوتی اور جاہل ہونے کے لئے یہی بہت ہے کہ یہ حالت نہ ہو۔

اللہ والوں کو قصے رزق کے متعلق

اور کسی شخص نے ایک آدمی کو جو کہ عارف تھا دیکھا کہ ہر وقت جامع مسجد میں رہتا ہے باہر نہیں جاتا اس شخص نے اس قدر اس کی پابندی سے تعجب کیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہے وہ عارف اس شخص کے خطرے پر مطلع ہو کر ایک روز اُس سے پوچھنے لگا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی دوست یہودی ہے اس نے مجھ سے دو روٹی روزانہ کا وعدہ کیا ہے وہ دے جاتا ہے اس عارف نے کہا اے غریب تو نے اپنے لئے ایک یہودی کے وعدے پر وثوق کیا اور میرے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر وثوق نہیں کیا حالانکہ اس کا ایسا سچا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا وہ شخص شرما کر چلا گیا۔

کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ چند روز کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے امام کو اُن کے ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہنے اور اسباب کے چھوڑنے سے تعجب ہوا پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو انھوں نے کہا ذرا ٹھہر جائیں پہلے اپنی نمازیں لوٹا دوں پھر بتلاؤں گا کیونکہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتا جو اللہ میں شک رکھتا ہو اور حکایتیں اس بارے میں بہت ہیں۔

حضرت علیؓ کا ارشاد کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو ایک کوٹھری میں بند کر کے اوپر سے گارا لیس دیا جاوے تو اس کا رزق کہاں سے آوے گا فرمایا رزق وہاں سے آوے گا جہاں سے موت آوے گی۔ اس حجت کو دیکھ کیسی روشن ہے اور یہ دلیل کیسی واضح ہے اور یہ جو شخص نے کہا کہ بچا ہم کو فکر و تدبیر کرنے سے اس کے حاصل کرنے میں سوءِ تفکر تو یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ مضمون حاضر کرے کہ کوئی غذا ضرور چاہیے جس سے یہ جثہ[1] قائم رہے اور تدبیر یہ ہے کہ دل میں کہے کہ فلاں فلاں طریقہ سے رزق ملیگا پھر کہے نہیں بلکہ فلاں فلاں اسباب سے میسر ہو گا اور یہی ادھیڑ بن یہاں تک بڑھے کہ نماز میں[2] خبر نہ ہو کہ کتنی پڑھی اور تلاوتِ قرآن میں خبر نہ ہو کہ کیا پڑھا پس وہ طاعت جس میں تو لگا تھا مکدر ہو جاوے اور اس کے انوال[3] سے تو بے نصیب رہے

---

[1] جسم [2] افسوس آج ہمارا حال یہی ہے [3] نوال جمع معنی نعمتیں عبادت کی برکات۔ یا یہ لفظ انوار ہے جس کے معنی ظاہر ہیں۔ ۱۲ نعیمیہ

اور اس کے اسرار سے تو محروم رہے سو جب یہ خیال تجھ کو گھیرے تو کدالِ توکل سے اس کی بناء کو منہدم کردے اور وجد یقین سے اس کو ریزہ ریزہ کردے

اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تدبیر کا انجام تیرے ہونے سے پہلے کر چکا ہے اگر تو اپنے نفس کی خیر خواہی چاہتا ہی تو اس کے لئے تدبیر مت کر کیونکہ اس کیلئے تیرا تدبیر کرنا مضر رہے ہے کیونکہ اس تدبیر کے سبب سے تجھ کو تیرے ہی حوالے کردیا جاویگا اور مددِ لطف تجھ تک نہ پہونچے گی اور حق تعالیٰ ایماندار کو تدبیر اور مقابلہ تقدیر نہیں کرنے دیتا ہے اگر تجھ کو یہ پیش آوے یا اس کا خطرہ آوے تو اس پر قائم مت رہ کیونکہ نور ایمان اس کو نہیں رہنے دیتا فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ٥	یعنی ہمارے ذمے ہے حمایت ایمان والوں کی۔

اور فرمایا:-

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ	بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو ناحق پر پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بعد حصول کے حرص و بخل سے بچا سو یہ دونوں عوارض بعد حصول کے ہیں اور یہ دونوں ضعفِ یقین اور بے اطمینانی سے پیدا ہوتے ہیں اس وقت حرص و بخل واقع ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حرص و بخل دونوں کی مذمت فرمائی ہے فرمایا۔

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ	یعنی جو شخص حرص سے محفوظ رہا

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب شح کو فلاح نہیں یعنی اس کو نور نہیں اور فلاح نور کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال میں فرمایا۔

اَشِحَّۃً عَلَی الْخَیْرِ اُولٰٓئِکَ یعنی وہ لوگ جو مال پر حریص ہیں

لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے پس اکارت

اَعْمَالَھُمْ کردیئے اللہ نے ان کے کام

اور فرمایا :- وَمِنْھُمْ مَّنْ عٰھَدَ اللّٰہَ اِلٰی قَوْلِہٖ مُعْرِضُوْنَ اور فرمایا

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یعنی جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت

یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ میں اپنی سے بخل کرتا ہے[1]

کیونکہ نفع انفاق کا اسی کو ملتا تھا

بخل کی قسمیں اور تعریفات

اور لفظ حرص و بخل تین[2] قسم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اوّل قسم یہ ہے کہ اپنے مال کو واجبات میں خرچ کرنے سے بخل کرے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مال میں ایسی جگہ خرچ کرنے سے بخل کرے جہاں لوگوں پر خرچ کرنا واجب نہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اپنی جان کو اللہ کے واسطے خرچ کرنے میں بخل کرے

سو قسم اول بخل کی یہ ہے کہ بخل کرکے زکوٰۃ نہ دے حالانکہ اس کا حکم ہے یا کوئی ایسا

---

[1] یعنی اگر اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا کرتا تو خود ہی اس کا فائدہ اٹھاتا، خرچ نہ کرکے اپنا ہی نقصان کیا۔ ۱۲ تجیبہ [2] یہ آیت مع ترجمہ اوپر گذر چکی ۱۲ مترجم

حق جو تجھ پر معین ہو گیا ادا نہ کرے مثلاً ماں باپ کو دینا جب وہ محتاج ہوں اور اولاد کو دینا جب وہ محتاج ہوں یا نابالغ ہوں اور بیوی کو دینا غرض جو حق تجھ پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اُس سے کوتاہی کرنا زبان ملامت کو .... تجھ پر کشادہ کریگا اور تو مستحق عقوبت ہوگا اور اس باب میں یہ آیت آئی ہے وَالَّذِیْنَ ... یَکْنِزُوْنَ تا فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ علماء نے فرمایا ہے کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جسکی زکوٰۃ نہ دی جاوے جب زکوٰۃ دے دی کنز نہ رہا مطلب یہ ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا اور اس پر ملامت کی زبان نہ کھولی جاویگی دوسری قسم بخل کرنا ایسی جگہ خرچ کرنے سے جس کے ساتھ وجوب متعلق نہیں جیسے ایک شخص نے مال کی زکوٰۃ تو نکالی مگر اس کے بعد پھر کچھ خرچ نہیں کیا اور اس شخص نے اگرچہ حکم خداوندی کی تعمیل کی کہ جو واجب تھا نکال کر دیدیا مگر صرف اس پر بس کرنا مناسب نہیں کیونکہ صرف واجبات پر کفایت کرنا اور نفل خیرات کو ترک کرنا یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے سو جو شخص مومن ہوا اپنا حال اللہ کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہو اس کو زیبا نہیں کہ جو چیز اس پر اللہ نے واجب نہیں کی اس میں اللہ کے ساتھ بالکل معاملہ نہ رکھے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہے کہ فرائض تو پڑھتا ہے مگر سنن نہیں بجالاتا اور اے شخص تجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو حدیث قدسی میں وارد ہوا[1] کافی ہے کہ قرب ڈھونڈھنے والوں کو میرے ساتھ کسی عمل سے ایسا قرب نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ

[1] حدیث یہ ہے ما تقرب الیّ المتقربون بمثل اداء ما افترضت علیھم ولا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعاً وبصراً ولساناً ویداً وعقلاً ومویداً ۱۲۔ تنویر

ادائے فرض سے ہوتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میرا قرب ڈھونڈھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنا پیارا بنا لیتا ہوں جب میں اس کو اپنا پیارا بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور دل اور زبان اور عقل اور ہاتھ اور مددگار رہتا ہوں تو حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ تکرار نوافل اور اس کا اہتمام بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے اور نوافل وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندہ سے بطور وجوب کے طلب نہیں کیا خواہ نماز ہو یا صدقہ یا حج یا اور کچھ اور جو شخص صرف فرض نمازیں پڑھتا ہے اور دوسرا شخص فرض و نفل دونوں بجا لاتا ہے یا ایک شخص صرف زکوٰۃ دیتا ہے دوسرا شخص زکوٰۃ کے ساتھ کچھ اور بھی سخاوت کرتا ہے، ان دونوں آدمیوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی مالک کے دو غلام ہوں اور اس مالک نے دونوں غلاموں پر دو دو درہم روزانہ خراج[1] مقرر کر دیا سو ایک غلام تو اتنا ہی لا کر مالک کو دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں لاتا نہ کچھ ہدیہ دیتا ہے نہ کچھ محبت کرتا ہے اور دوسرا غلام مالک کے لئے وہ بھی لاتا ہے جو اس کا یار[2] لاتا ہے اور علاوہ خراجِ معین ظروف و میوہ جات ہدیہ لاتا ہے پس یہ غلام بلاشک مالک کے نزدیک زیادہ بہرہ ور اور حصہ محبت کا زیادہ مستحق اور اس کی عنایت سے زیادہ نزدیک ہوگا کیونکہ جو غلام صرف اسی قدر لاتا ہے جتنا معین کر دیا اس کو مالک سے محبت نہیں صرف خوفِ سزا سے دیتا ہے اور جو غلام علاوہ خراجِ معین ہدیہ وغیرہ بھی لاتا ہے وہ مالک سے محبت کی راہ چلتا ہے اور اس کی محبت کو پیشِ نظر رکھتا ہے، یہی غلام مالک کے قُرب و محبت نصیب ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔

---

[1] کمائی (ٹیکس)، [2] یعنی اس غلام کا دوست دوسرا غلام ۱۲ "نعیمیہ"

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر صرف اسی وجہ سے واجب کر دیا کہ ان کا ضعف و کسل کہ جو ان کی حالت و صفت ہے اس کو معلوم تھی سو جو کچھ واجب کیا اس لئے واجب کیا کیونکہ انھیں چیزوں میں جو آپ واجب کی ہیں اختیار دیدیتے تو اس کو ہرگز نہ بجالاتے مگر بقدرے قلیل اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں اس لئے ان پر اپنی طاعت واجب کردی اور حقیقت میں دخول جنت کو واجب کیا پس ان کو وجوب کی زنجیروں میں باندھ کر جنت کو روانہ کیا حدیث[1] میں ہے کہ تیرا پروردگار ایسے لوگوں سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

نوافل کی حکمت

جان، تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمادے کہ ہم نے واجبات کو غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے جتنی عبادتیں واجب کی ہیں انھیں کی جنس سے کچھ نفل بھی مقرر کی ہیں تاکہ اس نفل سے اُس خلل کا تدارک ہو جاوے جو ادائے واجب میں مکلّف سے ہو جاتا ہے اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اوّل بندے کی فرض نماز کو دیکھا جاویگا اگر اس میں کچھ نقصان ہوا تو نوافل سے اس کی تکمیل کردی جاویگی اس کو خوب سمجھ لے اللہ تجھ پر رحم فرمادے اور صرف اسی عمل پر اکتفا مت کر جو اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے بلکہ تجھ میں ایک مستعد کرنے والی محبت بھی ہونی چاہیے جو اس امر پر تیرے متوجہ ہونے کا باعث ہو کہ اللہ نے جو چیز تجھ پر واجب نہیں فرمائی اس میں بھی اللہ سے معاملہ ہونا چاہیے[2] اور اگر

[1] حدیث یہ ہے عجب ربک من قوم یساقون الی الجنۃ بالسلاسل

[2] تنویر

بنایے اپنی میزان عمل میں صرف واجبات کے کرنے اور حرام کے چھوڑنے کا ثواب دیکھیں تو ان کو اس قدر خیر و منت میسّر ہو جاویگی جس کو کوئی گننے والا گن نہیں سکتا اور اندازہ کرنے والا اندازہ نہیں کر سکتا بس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی بندوں کے لئے دروازہ معاملہ کا کشادہ فرمایا اور اسباب وصال کو بیان کر دیا۔

فرائض کیلئے وقت کی قید کیوں ہے؟

اور جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندوں میں کم ہمت بھی ہیں اور ہمت والے بھی اس لئے واجبات کو واجب کیا اور حرام کو بیان کیا جو کم ہمت تھے انھوں نے صرف ادائے واجبات اور ترکِ محرّمات پر بس کیا اور ان کے دلوں میں غلبۂ محبت اور شیفتگی نہیں ہے جو ان کو باعث ہو کہ بدون واجب کئے بھی معاملہ کریں سو ان کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کا عامل مالک کو معلوم ہے کہ اگر اس پر خراج مقرر نہ کروں گا تو یہ کچھ نہ لائے گا اسی واسطے حق تعالیٰ سبحانہٗ نے اوراد کو موقت فرمایا[1] اور اعمالِ عبودیت کو مقرر کیا اور طلوع و غروب اور زوال اور سایہ کے برابر ہو جانے سے نماز کے اوقات بتلائے اور نقد اور تجارت اور مواشی میں جو مال بڑھتا ہے اس میں سال گذرنے پر مقرر کیا اور کھیتی میں جب پیدا وار ہو جیسا فرمایا وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ یعنی کھیتی کا حق کلٹنے کے دن دو اور حج کو عشرۂ ذی الحجہ میں مقرر کیا اور روزے ماہ رمضان میں ٹھہرائے پس ان اعمال کو معین کیا ان کا وقت مقرر کیا اور ان سے جو وقت بچے اس میں حظوظ بشریہ[2] اور سعیٔ اسباب کے لئے فرصت دی اور جو

[1] فرائض کو وقتوں پر مقرر کیا [2] دنیاوی ضرورتیں

اہل اللہ ہیں اور ان کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے انھوں نے تمام اوقات کو ایک وقت کردیا اور تمام عمر کو اللہ کی طرف قصد کرنے کا راستہ بنایا اور جان لیا کہ سارا وقت اسی کا ہے اس کا کچھ حصہ بھی غیر کے لئے نہیں ٹھہرایا۔

شیخ کا بتایا ہوا وظیفہ

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ بس ایک وظیفہ اختیار کرلو اور وہ ترک کرنا ہے خواہش نفسانی کا اور محبت کرنا مالک سے پھر محبت اس محب کو بجز طاعت محبوب کے کوئی کام ہی نہ کرنے دیگی اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سانس ہیں حق تعالیٰ کی امانتیں اور ودیعتیں ہمارے پاس ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کے لحاظ رکھنے کا مطالبہ ہم سے کیا جاوے گا۔ پس انھوں نے اپنی ہمتیں اس کی طرف متوجہ کردیں اور جیسا کہ اللہ کی ربوبیت دائم ہے اسی طرح تجھ پر حقوق ربوبیت بھی دائم ہیں سو اس کی ربوبیت جیسے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں اس کے حقوق ربوبیت بھی ایسے ہی ہونے چاہیئں۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کے لئے عبودیت کا ایک حصہ ہے جس کا تقاضا حق تعالیٰ تجھ سے بحکم ربوبیت فرماتا ہے اب ہم کو لازم ہے کہ کلام کی باگ روک لیں تاکہ مقصود کتاب سے علیحدہ نہ ہوجاویں۔

تیسری قسم سخاوت کی وہ جان دینا ہے راہ مولیٰ میں یہ سب اقسام میں افضل ہے اور دوسری قسمیں سخاوت کی اسی کے حاصل کرنے کے لئے ہیں پس جو شخص اللہ کے ساتھ واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی غیر واجب خیرات میں دریغ

لہ ہمیشہ ۲ے کمی

کرتا ہے اور جو غیر واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی جان دینے میں دریغ کرتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں سخی نہیں بنتا کیونکہ جان کی سخاوت کرنا اور اس کو خرچ کرنا یہ اخلاق صدیقین اور حالات اہل یقین سے ہے جن کو اللہ کی معرفت ہو گئی انھوں نے اپنی جانیں دے ڈالیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ غلام مالک کے آگے کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اور جب جان کی سخاوت سب اقسام میں کامل تر ہے تو اس کا بخل بھی سب سے بدتر ہو گا اس بیان سے شیخ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے کہ ہم کو حرص و بخل سے بعد حصول رزق کے بچا اور یہ اشارۃً و اجمالاً بیان ہوا ہے نہ تفصیلاً۔ کیونکہ کتاب اس مضمون کے لئے نہیں بنائی گئی

مضمون اصلی شروع

تیسری قسم اُن عوارض کی جو مقدمۂ رزق میں پیش آتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں، ایک قبل الحصول دوسرے وقت الحصول ان دونوں کا ذکر تو کلام شیخ میں ہو چکا اور ہم نے اس کو خوب بیان کر دیا یہ تیسری قسم وہ عوارض ہیں جو بعد حصول اور ختم ہو چکنے رزق کے پیش آتے ہیں یعنی افسوس ہونا پچھتانا ہمیشہ اس کا نگراں رہنا، سو اس سے بھی پاک ہونا چاہیئے اور یہ ارشادِ خداوندی سنو۔

لِکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ	یعنی تاکہ نہ مغموم ہو تم اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو دے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا بچہ انتقال کر گیا

آپ نے فرمایا اُن یعنی قاصد سے کہ ان کو یہ بات بتلادو کہ اللہ ہی کا تھا جو لے لیا اور اللہ ہی کا ہے جو دے رکھا ہے اور جو شخص بجز اللہ کے کسی چیز کے نہ ملنے پر افسوس کرے وہ یا وا انیلا اپنی جہالت اور خدا سے دوری کی خبر دے رہا ہے کیونکہ اگر اللہ کو پاتا تو ماسوا کو ڈھونڈھتا نہ پھرتا پس جو شخص اللہ کو پالیتا ہے پھر وہ کسی شی کو نہیں پاتا کہ اس کو تلاش کرے اور بندے کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز اس کے ہاتھ نہیں آئی وہ اس کا حصہ نہ تھا یا کوئی چیز اس کے پاس تھی اور گم ہوگئی وہ اس کا حق نہ تھا کیونکہ وہ اگر اس کا رزق ہوتا تو دوسرے کے پاس نہ جاتا بلکہ اس کے پاس عاریت تھی جس نے عاریت دی تھی اس نے لے لی اور جس نے ایجاد کیا تھا اس نے واپس کر لیا۔

نکاح کا ایک قصہ

اور کسی شخص کی ایک چچا زاد بہن تھی بچپن سے اس کے نامزد تھی جب یہ شخص بڑا ہوا ایسے امور پیش آئے کہ اس سے نکاح نہ ہوا اس لڑکی کا اور کسی سے نکاح ہوگیا۔ ایک سمجھدار آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص نے تیری چچا زاد بہن سے نکاح کیا تجھ کو مناسب ہے کہ اس سے جاکر معذرت کر کیونکہ تو اس لڑکی کو لینا چاہتا تھا اور وہ ازل میں اس کی زوجہ تھی ف یعنی یہ معذرت کر کہ میں نے تمہارے حق لینے کا ارادہ کیا تھا نادانستگی میں مجھ سے یہ خطا ہوئی اب تم معاف کردو اور کدورت نہ رکھو مت اور ایماندار کو اس مضمون میں کہ فوت ہوئی چیز پر نادم نہ ہو یہ آیت بس ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ	یعنی بعضا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے

فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرُ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ

اگر اس کو کوئی مال مل گیا تو اس میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش لگی تو الٹے منہ لوٹ جاتا ہے ٹوٹے میں پڑا یہ شخص دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ کھلا ٹوٹا ہے

سو حق تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی جو چیز دل کے ملنے کے وقت اس کے ساتھ جی لگائے دیکھو کس طرح فرمایا فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرُ اطْمَأَنَّ بِهِ یعنی اس مال پر جی لگا بیٹھا اور اگر اس کو سمجھ ہوتی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز سے دل نہ لگاتا اور صرف اللہ ہی کے ساتھ اس کا دل لگتا اسی طرح اس شخص کی بھی مذمت فرمائی جو ان چیزوں کے گم ہو جانے کے وقت مغموم ہو کیونکہ فرمایا وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اور فتنے کی تفسیر ہے اس مرغوب چیز کا گم ہو جانا جس سے جی لگا تھا انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ یعنی اس کی عقل متحیر ہو جاتی ہے اور نفس بھول جاتا ہے اور قلب غافل ہو جاتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی معرفت اس کو نصیب نہیں اور اگر اللہ کو پہچانتا تو اس کا موجود ہونا تمامی موجودات سے بے پرواہ کر دیتا اور اس کے باعث ہر مفقود سے مستغنی ہو جاتا۔

معرفت الٰہیہ

اور جس نے اللہ کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہ پایا اور جس نے اللہ کو پالیا اس نے کسی چیز کو گم نہیں کیا اور جس شخص نے ایسی ذات کو پالیا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اس کو کیونکر کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے موجدِ اشیا کو پالیا اس کو کیسے کہیں کہ اس نے

کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے ایسی ذات کو پا لیا جو ہر چیز میں جلوہ گر ہے اس کو کبھی کہیں کہ اس کی کوئی چیز گم ہو گئی پس ماسوائے اللہ اہل معرفت کے نزدیک یافت[1] ونایافت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس کے آگے کوئی موجود ہی نہیں، کیونکہ اس کی احدیت ثابت ہے اسی طرح کوئی چیز مفقود بھی نہیں کیونکہ مفقود وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے موجود ہوئی ہو اور اگر حجاب وہم پھٹ جاوے ...... تو معاینہ ہو جاوے کہ اشیاء عالم موجود نہیں اور نور یقین چمک اٹھے اور وجود کائنات کو ڈھانپ لیوے اور جب تو اس کو سمجھ چکا تو تجھ کو لازم ہے کہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم مت کر اور کسی شئے کے موجود ہونے کی طرف میل مت کر کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ چیز پائے تو میلان کرے اور نہ پائے تو مغموم ہو اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اس چیز کا بندہ ہے جس کے ہونے نے اس کو خوشنود اور گم ہونے نے غم آلود کیا ہے اور اس مقام میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد[2] سنو برباد ہو جاوے بندہ دینار کا برباد ہو جاوے بندہ درم کا برباد ہو جائے بندہ کملی کا برباد ہو جائے اور سرنگوں ہو جاوے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو نکلنا نصیب نہ ہو، سوا اپنے دل میں بجز اللہ کی محبت اور دوستی کے کسی چیز کو محکم[3] مت کر، کیونکہ تیرا مرتبہ اس سے زیادہ ہے کہ تو غیر کا بندہ۔ جب اللہ نے تو تجھ کو لائق غلام بنایا تو نالائق غلام کیوں بنتا ہے اور جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کی فہم ان کو

---

[1] ہونے یا نہ ہونے کا خیال [2] حدیث یہ ہے تعس عبد الدینا تعس عبد الدرھم تعس عبد الخمیصہ تعس وانتکس واذا شیک فلا انتقش ۱۲ [3] جگہ مت دے۔

کسی شئے کے ہونے کی طرف مائل نہیں ہوتی اور نہ کسی شئے کے نہ ماننے سے نگران ہونے دیتی ہے تاکہ ان کی عبودیت محفوظ رہے اور ماسوا سے آزادی درست رہے۔

انسانوں کی دو قسمیں میں نے اپنے شیخ ابوالعباس رحؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اہلِ حال دو قسم ہیں ایک تو وہ شخص جو حال میں حال کا ہو رہا ہے اور ایک وہ شخص جو حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے سو جو شخص کہ حال میں اپنے حال کا ہو رہا ہو وہ بندہ حال ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب نہیں پاتا تو غمگین ہوتا ہے اور جو شخص کہ حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے وہ بندہ خدا ہے نہ کہ بندہ حال اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو نہ پائے تو غمگین نہیں ہوتا اور جو پائے تو خوش نہیں ہوتا پس یہ ارشادِ خداوندی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اسکی تفسیر یہ ہے کہ عبادت کرتا ہے اللہ کی ایک کنارے پر یعنی ایک جہت پر وہ جہت

لہ پریشان ۲؎ حالت کا غلام، یعنی اچھی حالت ہو تو بظاہر اللہ کا شکر کرتا ہے لیکن اگر وہ حالتِ خوشی ختم ہو جائے تو خدا سے شکوہ اور ناگواری کا اظہار کرتا ہے اب معلوم ہوا کہ خدا سے خوشنودی اس حالت کی وجہ سے تھی تب ہی تو اس کے ختم ہونے سے خدا سے تعلقات میں کمی آئی اگر حالات و کیفیات سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت اور اس کی رضا کی تلاش اور اس سے خوشنودی کا اظہار اس لئے کرتا ہے کہ خدا اس کے لائق ہے اور بندہ کو یہی لازم ہے تو حالات کے بدلنے سے خدا کے ساتھ معاملہ میں کوئی فرق نہ آتا۔ ۱۲ "نعیمہ"

۳؎ مولانا روم رحؒ نے فرمایا :- ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست ⁂ تو بمان اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اگر زائل ہو گئی اس کی طاعت بھی زائل ہو گئی اور اس کی اطاعت منقطع ہو گئی اور اگر اس کو ہماری طرف کی سمجھ ہوتی تو ہر حالت اور ہر جہت میں ہماری عبادت کرتا جیسا وہ تیرے ہر حال میں تیرا رب ہے اسی طرح تو ہر حال میں اس کا بندہ رہ فرمایا فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ن اطْمَاَنَّ بِهٖ ج یعنی اس کو اگر کوئی خیر ہوتی ہے جو اس کے نفس کے موافق ہو کہ اس کی نظر میں خیر ہے اور کبھی واقع میں شر ہوتی ہو وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ یعنی اگر وہ خیر جاتی رہی جس سے مطمئن ہوا تھا اور اس کو فتنہ یعنی آزمائش فرمایا کیونکہ نعمت سے گم ہوتے ہیں مومن کے ایمان کا امتحان ہوتا ہے اور نہ ہوتے ہیں لوگوں کے حال معلوم ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ ہمارا غنا اللہ کے ساتھ ہے حالانکہ ان کا غنا اسباب سے اور طرقِ اکتساب سے ہے اور بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب سے اُنس ہے اور حالانکہ ان کا انس اپنے حال سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حال جاتا رہنے سے انس بھی جاتا رہتا ہے پس اگر رب سے انس ہوتا تو وہ تو دائم و باقی ہے انس بھی دائم و باقی رہتا فرمایا اللہ تعالیٰ نے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ دُنیا کا تو یہ نقصان ہوا کہ مرادِ دنیاوی حاصل نہ ہوئی اور آخرت کا اس لئے نقصان ہوا کہ اس کے لئے عمل نہیں کیا سو جو اس کا مطلوب تھا جاتا رہا، اور اس نے ہم کو تو طلب کیا نہ تھا کہ ہم اس کے ہو جاتے خوب سمجھ لو۔

اللہ کو مقابلہ میں تدبیر کرنیوالوں کی مثالیں اور خدا کی بندگی کرنے کی عقلی دلیلیں

اس فصل میں مثالیں ذکر کریں گے اللہ کے آگے تدبیر چلانے

کی اور تدبیر چلانے والوں کی اور مثالیں رزق کی اور اللہ تعالیٰ کے کفیل ہونے کی۔ کیونکہ مثال سے خوب حال کھلتا ہے۔

پہلی مثال جو اللہ کے آگے تدبیر چلائے اس کی مثال ایسی ہی جیسے کسی شخص نے سمندر کے کنارے پر مکان بنایا ہو وہ جس قدر عمارت میں کوشش کرتا ہو موجیں بڑھتی جاتی ہیں اس کے سارے حیلے رخصت ہوتے جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے آگے تدبیر کرتا ہے کہ وہ تو تدبیر کی عمارتیں تیار کرتا ہی، اور تقدیر آ کر اس کو گرا دیتی ہی اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مدبّر تدبیر کرتا ہی اور تقدیر ہنستی[۱] ہے اور شاعر نے کہا ہے ؎

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اسکو بناتا ہو * مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

مثال نمبر۲ مدبّر کی ایسی مثال ہی جیسے ایک شخص ریگ کے ڈھیر میں آکر اس پر مکان چنے آندھی جو آئی سب ریگ[۲] اڑ گیا جو بنایا تھا وہ گر گیا جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

مٹ گئے گھر ان کے ملکر ریگ میں * کب رہے قائم جو ہو گھر ریگ سا ہیں

مثال نمبر۳ مدبّر[۳] کی ایسی مثال ہی جیسے ایک لڑکا اپنے والد کیساتھ سفر کرے اور دونوں رات کو چلیں اور باپ چونکہ اپنے لڑکے پر غایت درجہ کا شفیق ہے وہ لڑکے کی بیخبری

---

[۱] مسکن اس بحرِ فنا پر نہ بنا اے ناشاد * صورتِ بُلبلہ پانی میں ہے تعمیر عبث لطیف ملفوظ شریف

[۲] قال العارف الرومی ؎

خاک بر باد است و بازی میکند * کج نمائی پردہ سازی می کند لطیف ملفوظ شریف

[۳] تدبیر اور اسباب کی ادھیڑ بن میں دل لگانے والے اور جان کھپانے والے۔ "نعیمیہ"

میں دیکھ بھال کر رہا ہے مگر لڑکا بوجہ حائل ہونے تاریکی کے باپ کو نہیں دیکھتا اس لئے وہ لڑکا اپنی فکر میں مبتلا ہے کہ کس طرح کرے یکایک چاند نکل آیا اور باپ کو دیکھا کہ پاس ہے اس کا جی ٹھہر گیا اور دل کو سکون ہو گیا چونکہ اپنے باپ کو پاس دیکھا اس وقت باپ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو گیا ایسا ہی جو شخص اپنی لئے تدبیر کرتا ہے وہ اس لئے تدبیر کر رہا ہے کہ شبِ دوری[1] میں مبتلا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب معلوم نہیں اگر ماہتابِ توحید یا آفتاب معرفت طلوع کرے تو اللہ کا قرب مشاہدہ کرے پھر تدبیر کرتا ہوا شرملتے اور اللہ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو جاوے۔

مثال۴ تدبیر ایک درخت ہے پانی اس کا بدگمانی ہے پھل اس کا اللہ سے دوری ہے کیونکہ اگر بندے کو اپنے رب سے حسن ظن ہوتا تو درخت تدبیر بوجہ اس کی غذا موقوف ہو جانے کے اس کے قلب میں خشک ہو جاتا اور اس کا پھل اللہ سے دوری اس لئے ہے کہ جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اپنی عقل پر اکتفا کرتا ہے اور اپنی تدبیر پر راضی ہوتا ہے اور اپنی ہستی پر حوالہ کرتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اسی پر حوالہ کر دیا جاوے اور منت الٰہیہ کو اس کے پاس نہ جانے دیا جاوے۔

مثال۵ تدبیر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے ایک شہر میں واسطے درستی کسی[2] متاع کے بھیجا وہ غلام اس شہر میں گیا اور کہنے لگا میں کہاں رہوں کس سے شادی کروں غرض وہ اسی میں لگا رہا اور اپنی ہمت کو اسی لئے صرف کر دیا اور جو مالک نے حکم کیا تھا اس کو معطل[3] چھوڑ دیا جب وہ مالک اس کو اپنے پاس بلاویگا

[1] اللہ سے دوری اور معرفت باری سے محرومی کی تاریکی اور شامتِ اعمال کی سیاہی میں [2] کوئی کام کرنے کے لئے [3] مالک کا کہنا نہ مانا اور اس کا کام نہ کیا۔ ۱۲ النعیمیہ

تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوری اور مہجوری کا مزہ چکھاوے کیونکہ وہ اپنی بکھیرو طیں مالک کے حق سے غافل ہوگیا پس اے مومن ایسا ہی تیرا حال ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس دنیا میں بھیجا اور اپنی خدمت کا حکم دیا اور تیرے لئے تدبیر کا سرانجام کیا اگر تو اپنی تدبیر میں لگ کر اپنے مالک کے حق سے غافل ہوگیا تو طریق ہدایت سے تو نے روگردانی کی اور ہلاکی کی راہ چلا۔

مثال[1] مدبر اور غیر مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک تو اپنے آقا کے احکام میں لگا ہے کھانے پہننے کی طرف التفات نہیں کرتا اس کی بڑی فکر آقا کی خدمت گذاری ہے اس امر نے اس غلام کو اس کے حظوظ و ضروریات کی فرصت سے غافل کر رکھا ہے اور ایک دوسرا غلام ہے جب اس کو آقا بلاتا ہے کبھی اپنے کپڑے دھو رہا ہے کبھی اپنے جانوروں کو مل دل رہا ہے کبھی اپنا بناؤ سنگار کر رہا ہے سو پہلا غلام عنایت آقا کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت دوسرے غلام کے جو کہ اپنے حظوظ و ضروریات میں لگ کر آقا کے حقوق سے غافل ہے اور غلام کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے نہ کہ ہر وقت اپنے کام میں لگا رہے ایسا ہی حال بندۂ دانا کا ہے اس کو ہمیشہ اسی حال میں دیکھو گے کہ اپنے نفس کے مرغوبات اور مہمات[1] کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق اور احکام کی نگہداشت میں لگا رہتا ہے جب اس کا یہ حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے سارے کام بنا دے گا اور اس کی طرف اپنی عطائے جزیل سے متوجہ ہوگا کیونکہ وہ توکل میں صادق ہے اور جو اللہ پر بھروسہ[2] کرتا ہے

---

[1] ضروری اور من پسند کاموں نیچے [2] یہ مضمون ہے آیت کا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ۱۲ مترجم

اللہ اس کو بس کرتا ہے اور غافل کا یہ حال نہیں بلکہ اس کو جب دیکھو گے اپنے دنیا کے اسباب حاصل کر رہا ہے اپنی خواہشِ نفسانی کے ذریعے جمع کر رہا ہے اپنے نفس کی تدبیر کر رہا ہے اور اسی پر حوالہ کر دیا گیا ہے خوبیٔ وثوق و صدقِ توکل سے دور پڑا ہے
مثال[۱] مدبّر کی ایسی مثال ہے جیسا پھیلا ہوا سایہ کہ جب کہ آفتاب برابر نہیں ہوتا اور جب آفتاب ٹھیک سر پر آجاتا ہے تو وہ سایہ فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یوں ہی سایہ ایک نشان رہ جاتا ہے کہ استوا کے وقت محو نہیں ہوتا، یہی حال ہے آفتابِ معرفت کا جب قلوب کے مقابل آتا ہے وجود تدبیر کو محو کر دیتا ہے البتہ کچھ تدبیر بندے کی اس لئے رہ جاتی ہے کہ اس پر احکام شرعی جاری ہو سکیں۔
مثال مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کوئی گھر یا کوئی غلام فروخت کیا پھر جب سودا پورا ہو چکا تو بائع[۲] مشتری[۳] کے پاس آیا اور کہا کہ اس میں کوئی مکان مت بنانا یا فلاں کوٹھری اس کی گرا دینا اس میں فلاں بات کرنا یا خود بائع ان کاموں کو کرنے چلا پس اس سے کہا جاوے گا کہ تو تو فروخت کر چکا ہے اب فروخت کرنے کے بعد مبیع[۴] میں تیرا التصرف نہیں رہا کیونکہ بیع کرنے کے بعد منازعت نامعقول ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[۵] کہ اس نے سب مسلمانوں کی جانیں اور اموال بعوضِ جنت

---

[۱] بظاہر دنیا کے کاموں میں لگا نظر آتا ہے تاکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں کمی نہ ہو لیکن قلب و نظر ہمہ تن معرفتِ خداوندی کے دریا میں غرق ہوتے ہیں۔

[۲] بیچنے والا [۳] خریدنے والا [۴] جو چیز بیچ دی گئی اب اس پر بیچنے والے کا کوئی اختیار نہیں رہا ۱۲ نعیمیہ۔ [۵] یہ مضمون ہے آیت کا ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۱۲ مترجم

کے خریدے ہیں سو مومن پر لازم ہے کہ اپنی اور اپنے نام لگی چیز کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے خرید لیا اور سونپنے کو یہ بات لازم ہے کہ جو چیز سونپ دے اس کی تدبیر ترک کر دے۔

رہ گیا رزق سو بندے کی رزق کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے کہے اس گھر میں فلاں کام میں لگا رہ سو یہ نہیں ہوسکتا کہ کام کرنے کا حکم تو کر دے اور کھانے پینے پہننے کی خبر نہ لے اور اس کی کفایت و رعایت کا سر انجام نہ کرے اسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں طاعت و بجا آوری احکام کا حکم فرمایا ہے اور اس کی روزی کا کفیل ہوگیا سو بندے کو خدمت کرنا چاہیئے مالک اپنی عنایت سے اس کا خبر گیراں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاْمُرْ اَھْلَکَ الیٰ قولہٖ لِلتَّقْوٰی اور اس کا بیان اوپر گذر چکا۔

مثال ۹
بندے کی مثال دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ماں کبھی بچے کو اپنی کفالت سے نہیں چھوڑتی اور رعایت سے نہیں نکالتی ایسے ہی اللہ تعالیٰ مومن کی کفالت فرماتا ہے اور اس کو نعمتیں بھیجتا ہے اور محنتیں دفع کرتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جس کے پاس بچہ تھا آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا کیا تم خیال کرسکتے ہو کہ یہ اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ ماں اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے مومن پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

مثال ۱۰
بندے کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسا ایک غلام ہو اس کو

مالک نے حکم کیا کہ فلاں جگہ جا اور اپنا کام پکا کرے کیونکہ یہاں سے فلاں طرف کو تجھے سفر کرنا ہے اور اپنا ساز و سامان لے لے جب مالک نے اس کو یہ اجازت دیدی تو یقینی بات ہے کہ اس کے لئے مباح کر دیا کہ جس چیز سے اپنی ترکیب جسمانی قائم رکھنے میں مدد ملے اس کو کھائے پئے تاکہ ساز و سامان کے طلب کرنے میں سعی و اہتمام کر سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں پیدا کیا اور حکم فرمایا کہ یہاں سے سفرِ آخرت کے لئے توشہ لے لے چنانچہ ارشاد ہوا وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ہ یعنی توشہ لے لو پس سب سے اچھا توشہ تقویٰ ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ جب آخرت کے لئے توشہ لینے کا حکم فرمایا تو دنیا سے ایسی چیزوں کا لینا مباح کر دیا جن سے توشہ کے جمع کرنے اور سفر کے لئے آمادہ ہونے اور آخرت کے لئے سامان درست کرنے میں مدد پہونچے۔

مثال ۱۱ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی مالک نے کہ اس کے پاس ایک باغ ہو اپنے غلام کو حکم دیا کہ اُس باغ میں درخت لگا دے زراعت کرے اور اس کی درستی کا اہتمام کرے سو اگر یہ غلام حکم پاتے ہی مالک کے حکم کو بجا لایا اور کسی ساعت باغ سے نہیں نکلتا سو اگر یہ غلام اس باغ میں سے کچھ کھا پی لیوے تو مالک نہ ملامت کریگا نہ اس کھانے سے منع کریگا کیونکہ جب اس سے کھائیگا تو اس میں محنت بھی کریگا لیکن اس غلام کو چاہیئے کہ اسی[۱] قدر کھائے جس سے

[۱] اسی طرح مسلمان دنیا میں رہ کر کھانے پینے وغیرہ تمام ضروریات کی ادائیگی میں حسبِ موقعہ رضائے مولیٰ اُحکامِ خداوندی کی بجا آوری کی نیتِ خالص رکھے دل چاہنے کے لئے کوئی کام نہ کرے ۱۲ نعیمہ

کاروبار میں سہارا لگے لذت اور خواہش کے واسطے نہ کھائے۔

مثال ۱۲ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے بہت بڑا باغ لگایا اور بہت بڑا مکان بنایا کسی نے پوچھا کہ کس کے لئے یہ سامان کیا ہے اس نے کہا اپنے لڑکے کے لئے کیا ہے جس کے پیدا ہونے کی امید ہے، سو اس نے بوجہ محبت کے لڑکے کی ضرورت کی چیزیں اس کے پیدا ہونے کے پہلے مہیا کر دیں کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب اس کے ہونے سے پہلے سب کچھ تیار کر رکھا ہے کیا اس کے ہونے کے بعد اس کو نہ دے گا؟ اسی طرح بندے کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ اللہ نے بندے کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں نعمت مہیا کر رکھی ہے اگر فہم ہو تو نعمت تیرے ہونے سے پہلے ہو چکی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کی عطا تیرے وجود سے پہلے اور اس کی نعمت تیرے ظہور سے پہلے ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عطا فرما چکا ہے قبل اس کے کہ بندہ موجود ہو اور اس کا کچھ عمل وقوع میں آئے سو جو چیز اللہ نے ازل میں تیری قسمت میں لکھ دی ہے اور تیرے لئے جمع کر دی ہے اس سے تجھ کو محروم نہ کرے گا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہونے سے پہلے مہیا کر دے اور ہونے کے بعد نہ دے۔؟

مثال ۱۳ بندہ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بادشاہ کسی نوکر کو اپنے گھر لایا اور حکم دیا کہ فلاں کام کر سو یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نوکر کو لائے اور اس سے اس گھر میں کام لے اور بے کھلائے اس کو چھوڑ دے کیونکہ بادشاہ کی شان اعلیٰ[1] ارفع ہے ایسا ہی بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے سو دنیا تو اللہ کا

---

[1] بلند۔

گھر ہے اور تو نوکر ہے اور کام طاعت کرنا ہے اور اجرت جنت ہے سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو کام کرنے کو فرما دے پھر تیرے پاس وہ سامان نہ بھیجے جس سے تو بدلہ[1] دے سکے۔

مثال ۱۴ بندے کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بادشاہ کریم کے گھر مہمان ہو اسو اس مہمان کو سزاوار ہے کہ اپنی کھانے پینے کی فکر نہ کرے کیونکہ اگر ایسا کیا تو بادشاہ پر تہمت و بدگمانی ہے اور یہ مضمون شیخ ابو مدین کا مقولہ اوپر گذر چکا ہے اسی طرح دنیا اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو لوگ ہیں وہ اس کے مہمان ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بندوں کو تو مہمان داری کا حکم فرما دے اور خود مہمان کی خبر نہ لے سو جو شخص دنیا میں اپنے کھانے پینے کی دھن میں ہو وہ بادشاہ حقیقی کی نظر میں مبغوض[2] ہے کیونکہ اگر اس کو اللہ میں شک نہ ہوتا تو اپنے حال کی کیوں فکر کرتا۔

مثال ۱۵ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام کو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں جگہ جا کر رہے اور اس جگہ جو غنیم[3] ہے اس سے لڑے اور اپنی ہمت اس کے مقابلہ میں صرف کرے اور اس کے مقابلہ میں ہمیشہ لگا رہے سو یقینی بات ہے کہ جب بادشاہ نے اس کو یہ حکم دیا ہے تو اس کے لئے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس شہر کے تحائف و خزائن سے امانت داری کے ساتھ کھایا کرے تاکہ جس کے مقابلہ کا حکم بادشاہ نے دیا ہے اس کے مقابلہ میں قوت حاصل کرے اسی طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے لڑیں چنانچہ فرمایا۔

لہ سہارا اور قوت ۲ہ ناگوار ۳ہ دشمن "لغیمہ"

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ — یعنی اللہ کی راہ میں خوب مجاہدہ کرو جیسا مجاہدہ کا حق ہے۔

اور فرمایا:۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ج — یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھو۔

پس جب بندوں کو شیطان سے لڑنے کا حکم دیا تو اس کی بھی اجازت دی کہ اس کی نعمتوں سے اس قدر کھا لویں جس سے محاربہ شیطان[1] میں قوت حاصل کریں کیونکہ اگر کھانا پینا چھوڑ دو تو طاعت کا بجالانا اور خدمت میں آمادہ ہونا ممکن نہ ہو سو بادشاہ کا مجاہدہ کے لئے حکم فرمانا اس کو بھی شامل ہے کہ جتنی چیزیں بادشاہ کی کہلاتی ہیں جن کو تیرے لئے تیار کر رکھا ہے اس کا برتنا مباح ہے لیکن بطریق امانت و حفاظت حقوق کے ہو نہ یعنی کسی اور کا حق نہ کھا لے۔ ت

مثال[16] بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کسی شخص نے ایک درخت لگایا اس ارادے سے کہ یہ بڑھے اس کی پود پھیلے سو درخت کو اگر علم ہو تو وہ خود جان سکتا ہے ورنہ ہم اس کی نسبت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو لگائے اور پانی نہ دے یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کو تو شوق ہے کہ اس کی پود بڑھے یہ بڑا ہو اسی طرح اے شخص تو درخت ہے اللہ تعالیٰ تیرا بونے والا اور ہر دم سینچنے والا ہے تیری غذا پہونچانے کا سامان کرنے والا ہے تو اس پر یہ بدگمانی

[1] شیطان سے مقابلہ اور لڑنے ۱۲ "نعیمیہ"

مت کرکہ تیرے درخت وجود کو بوئے اور بونے کے بعد پانی نہ دے کیونکہ وہ غافل نہیں۔

مثال ۱۷ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے جس کے بہت سے غلام ہیں ایک گھر بہت عمدہ بنایا اور اس کو خوب سجایا اور اس میں باغ اور اس میں جمیع[۱] مرغوبات پورے طور سے رکھے مگر ابھی یہ غلام دوسری جگہ ہیں اور بادشاہ کو منظور ہے کہ ان کو اس گھر میں لادے کیا گمان کرسکتے ہو کہ یہ بادشاہ جس کی نظر میں اس تمام تر ذخیرہ اور سامان کے علت[۲] غائی یہی غلام ہیں وہ ان لوگوں کو ان کی معمولی جگہ میں اپنی نعمت اور فضلہ[۳] طعام سے منع کریگا اسی طرح سے بندوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو دنیا میں پیدا کیا اور جنت کو مہیا کیا اور اس کو منظور ہے کہ دنیا میں سے وہ چیز برتوائے[۴] جس سے اس کا وجود قائم رہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ اور فرمایا كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ سو جبکہ تیرے لئے نعمت[۵] باقی کو ذخیرہ فرمایا اور تجھ پر اس سے احسان کیا تو فانی[۶] سے تجھ کو کیوں محروم کریگا۔ اور اگر محروم کرے تو اسی خیر سے محروم کریگا جو تیری قسمت میں نہیں وہ تیرا حق نہیں سو ایسا نہ دینا یہ بھی عطا و شفقت ہے اس کو معلوم ہے کہ اس میں تیری مصلحت اور تیرے کام کی درستی

۱ے تمام بہترین اور عمدہ چیزیں ۲ے بنانے اور تیار کرنیکی وجہ ۳ے بچا ہوا خراب کھانا ۴ے استعمال کرانے ۵ے یعنی جنت جس کو کبھی فنا نہیں ۶ے دنیا کی نعمتیں ۱۲ نعیمیہ

ہے جیسا درخت سے لگاتار پانی آنے کو روک دیتے ہیں تاکہ ہر وقت کا پانی اس کو تلف نہ کر دے۔

مثال ۱۸ جو شخص دنیا کی فکر میں لگ کر آخرت سے غافل ہو جاوے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ہو کہ درندہ اس پر چڑھا آتا ہے اور قریب ہے کہ اس کو پھاڑ ڈالے اور ایک مکھی بھی آکر بیٹھ گئی یہ شخص مکھی کے ہٹانے میں لگ کر شیر سے کچھ بچاؤ نہیں کرتا سو ایسا شخص بڑا احمق ہے بالکل عقل کو کھوئے بیٹھا ہے اور اگر یہ عقل کے ساتھ موصوف ہوتا تو اس کو شیر کا اور اس کے حملے کا اور اس کے چڑھے چلے آنے کا اتنا بڑا دھندا تھا کہ مکھی کے قضیّے میں مشغول ہونے کی فکر بھی نہ کر سکتا یہی حال اس شخص کا ہے جو دنیا کی فکر میں آخرت کے توشے جمع کرنے سے غافل ہو جاوے یہ اس کی حماقت کی دلیل ہے کیونکہ اگر صاحبِ فہم و عقل ہوتا تو آخرت کے لئے سامان کرتا جس کی اس سے باز پرس ہو گی وہاں کھڑا کیا جاویگا اور مقدمۂ رزق کے اہتمام میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس کا اہتمام کرنا آخرت کے مقابلے میں ایسا ہی جیسے شیر کے سامنے مکھّی۔

مثال ۱۹ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا باپ کے آگے بچہ کہ باپ کے ہوتے کچھ غم نہیں پالتا اور نہ افلاس سے ڈرتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ باپ میرا کفیل ہے اس کے اعتماد نے اس کی زندگی خوش کر دی اور اس کا غم زائل کر دیا اسی طرح مومن کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ کچھ غم نہیں پالتا اور اس کے میدانِ قلب میں رزق کی بابت عموم[۱] نہیں آتے کیونکہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ

[۱] غم و فکر کی آندھیاں، پریشان کرنے والے خیالات۔ ۱۲ "نعیمیہ"

اُس کو مہمل نہ چھوڑے گا اور اپنے فضل سے جُدا نہ کرے گا اور اپنے جود و احسان سے محروم نہ کرے گا۔

مثالؒ۲ بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام ہے اس کا مالک تونگر ہو، ثروت اور غلاموں سے احسان کرنے کے ساتھ موصوف ہو انکار کرتا ہوا کبھی نہ دیکھا گیا ہو جود و عطا میں معروف ہو، اور غلام کو اس کے فضل پر اعتماد ہے اس کے احسان پر نظر رکھتا ہے، اپنے مالک کی تونگری معلوم ہے، اس لئے تمام رنج و محن سے علیحدہ ہے اور یہی مضمون حضرت شفیق بلخیؒ کی توبہ کا باعث ہوا فرماتے ہیں کہ ایک بار قحط کے ایام میں کسی جگہ میرا گذر ہوا ایک غلام کو دیکھا کہ خوش و خرم ہے اس مصیبت کی خبر نہیں جس میں لوگ گرفتار ہیں میں نے پوچھا اے جوان تجھ کو خبر نہیں لوگ کس بلا میں مبتلا ہیں کہنے لگا مجھ کو تو پرواہ بھی نہیں میرے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے ہر روز کے خرچ کے لائق ہمارے یہاں آجاتا ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے تو میرے مالک کے پاس تو تمام آسمان و زمین کے خزانے ہیں مجھ کو اس کی نسبت اپنے مالک کے ساتھ وثوق کرنا زیادہ زیبا ہے یہی سبب میری آگاہی[۲] کا ہوا۔

مثالؒ۲۱ جو شخص سبب میں مشغول ہے اور اسباب سے روزی دیا جاتا ہے اس کی مثال تو اس غلام کی سی کہ اس سے مالک نے کہا کہ کام کر اور اس میں سے کھا اور جو شخص اسباب کا تارک ہے اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس سے مالک نے

۱؎ بیکار ۲؎ ان کے یہاں بہت بڑی تجارت ہوتی تھی سب ترک کردی ۱۲- ملفوظ شریف

کہا تو میری خدمت میں رہا کر میں اپنی نعمت تجھ کو دیتا رہوں گا۔

مثال ۲۲ جو شخص اسباب میں اللہ تک نظر پہونچاوے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب آسمان سے بارش ہونے لگے تو کوئی آدمی پرنالے کے نیچے بیٹھ جاوے پس وہ اللہ ہی کا شکر کرتا ہے اور پرنالے کے نیچے بیٹھ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شخص بارش کو اس کی طرف نسبت کرے بلکہ یقیناً جانتا ہے کہ اگر پرنالے میں پانی نہ آوے تو خاک بھی نہ ملے اسی طرح اسباب نعم الٰہی کے پرنالے ہیں پس جو شخص اسباب میں داخل ہو مگر ہمت اللہ کے ساتھ متعلق رہے نہ کہ اسباب کے ساتھ اس کو اسباب سے کچھ ضرر نہیں اور اس پر اندیشۂ دوریٔ درگاہ نہیں اور جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جاوے اور مالک اسباب سے غافل ہو اس کی مثال چوپایہ کی سی ہے کہ جب مالک اس کے پاس سے ہو کر گذرتا ہے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور حالانکہ وہ مالک ہے اور سائیس کو اس جانور کا خرچ وہی دیدیتا ہے اور جب سائیس آتا ہے تو نظر خوشامد سے اس کو دیکھتا ہے اور شوق ظاہر کرتا ہے چونکہ اس کے ہاتھ سے کھانے کا خوگر ہے بندے کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ جب خلقت کے ہاتھ سے احسان جاری ہو اور یہ ان ہی کی طرف سے مشاہدہ کرے اور ان سے گذر کر آگے اپنی نظر نہ ڈالے اس کی مثال چوپایہ کی سی ہے بلکہ چوپایہ کی حالت اس سے اچھی ہے جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۱ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ

ؔ دنیاوی اسباب ذریعہ خداوند قدوس کی نعمتیں حاصل کرنے کے راستے ہیں یہی یقین کامل ہونا چاہیئے، اس طرح خدا کو نہیں بھول سکیگا اور دنیا سے دل نہیں لگے گا جس طرح بارش کے ہونے نے غسل کرایا، پرنالے کے نیچے بیٹھنے نے نہیں۔ "نعیمیہ"

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ج اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ه

مثال ۲۳ جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جاتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ تک نظر پہونچا دے ان کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ حمام میں گئے ایک تو کامل العقل ہے دوسرے پر حماقت غالب ہے یکایک پانی بند ہو گیا جو عاقل ہے اس کو معلوم ہے کہ اس پانی کا کوئی پیچھے سے پھیرنے والا ہے کہ پھیر رہا ہے اور کوئی چلانے والا ہے کہ چلا رہا ہے وہ اس کے پاس آویگا تاکہ جس کو بند کر لیا ہے اس کو چھوڑ دے یا اور جو مرضی ہو وہ کرے اور دوسرا شخص جو ہے وہ نل کے پاس آکر کہتا ہے اے نل ہمارے لئے پانی جاری کر دے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنا پانی بند کر دیا۔ اس سے یہی کہا جاویگا کہ تو احمق ہے اور نل کچھ سن سکتا ہے یا کچھ کر سکتا ہے وہ تو ایک محل اور پانی کا راستہ ہے جو اس میں جاری کیا جاتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

مثال ۲۴۔ ذخیرہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے اس کو باغ میں مقرر کر دیا تاکہ اس کو بنا دے سنوارے سو غلام کو اس باغ کے پھل میں سے اس قدر کھانا جائز ہے کہ درخت لگانے کھیتی بونے میں مدد پہونچے اور جمع کر کے رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس باغ کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا مالک غنی قدرت والا ہے پس اگر بدون اجازت مالک کے اپنے لئے جمع کر کے رکھا اور مالک پر بدگمانی کی تو خائن ہوا اور جو شخص ذخیرہ نہیں رکھتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک غلام ہے مالک کے گھر میں یا باغ میں اور جانتا ہے کہ میرا مالک مجھ کو نہ بھولے گا اور نہ مہمل چھوڑے گا بلکہ میرے لئے مال خرچ کریگا اور اپنا احسان مجھ کو پہنچا دے گا سو اپنے مالک کے باعث ذخیرہ رکھنے سے مستغنی ہو گا۔

اور اس کی توانگری کے سبب محتاجی کی پروانہ کرے گا اور اس کے سوا کسی شئے پر اعتماد نہ کرے گا ایسا غلام لائق اس کے ہے کہ اس پر توجہ کی جاوے اور عطا کر اس کے کام پورے کئے جاویں۔

مثال ۲۵ جو شخص امانت کے طور پر ذخیرہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے کہ مالک کے آگے کوئی چیز اپنی نہیں سمجھتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے نہ اس کے ذخیرہ کرنے پر اعتماد کرتا ہے نہ خرچ کرنے پر بلکہ وہی بات اختیار کرتا ہے جو مالک اس کے لئے پسند کرے۔ سو جب یہ سمجھے کہ مالک کو اس چیز کا رکھنا مقصود ہے تو مالک کے لئے رکھتا ہے نہ کہ اپنے لئے یہاں تک کہ موقع صرف کا منتظر رہتا ہے جب مالک کی مرضی خرچ کرنے کی سمجھتا ہے اس میں صرف کر دیتا ہے سو اس شخص پر رکھنے میں کچھ ملامت نہیں کیونکہ اس نے اپنے مالک کے لئے رکھا ہے اپنے لئے نہیں رکھا یہی حال ہے اہل معرفت کا اگر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے لئے اور اگر رکھتے ہیں تو اللہ کے لئے اسی کی رضامندی طلب کرتے ہیں انفاق[1] و امساک سے وہی مقصود ہے۔ پس یہ لوگ امین تحویلدار اور بڑے مرتبے کے غلام اور کریم آزاد ہیں حق تعالیٰ نے ان کو غلامی مخلوق سے آزاد فرمایا ہے پس انھوں نے مخلوق کی طرف محبت سے میلان نہیں کیا نہ مودت[2] سے متوجہ ہوئے ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت و مودت بس گئی اور ان کے سینوں میں اس کی عظمت بھر گئی وہ اس سے مانع ہوئی اور جو اللہ کے لئے رکھے وہ کسی طرح رہتے ہیں اس

۱؎ خرچ کرنے اور جمع کرنے میں بہر صورت اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی رضا کے متلاشی رہتے ہیں ۲؎ محبت اور دل کے رجوع سے۔ ۱۲ "تعمیہ"

شخص سے کم نہیں جو اللہ کے لئے خرچ کرے ان کے ہاتھ میں اشیاء کا وہی حال ہے جیسا ان کے پاس پہونچنے سے پہلے خزائن الٰہی میں حال تھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہماری ملک کا مالک ہے جو اللہ کے لئے اچھی طرح رکھنا نہیں جانتا وہ اللہ کے لئے اچھی طرح خرچ کرنا بھی نہیں جانتا خوب سمجھ لو۔

خدا تعالیٰ کا بندوں سے خطاب اولیاء اللہ کی زبانی

اس میں ہم اس مضمون کا ذکر کرینگے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بالقان حقائق کی زبانی مقدمۂ رزق و تدبیر میں خطاب فرماتا ہے ف یعنی حقائق زبان حال سے منجانب حق تعالیٰ کے بندے سے کہہ رہے ہیں۔ ت

خطاب اول اے بندے اپنے کان کو حضور دل سے میری جانب متوجہ کر میری طرف سے تجھ کو زیادہ نعمت ملے گی اور اپنے گوشِ دل کو ادھر جھکا میں تجھ سے دور نہیں ہوں[۱]۔

خطاب ۲ اے بندے میں تیری تدبیر میں اس وقت تھا کہ تو اپنا بھی نہ تھا سو اپنا اس طرح بن کہ اپنا نہ رہے اور میں نے تیرے ظہور سے پہلے تیری رعایت کی اور اب بھی رعایت میں ہوں۔

خطاب ۳ اے بندے میں ایجاد و تصویر میں یکتا ہوں میں حکم و تدبیر میں یگانہ

---

[۱] مگر چشم حقیقت بیں درکار ہے قال العارف الرومی رحمہ

باد بیں چشمے بود نوع دیگر

چشم خاکی را بخاک افتد نظر ملفوظ شریف

ہوں تو خلق و تصویر میں میرا شریک نہ ہوا سو میرے حکم و تدبیر میں بھی شریک مت ہو میں اپنے ملک کا مدبر ہوں اور میرا کوئی پشتیبان[۱] نہیں میں اپنے حکم میں اکیلا ہوں کسی وزیر کا محتاج نہیں۔

خطاب[۴] اے بندے جو شخص ایجاد سے پہلے تیری تدبیر میں ہو اس سے مراد میں نزاع[۲] مت کر اور جس نے خوبی و شفقت کا تجھ کو خوگر کر رکھا ہو اس کا مقابلہ عناد[۳] سے مت کر۔

خطاب[۵] اے بندے میں نے تجھ کو اپنی خوبی و شفقت کا خوگر کر رکھا ہے تو بھی میرے آگے تدبیر کو ترک کر دے۔

خطاب[۶] اے بندے کیا تجربے کے بعد شک ہے اور بیان کے بعد حیرت ہے اور ظہور ہدایت کے بعد گمراہی ہے کیا یہ اعتقاد بھی تجھ کو میرے حوالے نہیں کرتا کہ میرے سوا کوئی مدبر نہیں کیا میری خیر سابق[۴] بھی تجھ کو میرے ساتھ منازعت کرنے سے برکنار[۵] نہیں کرتی۔

خطاب[۷] اے بندے میری کائنات کے ساتھ اپنی نسبت کر کے دیکھ معلوم ہو گا کہ تو مخلوق فانی کے روبرو بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا پھر خالق جو فانی نہیں اس کے ساتھ کیا نسبت سمجھتا ہے؟ اور تو میرے انتظام سلطنت کو تسلیم کر چکا ہے اور تو بھی میری سلطنت میں داخل ہے سو میری ربوبیت میں نزاع مت کر۔

---

[۱] مجھے کسی سہارا اور مددگار کی ضرورت ہی نہیں [۲] مقصد حاصل کرنے کے لئے جھگڑا مت [۳] دشمنی اور غصہ [۴] جو نعمتیں میں تجھ کو پہلے دے چکا ہوں [۵] جھگڑے سے نہیں روکتی ۱۲ "نعیمیہ"

اور میرے آگے اپنی تدبیر ملا کر میری الوہیت سے مخالفت مت کر۔

خطاب ۸ کیا تجھ کو یہ بات کافی نہیں کہ میں تجھ کو کافی ہوں کیا تجھ کو مجھ پر اس سے بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میرے سابق احسان[1] تیرے ساتھ کتنے ہو چکے ہیں

خطاب ۹ میں نے تجھ کو تیرا محتاج کب بنایا ہے کہ اب تو اپنے حوالے کر دیا جاوے گا اور میں نے اپنے ملک کی کوئی چیز کسی غیر کے سپرد کب کی ہے جس کو تیرے سپرد کر دونگا۔

خطاب ۱۰ اے بندے میں نے تجھ کو اپنے وجود کا مظہر بھی نہ بنایا تھا اس وقت اپنے کرم کو تیرے ساتھ مہیا کیا تھا اور میں ہر شے میں اپنی قدرت سے ظاہر ہوں تجھ کو میرا انکار کرنا کیسے ممکن ہے۔

خطاب ۱۱ اے بندے میں جس کا مدبر بنا اس کو کب ٹوٹا ہوا اور جس کا میں حامی ہوا وہ کب بے ساتھی رہا۔

خطاب ۱۲ اے بندے تو قسمت کی جستجو چھوڑ کر میری خدمت میں لگا رہ اور ربوبیت پر بدگمانی سے باز آ کر میرے ساتھ نیک گمان رکھ۔

خطاب ۱۳ اے بندے یہ سزاوار نہیں کہ محسن پر بدگمانی کی جاوے یا قدرت والے سے منازعت کیجاوے یا غلبہ والے سے مخالفت کی جاوے یا حکمت والے کے حکم پر اعتراض کیا جاوے یا لطف کرنے والے کے سامنے غم پالا جاوے۔

خطاب ۱۴ اے بندے وہ شخص مراد کو پہونچا جو میرے سامنے اپنے ارادے سے علیحدہ ہوا اور آسانی کی راہ بتلایا گیا جسنے مجھ پر حوالہ کیا اور اس کو خزانہ غنا

[1] جو نعمت میں تجھ کو پہلے دے چکا ہوں۔ ۱۲ " نعیمیہ "

مل گیا جو سچے طور سے میری طرف حاجت لایا اور میری حمایت کا مستحق ہو گیا جس نے میرے ساتھ جنبش کی جب کبھی جنبش کی اور بڑی مضبوط رسی پکڑلی جس نے میری رسی پکڑی میں نے بذات خود قسم کھائی کہ اہلِ تدبیر کو یہ بدلا دونگا کہ ہمیشہ ملکدر رہیں اور جو بنائیں اس کو گرا دوں جو باندھیں اس کو کھولدوں اور ان کو ان ہی کے حوالہ اور سپرد کردوں ان کو راحتِ رضا اور نعمتِ تفویض نصیب نہ ہو سو اگر ان کو میری طرف کی سمجھ ہوتی تو میری تدبیر جو ان کے لئے ہے اس پر قناعت کرکے اپنے لئے تدبیر نہ کرتے اور میں جو اُن کی نگہداشت کرتا ہوں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے نگہداشت نہ کرتے اس وقت میں ان کو رضا کی راہ چلاتا اور اہل ہدایت کا رستہ بتلاتا اور روشن طریق میں ان کو دوڑاتا اور اپنی عنایت کو تمام خوف کی چیزوں سے ان کے لئے سپر و نگہبان بنا دیتا اور تمام امیدوں کی چیزیں حاصل کر دیتا اور یہ مجھ کو آسان ہے۔

خطاب ۱۵ اے بندے ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو چاہ اور ہمارے آگے اور کسی چیز کا ارادہ مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات تجویز کرتے ہیں کہ ہم کو اختیار کر اور ہمارے آگے اور کسی کو اختیار مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہم کو پسند کر اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو غیروں کو پسند کرے

خطاب ۱۶ اے بندے اگر میں تجھ کو جتا دوں[1] سو اس وجہ سے کہ اپنا فضل تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور اگر تجھ کو ہرا دوں[2] تو اس وجہ سے کہ اپنی قضا میں تیرے پاس اپنے اسرار لُطف بھیجنا چاہتا ہوں۔

---

[1] کامیاب [2] ناکامیاب ۱۲۔ "نعیمہ"

خطاب [۱۷] اے بندے جو کچھ میں نے اپنی نعمت تیرے اندر ظاہر فرمائی اس کا یہ بدلہ مت کر کہ مجھ سے منازعت کرنے لگے اور میں نے تجھ پر عقل دے کر احسان کیا جس سے تجھ کو اوروں سے ممتاز کیا اس کا عوض یہ مت کر کہ مجھ سے مخالفت کرے۔

خطاب [۱۸] اے بندے جیسا زمین و آسمان میں میری تدبیر کرنا اور حکم و قضا میں یکتا ہونا تو نے تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنا میرے ملک میں ہونا بھی تسلیم کرلے کیونکہ تو میری ملک میں ہے اور میرے سامنے تدبیر مت کر کیونکہ تو میرے ساتھ معیت رکھتا ہے اور مجھ کو کارساز سمجھ اور میرے کفیل ہونے پر وثوق[ل] کر تجھ کو عطائے کثیر اور فخر کبیر[ٹ] دوں گا۔

خطاب [۱۹] اے بندے میں ازل میں حکم کر چکا ہوں کہ میرے بندے کے دل میں نورِ تسلیم اور ظلمت منازعت جمع نہ ہونگے جب ایک ہوگا دوسرا نہ ہوگا اب اپنے لئے جو چاہے پسند کرلے کمبخت مارے ہم نے تو تیرا مرتبہ اس سے بڑا بنایا ہے کہ تو اپنے ذاتی کام میں لگے سو اپنی قدر مت گھٹا لے وہ شخص جس کو ہم نے بلند قدر کیا میرے غیر پر حوالہ کرکے ذلیل مت ہولے وہ شخص جس کو ہم نے معزز کیا کمبخت مارے تو ہمارے نزدیک اس سے بلند قدر ہے کہ غیروں کے ساتھ مشغول ہو میں نے تجھ کو اپنی ہی درگاہ کے لئے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف بلایا اور اپنے جذباتِ[ٹ] عنایت سے تجھ کو کھینچا اگر اپنے نفس کے ساتھ مشغول

ل یقینِ کامل ٹ بڑی عظیم الشان عزت ٹ رسّی

۱۲ "نعیمہ"

ہوگا تجھ کو محبوب[۱] کر دوں گا اور اگر اس کی خواہش کا اتباع کیا تجھ کو نکال دوں گا اور اگر نفس سے جدا ہوا تجھ کو مقرب بنالوں گا اور اگر ماسوا[۲] سے اعراض کر کے مجھ سے محبت کی تجھ کو قبول کر لوں گا۔

خطاب نمبر ۲۰ اے بندے اگر تو کفایت اور ہدایت چاہے تو کیا یہ امر کافی وہادی نہیں ہے کہ میں وہ ہوں کہ میں نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور صدقہ دیا پھر عطا دی میرے احکام میں منازعت کرنی اور میرے افعال[۳] میں معارضہ کرنے سے کیا یہ امر مانع نہیں ہوسکتا۔

خطاب نمبر ۲۱ مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو مجھ سے منازعت کرتا ہے مجھ کو واحد نہیں سمجھتا جو میرے آگے تدبیر کرتا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں جو میری نازل کی ہوئی بلا پر اوروں سے شکایت کرتا ہے اور اس شخص نے مجھ کو اختیار نہیں کیا جس نے میرے سامنے اختیار رکھا اور میرا حکم بجا نہیں لایا جس شخص نے میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائی اور مجھ کو نہیں پہچانا، جس نے اپنا کام میرے سپرد نہیں کر دیا اور مجھ سے ناواقف رہا جس نے مجھ پر توکل نہیں کیا۔

خطاب نمبر ۲۲ اے بندے تیری یہی جہالت بہت ہے کہ اپنے قبضے کی چیز پر تو دل کو قرار ہو اور میرے قبضے کی چیز پر قرار نہ ہو اور میں تو تیرے لئے یہ بات پسند کروں کہ تو مجھ کو اختیار کرے اور تو میرے مقابلہ میں اوروں کو اختیار کرتا پھرے کمبختی مارے عبودیت اور اختیار جمع نہیں ہوتے نہ تاریکی اور انوار

۱؎ اندھیرے اور پریشانیوں میں مبتلا ۲؎ اللہ کے علاوہ ہر ایک سے
۳؎ کاموں "نعیمیہ"

نہ یہ بات کہ میری طرف بھی متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف بھی سو یا تو میں تیرا رہوں گا یا تو اپنا رہے گا سو خوب سوچ سمجھ کر ایک بات اختیار کر لے اور ہدایت کی عوض زیاں[1] مت لے۔

خطاب ۲۳ اے بندے خود اگر مجھ سے اپنے لئے تدبیر کو طلب کرے تو تیرا جہل ہے اور تو اپنی تدبیر کرے اس کا تو کیا ذکر اور اگر میرے آگے کسی چیز کو اختیار کرے تو تیری بے انصافی ہے چہ جائیکہ مجھ کو چھوڑ کر کسی کو اختیار کرے۔

خطاب ۲۴ اے بندے اگر میں تدبیر کی اجازت بھی دے دیتا تب بھی تجھ کو لازم تھا کہ تدبیر کرتا ہوا شرماتا چہ جائے کہ تجھ کو یہ حکم کر چکا ہوں کہ تدبیر مت کر، اے وہ شخص جو اپنے نفس کی فکر میں لگا ہے اگر تو اس کو ہمارے حوالے کر دیتا تو آرام پاتا کمبختی کے مارے تدبیر کے بوجھ کو بجز ربوبیت کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا، بشریت کو اس کی قوت نہیں کمبختی مارے تجھ کو تو اور کوئی اٹھا رہا ہے تو کیوں بوجھ اٹھاتا ہے ہم کو تیری راحت منظور ہے تو اپنی جان کو مشقت میں مت ڈال پیٹ کے اندھیرے میں تیری کس نے تدبیر کی تھی بعد موجود ہونے کے جو تم نے چاہا تجھ کو دیا تجھ کو زیبا نہیں کہ اب وہ جو چاہتا ہے اس میں منازعت کرے۔

خطاب ۲۵۔ اے بندے تجھ کو میں نے اپنی خدمت کا حکم دیا اور اپنے رزق کا تیرے لئے ذمہ دار ہوا تو نے میرا حکم مہمل چھوڑا اور جس چیز کی ذمہ داری کی تھی اس میں شک کیا اور میں نے صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ

[1] نقصان گوارہ "نعیمیہ"

اس پر قسم بھی کھائی پھر قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا اس کی مثال بھی بیان کی اور سمجھدار بندوں کو خطاب کیا پس کہا میں نے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ۝ ف اس آیت میں ہے ذمہ داری اور قسم اور مثال جیسا اوپر گذر چکا ہے اور عارفین نے میرے اوصاف پر اکتفا کیا اور اہل یقین نے میرے کرم پر حوالہ کیا سو اگر میرا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی وہ یقین کرتے کہ میں ان سے اپنی واردات عطا کو بند نہ کروں گا اور اگر میری ضمانت بھی نہ ہوتی تو میری صفت احسان پر وہ تو وثوق کر لیتے اور میں ان لوگوں کو رزق دیتا ہوں جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں تو ان کو کیسے رزق نہ دوں گا جو میری اطاعت اور رعایت کرتے ہیں۔

اے کمبختی مارے جو درخت کو بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے اور خلقت کا مدد کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور مخلوق کے لئے یہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور پاداش دینے والا ہے۔ مجھ سے ایجاد ہوا میرے ہی ذمے دوام[1] امداد بھی ہے مجھ سے تخلیق ہوئی میرے ہی ذمہ ہمیشہ رزق دینا بھی ہے۔

اے کمبختی مارے تو اپنے گھر میں کسی کی بھی[2] دعوت کرتا ہے سوائے اس کے جس کو کھانا کھلانا منظور ہو اور کسی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے سوائے اس کے جس کی خاطر منظور ہو۔

---

[1] ہمیشہ مدد کرنا [2] یعنی جس کو کھانا کھلانا منظور ہوتا ہے اسی کو تو بلاتا اور دعوت دیتا ہے ایسا تو نہیں ہوتا کہ جس کو کھانا کھلانا منظور نہ ہو اس کو دعوت دے، تو ہم (باری تعالیٰ) تجھ کو منظور کرتے ہیں تب ہی تو تجھ کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور خوانِ دنیا و دین کو تیرے لئے بچھا دیتے ہیں "نعیم"۔

خطاب ۲۶ اے بندے تو بجائے فکرِ رزق کے ہماری فکر رکھ کیونکہ جو چیز میں اپنے ذمہ لے چکا ہوں تو اس میں کیوں تعب[۱] اٹھاتا ہے اور جس چیز کو تو اپنے ذمے لے چکا ہے یعنی عبادت تو اس کا ہو رہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو اپنے گھر میں لا دیں اور اپنے احسانوں سے محروم رکھیں تجھ کو وجود میں ظاہر کریں اور تیری مدد کر کے تجھ کو ہستی کی طرف لا دیں اور اپنا کرم نہ کریں کیا اپنا حق تو تجھ سے طلب کروں گا اور اپنا رزق تجھ کو نہ دوں گا کیا تجھ سے خدمت چاہوں گا اور حصہ نہ دوں گا اے کم بخت مارے میرے پاس تیرے لئے طرح طرح کی بخششیں ہیں اور تجھ کو اپنا مظہر رحمت بنایا اور میں نے تیرے لئے صرف دُنیا پر بس نہیں کیا یہاں تک کہ جنت کو ذخیرہ کر کے رکھا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنے دیدار سے تحفہ دیا پس ہر گاہ[۲] میرے یہ افعال ہیں پھر میرے افضال میں کیسے شک کرتا ہے۔

خطاب ۲۷ اے بندے میری نعمت کا کوئی لینے والا اور میرے فضل کا کوئی قابل ضرور ہونا چاہیئے اور میں اس سے غنی ہوں کہ منافع سے نفع حاصل کروں اس پر دلیل قطعی قائم ہے سو اگر تو مجھ سے یہ بھی درخواست کرے کہ تجھ کو اپنا رزق نہ دوں تب بھی تیری بات نہ مانوں اگر تو مجھ سے یہ دعا کرے کہ تجھ کو اپنے فضل سے محروم کروں تب بھی محروم نہ کروں پھر اس وقت تو کیونکر محروم کردوں گا کہ ہمیشہ تو مانگا کرتا ہے اور اکثر اوقات طلب کیا کرتا ہے سو مجھے اب حیا کر اگر ابھی تک حیا

---

۱ مشقت و محنت ۲ پس جبکہ میری مہربانیوں سے میرے معاملات تیرے ساتھ یہ ہیں تو پھر میری آئندہ مہربانیوں سے کیوں مایوس و بے یقین ہے۔؟
۱۲ نعیمیہ "

نہ کرتا تھا اور میری طرف کی بات سمجھ اس کو سب کچھ ملا جو میری طرف کی بات سمجھا۔

خطاب ۲۸ اے بندے مجھ کو اختیار کر اور مجھ کو چھوڑ کر اور کسی کو مت اختیار کر اور اپنے دل کو صدق سے میری طرف متوجہ کر۔ اگر تو ایسا کریگا تو تجھ کو غرائب لطف[1] اور عجائب کرم دکھلاؤں گا اور تیرے باطن کو اپنے مشاہدہ[2] سے منور کروں گا۔ میں نے اہلِ تحقیق کے لئے رستہ ظاہر کر دیا ہے اور صاحبانِ توفیق کے لئے نشان ہدایت کے واضح کر دیئے ہیں سو اہلِ یقین نے تحقیق کے ساتھ میری طرف تسلیم کیا ہے اور اہل ایمان نے دلیل کے ساتھ مجھ پر توکل کیا ہے انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ان کے لئے اس سے بہتر ہوں کہ وہ اپنے لئے ہوں اور میری تدبیر ان کے لئے زیادہ کارآمد ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے لئے تدبیر کریں پس انھوں نے گردن جھکا کر میری ربوبیت کو مان لیا اور اپنے کو میرے سامنے تفویض کر کے ڈال دیا میں نے اس کی عوض ان کی جانوں میں راحت دی اور عقلوں میں نور اور قلوب میں معرفت اور باطن میں یقین قرب، یہ تو اس دنیا میں ہوا اور جب میرے پاس آوینگے اس وقت ان کے منصب کو بڑا کروں گا ان کا مرتبہ بلند کروں گا اور بزرگی کے جھنڈے ان پر کھولوں گا اور جب اُن کو اپنے گھر[3] میں داخل کروں گا تو ان کے لئے ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھی اور نہ کان نے سُنی نہ کسی بشر کے قلب پر گزری۔

خطاب ۲۹۔ اے بندے جو وقت آگے آتا ہے میں نے اس میں

---

[1] بے مثال مہربانیاں اور عجیب وغریب عنایتیں [2] دل کو اپنے جمال سے چمکا دوں گا [3] یعنی جنت الفردوس ۱۲ نعیمہ"

تجھ سے خدمت طلب نہیں کی تو مجھ سے اس وقت کی روزی کیسے مانگتا ہے جب میں تجھ کو عبادت کی تکلیف دوں گا تو رزق کا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور جب تجھ سے خدمت طلب کروں تو کھانا بھی کھلاؤں گا اور یقین کر کہ میں تجھ کو نہ بھولونگا اگرچہ تو مجھ کو بھلادے اور میں تجھ کو یاد کرتا ہوں قبل اس کے کہ تو مجھ کو یاد کرے اور میرا رزق تجھ پر جاری رہے گا اگرچہ تو میری نافرمانی کرے، میں حالتِ اعراض[۱] میں جب تجھ سے ایسا ہوں سو اگر تو میری طرف متوجہ ہوا اس وقت مجھ کو اپنے ساتھ کس طرح سمجھتا ہے؟ تو نے میری قدر کما حقہ نہیں پہچانی اگر میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکادی اور میرے احسان کی تو نے رعایت نہیں کی اگر میرا حکم نہ بجالایا سو مجھ سے اعراض مت کر تجھے ایسا کوئی نہ ملے گا جو میرا بدل ہو سکے۔ کسی سے مل کر مجھ سے بے پرواہی مت کر کوئی مجھ سے تجھ کو بے نیاز نہیں کرسکتا میں اپنی قدرت سے تیرا پیدا کرنے والا ہوں میں اپنی نعمت تجھ پر فراخ کرنے والا ہوں سو جیسا میرے سوا کوئی خالق نہیں ایسا ہی میرے سوا کوئی رازق نہیں، کیا پیدا خود کرونگا اور غیروں پر ٹال دونگا اور میں بڑے فضل والا ہوں اور بندوں کو غیروں سے روکتا ہوں سوائے بندے مجھ پر وثوق کر میں رب العالمین ہوں اور میرے آگے اپنی مراد سے علیحدہ ہو جا۔ میں تجھ کو عین مراد کو پہنچادونگا اور میرے الطافِ سابقہ یاد کر اور حقِ محبت مت بھلا۔ ف اس کے بعد مصنف کہتے ہیں۔ ت

---

[۱] جب تیرا معاملہ مجھ سے خراب ہے لیکن میرا معاملہ پھر بھی تجھ سے اچھا ہے تو ۱۲ تفہیمیہ۔

دعا و خاتمۂ کتاب

ہم کو منظور ہوا کہ اس کتاب کو ایسی دعا پر ختم کریں جو اس مضمون کے مناسب ہو جس کے لئے یہ کتاب بنائی گئی ہے اور وہ دعا یہ ہے یا الٰہی ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر رحمت بھیج جیسا تونے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر اہلِ عالم میں رحمت بھیجی بیشک تو محمود ہے بزرگ ہے یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو تیری اطاعت کرنے والے ہیں اور ہم کو اس سے علیحدہ کر کر تیرے آگے یا تیرے مقابلہ میں تدبیر کریں اور ہم کو اہلِ تفویض سے کر دے یا الٰہی تو ہمارا اس وقت تھا کہ ہم بھی اپنے نہ تھے پس ہمارے ہونے کے بعد بھی ہمارا اسی طرح بنا رہ جیسا ہمارے ہونے سے پہلے تھا اور ہم کو اپنے لطف کی خلعت پہنا اور اپنی عنایت و مہربانی سے ہم پر متوجہ ہو اور تدبیر کے اندھیرے ہمارے دلوں سے نکال اور ہمارے باطن میں نورِ تفویض کو روشن کر اور اپنا حسنِ اختیار ہم کو مشاہدہ کرا دے یہاں تک کہ جس چیز کا تو ہمارے لئے حکم فرما دے اور پسند کرے وہ ہم کو اس سے زیادہ پیاری ہو جاوے جس کو ہم اپنے لئے پسند کریں یا الٰہی جس چیز کی تو نے ہمارے لئے ذمہ داری کی ہے اس میں ہم کو مت لگا کہ تیرے حکم سے غافل ہو جاویں یا الٰہی تو نے ہم کو اپنی اطاعت اور دوام خدمت کے لئے بلایا اور ہم کو یہ طاقت نہیں مگر ہاں اگر تو قدرت دے دے اور ہماری یہ ہمت نہیں مگر ہاں اگر تو قوت دے دے اور جب تک کہ تو ہم کو کسی حالت میں نہ کر دے ہم اس حالت میں کہاں ہو سکتے ہیں اور جب تک کہ تو نہ پہونچا دے ہم کسی مطلب کو کہاں پہونچ سکتے ہیں اور جب تک کہ تو ہماری اعانت نہ کرے ہم کو کسی شئے کی قدرت

کہاں ہے سو ہم کو اپنے حکم بجا لانے کی توفیق دے اور منہیاتؔ[1] سے بچنے پر مدد فرما۔ یا الٰہی ہم کو روضۂ تفویضؔ[2] اور جنتِ تسلیم میں داخل فرما اور ہم کو اس جنت میں حیلین سے رکھ اور ہمارے باطن اپنے ساتھ مشغول رکھ اس کی نعمت ولذت کے ساتھ اور ہم کو اپنی لذت دے نہ اس کی زینت ورونق یا الٰہی ہم پر اپنی... فرمانبرداری اور توجہ کے ایسے انوار روشن فرما جس سے ہمارے باطن پُر رونق اور ہمارے انوار کامل ہو جاویں۔ یا الٰہی تو نے سب چیزوں کے ہونے سے پہلے ان کی تدبیر فرمائی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہو گا جو تو چاہے گا اور اس یقین سے ہم کو جب ہی فائدہ ہو گا کہ جب تو چاہے گا، سو ہم کو اپنی خیر دے کر رخصت کر اور اپنے فضل سے ہماری شان بلند کر اور اپنی عنایت سے ہماری طرف قصد فرما اور اپنی رعایت سے ہم کو گھیرے اور اپنی اہلِ ولایت کے خلعت ہم کو پہنا اور اپنی حمایت میں ہم کو داخل فرما بیشک تجھ کو ہر شئی پر قدرت ہے یا الٰہی ہم جانتے ہیں کہ تیرے حکم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور تیری قضا کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور ہم تیری قضا کے ہٹا دینے سے اور تیرے حکم کے ٹال دینے سے عاجز ہیں سو ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی قضا میں لطف فرما اور حکم میں تائید فرما اور ہم کو اس باب میں ان لوگوں میں سے کر دے جن کی تو رعایت فرما تا ہے۔ اے رب العالمین یا الٰہی تو ہمارا حصہ لگا چکا ہے جس کو ہمارے پاس پہونچا دیگا سو اس کو ہمارے پاس خوشگواری اور بے مشقتی کے ساتھ پہونچا دے کہ حجاب سے محفوظ رہیں انوار وصل ہم کو گھیرے ہوں اس کو تیری جانب سے دیکھیں تاکہ شکر

[1] منع کی ہوئی چیزوں [2] باغ۔ "نعیمہ"

کریں اور اس کو تیری طرف منسوب کریں اور عالم میں سے کسی کی طرف نسبت نہ کریں یا الٰہی تمام رزق تیرے ہاتھ میں ہے دُنیا کا بھی اور آخرت کا بھی سو ہمیں دونوں میں سے اس قدر عنایت فرما جس میں تو ہماری مصلحت و منفعت جانے یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر جنھوں نے تجھ کو اختیار کر لیا ہے اور ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر جو تیری طرف تفویض کرنے والے ہیں ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ پر اعتراض کر رہے ہیں یا الٰہی ہم تیرے محتاج ہیں تو ہم کو عطا فرما اور ہم طاعت سے عاجز ہیں ہم کو قدرت دے اور ہم کو اپنی طاعت کی ہمت دے اور اپنی نافرمانی سے عاجز کر دے اور اپنی ربوبیت کے آگے گردن جھکانا نصیب کر اور اپنے احکام الوہیت پر پابندی عنایت فرما اور اپنی طرف نسبت کئے جانے کی عزت بخش اور توکل کی راحت روزی کر اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو رضا کے میدان میں جاتے ہیں اور تسنیم تسلیم سے منہ لگا کر پیتے ہیں اور معارف کے پھل چُنتے ہیں اور خلعت خصوصیت پہنائے گئے ہیں اور قُرب کے تحفے اور دربار عشق کے عطیات دیئے گئے ہیں جو ہمیشہ تیری خدمت میں رہتے ہیں تیری معرفت کا یقین رکھتے ہیں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ان کے وارث ہیں اُن سے فیض لیتے ہیں، اُن ہی کے ہو رہے ان کی نیابت کو بجالاتے ہیں اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما یا رب العالمین (ختم ہوئی دعا)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

تسلیماً ۵

خاتمہ ترجمہ مع قطعتین تاریخ از مترجم

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۲۱۔ محرم الحرام روز سہ شنبہ وقت ظہر ۱۳۱۲ھ ہجریہ مقام مکہ معظمہ میں رسالہ اکسیر ترجمہ تنویر اتمام کو پہونچا دو قطعہ تاریخ ایک فارسی دوسرا اردو نذر ناظرین باتمکین ہے ؎

بالفارسیہ

چوں بامداد الہ و فیض او
ختم شد ایں نسخہ بطرز نکو
گفت دل چون ختم از وسالِ ختم
مبحث تقدیر ازلی خوش بگو
۱۲ ۱۳ھ

بالھندیہ

جب بامدادِ فضل ربِ قدیر
ہوا تیار نسخہ اکسیر
سربیدین اڑ کے ہاتف نے
لکھی تاریخ ترجمۂ تنویر
۱۳۱۲ھ

تمام شد

مُناجات

نظم مناجات خاتمۂ کتاب از مولانا سید حمزہ صاحب دہلوی حسب الارشاد حضرت قبلۂ و کعبہ پیر و مرشد مولانا الحافظ الحاج الشیخ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضاعفت برکاتہم برائے سہولتِ حفظ اہل ذوق و شوق کہ بوقت مناجات آں را تکرار کنند و حفظ گیرند

اے خدائے قابل حمد و سپاس — تجھ سے اب یہ ہے ہماری التماس
بھیج تو رحمت شہِ لولاکؐ پر — بعد اُن کے اُن کی آل پاک پر
جس طرح بھیجی ہے ابراہیمؑ پر — اور اُن کی آلِ با تکریم پر
شک نہیں اس میں کہ تو محمود ہے — سب سے اعلیٰ یعنی تو معبود ہے
یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں کر! — جو اطاعت سے تری ہیں بہرہ ور
تیری خدمت کے لئے استادہ ہیں — تیری طاعت کے لئے آمادہ ہیں
دے ہمیں تفویض کا اعلیٰ مقام — تاکہ ہم تدبیر سے رکھیں نہ کام
یا الٰہی جب کہ ہم معدوم تھے — تیرے افضال و کرم قیوم تھے
اب جو ہم موجود دنیا میں ہوتے — اب بھی وہ ہی فضل کا سایہ رہے
اے خدا پہنا دے خلعت لطف کا — کر عنایت کی نظر ہم پر خدا!
ظلمتِ تدبیر قابوں سے نکال — نور بھر تفویض کا ..... اے ذوالجلال
اے خدا اے حاکم حکمت شعار — ہمکو دکھلا اپنا حسنِ اختیار

تاکہ ہو تیرے پسندیدہ سے کار — ہو پسند اپنی نظر میں اپنی خوار
تو نے ہے جس چیز کا ٹھیکہ لیا — اس میں یا رب ہم کو ایسا مت لگا
جو ترے احکام میں غفلت کریں — تیرے ذمے کی نہ کچھ وقعت کریں
یا الٰہی حکم ہے تیرا ہمیں! — دائماً تیری اطاعت میں رہیں!
لیک ہم کو اس قدر طاقت نہیں — بازوئے ہمت میں کچھ ہمت نہیں
پر سہارا دے تری توفیق گر — قوت و ہمت ہو میری بیشتر
جب تلک تو دے نہ ہم کو کوئی حال — ہم کو ہو اس حال کی کیسے مجال
تو نہ جب تک ہم کو پہونچا دے بھلا — ہم درِ مقصود تک پہونچیں گے کیا
تو ہماری جب اعانت میں نہ ہو — کوئی بھی شے اپنی قدرت میں نہ ہو
بس الٰہی ہم کو یہ توفیق دے — ہو تعلق حکم کی تعمیل سے
اور منہیات سے یا رب بچا — روضۂ فردوس کی سیریں دکھا
اور اس جنت میں رکھ راحت کے ساتھ — اور دل مشغول رکھ طاعت کے ساتھ
نے تعلق ہم کو ہو لذت کے ساتھ — نے علاقہ کچھ رہے نعمت کے ساتھ
اپنی لذت ہم کو یا رب تو چکھا — دے نہ اس کی زینت و رونق مزا
نورِ طاعت اور اطاعت کا دکھا — اور دلوں کو اس سے پُر رونق بنا
تاکہ ہو انوار کو اپنے کمال! — یعنی حاصل ہو ہمیں قرب و وصال
جب کہ تھی ہر چیز بے نام و نمود — نام کو بھی وہ نہ رکھتی تھی وجود
تو نے کی تدبیر اس کے واسطے — فائدے اُن کے مہیّا کر دیئے
ہے یقیں ہم کو جو مرضی ہے تری — پیش سب کو آنے والا ہے وہی

اس یقین کا فائدہ بھی جب ملے
ہم کو اپنی خیر پر فائز بنا
کر عنایت اپنی تو ہم پر بسیط
ہم کو پہنا خلعتِ اہلِ وِلا
تجھ کو ہے ہر شے پہ قدرت بیگماں
ہو مقابل کون تیرے حکم کا!
ہم سے ہو سکتی نہیں رَدِّ قضا
التجا ہے اس لئے اے ذوالمنن
حکم میں اپنی مدد کر کردگار
جن کی کرنی ہے رعایت ہی تجھے
تو نے قسمت میں لکھا ہے جو اِلٰہ
اس کو اچھی طرح پہونچا اے خدا
تا حفاظت ہم کو دوری سے رہے
اس کو تیری طرف سے جانیں اگر
اس کی نسبت تیری ہی جانب کریں
یا الٰہی روزیٔ دنیا و دیں
بس ہمیں تو اس قدر دے مائدہ
ہم کو اُن لوگوں میں کر اے کردگار
ہم کو اُن لوگوں میں مت کر اے خدا

جب نظر اس پر تری خواہش کرے
اور اپنے فضل سے رُتبہ بڑھا
کر رعایت اپنی تو ہم پر محیط
اور دے اپنی حمایت میں بھی جا
تجھ کو ہے ہر شے پہ قوت بیگماں
بالیقیں ممکن نہیں ضدِّ قضا!
ہم سے ٹل سکتا نہیں جو ہو چکا
لُطف کر اپنی قضا میں بے محن
اپنے اُن لوگوں میں کر پروردگار
یعنی کرنی ہے عنایت ہی تجھے
وہ ہمیں پہونچائے گا بے اشتباہ
ہو مشقت کا نہ ہم کو سامنا
روشنی نورِ حضوری سے رہے
شاکروں میں تاکہ ہو اپنا مقر
دوسرے کو اس سے نسبت ہی نہ دیں
ہے تمامی پاس تیرے بالیقین
جس قدر سمجھے ہمارا فائدہ
کرلیا تجھ کو جنھوں نے اختیار
دوسرے کے ہو گئے جو بے وفا

اُن میں جو تفویض کے ہیں معترض — کرنہ ان میں جو ہیں تجھ پر معترض!
ہیں ترے محتاج دے حاجت ہمیں — عاجز طاعت ہیں دے قدرت ہمیں
ہمتِ طاعت ہمیں دے اے کریم — معصیت میں عاجزی دے مستدیم
وہ ہمیں توفیق دے بارِ خدا — دیں ربوبیت کے آگے سر جھکا
پھر الوہیت کے سب احکام پر — استقامت سے رہیں بستہ کمر
ذات والا سے ہمیں دے انتساب — تاکہ عزت سے بنیں ہم بہرہ یاب
دے توکل سے ہمارے دل کو چین — اور کران میں خدا لے مشرقین
جن کو تسلیم و رضا دونوں مقام — ہو گئے حاصل علیٰ وجہ التمام
اور عرفاں میں ترے کامل ہوئے — خاص لوگوں میں ترے داخل ہوئے
قرب سے تیرے ہوئے جو بہرہ ور — چکھ چکے جو عشق کا اپنے ثمر
جو ہمیشہ تیرے ہیں خدمت گزار — ہیں یقینِ معرفت سے کامگار
جو کہ پیرو ہیں رسولؐ پاک کے — اور وارث ہیں شہ لولاک کے
فیض سے ان کے سدا ہیں بہرہ یاب — صرف ان سے رکھتے ہیں وہ انتساب
حق نیابت کا ادا کرتے ہیں وہ! — حق وراثت کا ادا کرتے ہیں وہ
کر میسّر ہم کو حسنِ خاتمہ — ہے دعا کا بھی یہ حسنِ انتہا
بھیج آقا پر ہمارے تو مدام! — کاملہ رحمت خدایا اور سلام
ہے محمدؐ جن کا نام مفتخر — اور اُن کی آلؑ اور اصحابؓ پر

ناظم دفاری کے حق میں اے خدا
کیجیو مقبول یہ ساری دعا

قطعۂ تاریخ

از مولانا حمزہ حفظہ اللہ من شر کل ہمزۃ لمزۃ متخلص بشیدا دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مخلوق ہے تدبیر کی ظلمت میں مقید
تقدیر پہ ایمان اگر ہے تو یہ تقدیر
منظور ہوا اس لئے آقا کو ہمارے
ویران جو دل ہیں انھیں اب کیجئے تعمیر
اس نورِ مجسم کو ہوا غیب سے روشن
کیا خوب ہو اُردو میں جو ہو جائے یہ تنویر
یہ کام ملا مولوی صاحب کو ہمارے
وہ مولوی صاحب کہ جو ہیں علم کی تفسیر

وہ حضرتِ اشرف کہ شرف جنسے بیاں کو
تقریر کی آنکھوں میں ہے وہ سُرمہ کی تحریر

پس حکم سے مرشد کے لکھا چند دنوں میں
اُس نسخۂ اکسیر نے یہ نسخۂ اکسیر

تدبیر نے ادبار جو دیکھا تو حسد سے
تقدیر سے بولی تری اللہ رے تقدیر

پھر فیض نے مرشد کے مرے ہاتھ سے شیدا
بے ساختہ بے فکر کیا سال یہ تسطیر

ظلمات سے نکلنے کی جو تدبیر ہے اس میں
تاریخ ہے اس واسطے تنویر کی تدبیر
۱۳۱۲ھ

تقریظ رسالہ اکسیر ترجمہ تنویر از افضل الادبا اکمل البلغاء ذی الفضل الجلی والکمال البہی مولانا محمد ذوالفقار علی من رؤسا الدیوبند قدس اللہ سرہٗ

بندے نے تعمیل ایمائے جناب مولانا اشرف الفضلاء المحققین امجد العلماء العاملین صاحب الشریعت والطریقت الحلاحل الالمعی المولوی اشرف علی بارک اللہ فی علمہ وفضلہ اکسیر ترجمہ تنویر کو مقامات مختلفہ ومواضع متعددہ سے دیکھا۔ واقعی بہت عمدہ ترجمہ ہے گویا اصل کتاب اردو ہی میں لکھی گئی ہے حق یہ ہے کہ اس خوبی سے انجام کام مولانا ہی کا حصہ ہے ورنہ اس وادیٔ لق ودق کو طے کرنا ہر سالک سے نہیں ہوسکتا ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء علی اشاعۃ منح علوم العلماء واذاعۃ سر الاولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم آمین بجوہ الامین

نبنبنبنب